امتِ مسلمہ کے محسن
علماء

اُمتِ مُسلمہ کے محسن

عُلماء

جنہوں نے علم کی ترویج و اشاعت
کو ازدواجی زندگی پر ترجیح دی!

اردو ترجمہ

العلماء العزاب

مؤلف
استاذ عبدالفتاح ابوغدہؒ

مترجمین
مفتی ثناء اللہ محمود
مولانا عبید الرحمٰن روفی

بیت العلوم
۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور، فون: [illegible]

فہرست

﴿عرض مترجم﴾

علامہ یاقوت حموی نے ادب میں جب "معجم الأُدباء" لکھی تو کہنے والوں نے کہا انہیں ادب کے بجائے کسی دینی موضوع پر لکھنا چاہئے تھا، ان ناقدین کو انہوں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا ہے۔

"مجھے اس بغض رکھنے والے کا خوب علم ہے جو مجھ پر تنقید کرتا ہے اور مجھے طعن زنی کا نشانہ بناتا ہے اس کا خیال ہے کہ دینی موضوعات میں مشغول رہنا زیادہ اہم ہے۔

اور دنیا و آخرت میں اس کا اجر زیادہ ہے لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اور وہ رنگا رنگ اشیاء کے متلاشی ہوتے ہیں۔

اگر تمام لوگ ایک ہی علم اور موضوع میں لگ جائیں تو باقی ضائع ہو جائیں گے اور ان کے آثار مٹ جائیں گے۔

اللہ نے ہر علم کے لئے کچھ لوگ مقرر کئے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کی حیثیت کو برقرار رکھتے ہیں۔

انسان کو اس کی توفیق ملتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔"

اس طرح کی صورتحال کا سامنا مجھے اس وقت ہوا جب میرے بعض احباب کو پتہ چلا کہ میں شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی انوکھی تصنیف "العلماء العزاب الذین آثروا العلم علی الزواج" (یعنی شادی پر علم کو ترجیح دینے والے غیر شادی شدہ علماء" کا اردو میں ترجمہ کر رہا ہوں۔

تو بعض حضرات نے قرآن و حدیث کی روشنی میں نکاح کی اہمیت کو بیان کر کے میرے اس کام کو وقت کا ضیاع قرار دیا اور بعض نے عصر حاضر کے ماحول پر طائرانہ نظر

ڈال کر اس سے ایسے منطقی دلائل کشید کئے جو نکاح کی فرضیت کا فتوی دے رہے تھے پھر ان دلائل کو مجھے سمجھا کر ان احباب نے میری اس محنت کو لایعنی قرار دیا۔

ان احباب کو میرا ایک جواب تو وہی تھا جو علامہ یاقوت حموی نے اپنے ناقدین کو دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مؤلف اور مترجم اس کتاب سے بے نکاحی کی ترغیب نہیں دینا چاہتے۔ کتاب کے مقدمے میں مؤلف نے صراحت کر دی ہے کہ نکاح انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے اور اس بنیادی ضرورت کو پورا کرنے میں غفلت سے کام لینا یہ انسانی معاشرے کے لئے انتہائی مہلک ہے۔

ان ۳۵ علماء کے احوال کو جمع کرنے سے مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ مادہ پرستی کے اس دور میں جب کہ زر، زمین اور زن کے حصول کو ہی مقصد تخلیق سمجھ لیا گیا ہے، ہمارے سامنے علم اور اصل مقصد تخلیق کی کچھ اہمیت اور فضیلت آ جائے۔

آج جب کہ ہمارے دینی اور عصری مدارس کی فضا مطالعے کے ذوق اور کتب بینی کے شوق سے خالی نظر آتی ہے، ایک عرصہ تک ان درس گاہوں میں بیٹھنے والا جب اپنی نشست سے برخاست ہوتا ہے تو وہ حسرت بھرے لہجے میں یہ کہہ کر اٹھتا ہے۔

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

مسند حدیث و تفسیر پر بیٹھنے والے معلم مربی اور اتالیق کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے بیٹھنے والا تلمیذ دل ہی دل میں کہہ رہا ہے۔

واعظ کا ہر ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ مگر آنکھوں میں سرور عشق نہیں۔ چہرے پر یقین کا نور نہیں، علوم عقلیہ پڑھنے والے تلامذہ اور پڑھانے والے اساتذہ بھی اسی قسم کی صورتحال سے دوچار نظر آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کو یہ کہہ رہا ہے۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

ایسی صورتحال میں اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسی کتابیں اور مقالات سامنے لائے جائیں جو انسانی طبیعت کو زہد اور علم کی طرف راغب کریں۔

اسی ضرورت کو مدنظر رکھ کر میں قارئین کے سامنے یہ العلماء العزاب کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ اللہ اس کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرمائے۔

آخر میں میں شکرگزار ہوں برادرم مفتی ثناء اللہ صاحب کا جن کے ارادے اور کہنے پر یہ کام وجود میں آیا۔

اسی طرح میں دعاگو ہوں اپنے شاگرد محمد یونس چترالی متعلم الصف الرابع، عربی کے لئے جنہوں نے اس کام میں میری اعانت کی اور میرے رف کئے ہوئے کام کو احسن طریقے سے خوبصورت لکھائی میں تحریر کیا۔ اللہ میری میرے والدین، اساتذہ اور میرے تمام احباب کی مغفرت فرمائے۔ آمین

عبیدالرحمٰن رؤفی
جامعہ بنوریہ کراچی

﴿عرض لجنہ﴾

زیر نظر کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، استاذ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ کے پر تاثیر اور محقق قلم کی اہم یادگار ہے۔ ہمارے دوست مولانا عبیدالرحمٰن رؤفی نے اس کے احوال وسوانح والے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ موصوف جامعہ بنوریہ کے معہد عربی کے بڑے اہم استاذ ہیں اور بڑی محنت سے انہوں نے یہ کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ کے اس کتاب میں تین مقدمات ہیں جن کے ترجمے کا شرف احقر ثناء اللہ محمود کو حاصل ہوا اور پوری کتاب کی تصحیح بھی احقر نے ہی کی۔

بہر حال اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین خصوصاً علماء وطلباء اپنے اندر علم کا ایک جوش اور ولولہ ضرور محسوس کریں گے جو انہیں محنت اور راہ خدا میں مصائب اور سختیوں کی فکر سے انشاء اللہ بے پرواہ کر دے گا۔

امید ہے کہ قارئین "لجنۃ التالیف و الترجمہ" کی اس کاوش کو سراہیں گے۔ آخر میں درخواست ہے کہ "لجنۃ" کے احباب کی علمی وعملی ترقی اور تقوے میں اضافے کی دعا فرمائیں اور ساتھ ساتھ ان کے متعلقین کو دعائے خیر میں یاد رکھنا نہ بھولیں۔ یہی ہمارا آپ سے ملنے والا اجر ہے، درحقیقت اجر کے ہم اپنے رب تعالیٰ سے خواہاں ہیں۔ ان اجری الا علی اللّٰہ۔ وما توفیقی الا باللّٰہ۔ والسلام

ثناء اللہ محمود

بانی لجنۃ التالیف والترجمہ

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

۴ جون ۲۰۰۶ء

مقدمہ از مصنف رحمۃ اللہ علیہ (طبع چہارم)

تمام حمد وستائش اس تنہا اور ایک اللہ کے لئے ہیں جس کا نہ کوئی والد ہے نہ بیوی اور نہ ہی بچے، نہ اس کے فیصلوں میں کوئی اس کا شریک ہے، وہ اکیلا اور بے نیاز ہے جس کی نہ اولاد ہے اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔

تاقیامت کامل وتام درود وسلام ہوانبیاء ومرسلین کے سردار (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم) پر جنہوں نے اپنی واضح ہدایت کے ساتھ زواج (شادی) کرنے کا حکم عام کیا اور اس کے ترک پر دین میں رہبانیت اور تنسک کا راستہ اختیار کرنے سے ڈرایا اور اللہ تعالیٰ راضی ہو ان کے چمکتے دمکتے قافلے کے ساتھیوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) پر جو تقویٰ والوں کے سردار ہیں اور ان سے بھی راضی ہو جنہوں نے نیکی کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع کی۔

امابعد!

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ شادی کرے کیونکہ (شادی کرنا) نظروں کو جھکانے والا اور شرمگاہ کی زیادہ حفاظت کرنے والا عمل ہے اور جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتا اس پر روزے رکھنا ضروری ہیں کیونکہ روزہ ایک ڈھال ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک اور مجمع میں فرمایا:

''بیشک میں روزے رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا، راتوں کو نمازیں پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، چنانچہ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔'' (بخاری ومسلم)

یہاں ''سنت'' کا معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور ان کا وہ راستہ ہے جس پر دین میں چلا جاتا ہے اور جس کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کی مسلمانوں کی زندگی میں مثال دی جاتی ہے۔ (مسلمانوں کی زندگی کے لئے مثالی نمونہ بنایا گیا ہے) لفظ ''سنت'' یہاں فرض واجب مسنون اور مستحب سب کو شامل ہے۔

''سنت'' کا لفظ کلام نبوی یا کلام رسالت میں کہیں بھی اس معنی میں استعمال نہیں ہوا کہ ''جس عمل کا کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہوں اور کرنا افضل ہو'' کیونکہ یہ معنی لفظ سنت کے اس استعمال کا مدلول ہے جو فقہاء (کثر اللہ اتباعھم) کے ہاں مستعمل ہے۔ یہ ان کی وہ اصطلاح ہے جو قرن ثانی میں وضع ہوئی، لہذا کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام صحابہ رضی اللہ عنہم میں آنے والے لفظ ''سنت'' کو اس معنی پر اتارنا صحیح نہیں کیونکہ واضح غلطی اور قابل رد فہم ہے۔[1]

ایسا بعض فقہاء کے کلام میں واقع ہو بھی چکا ہے۔ انہی میں سے امام ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المھذب'' میں کتاب النکاح کے شروع میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

نکاح جائز ہے...... ......اور جس شخص کے لئے نکاح کرنا جائز ہو اور اس کا نفس اس کی طلب رکھتا ہو اور وہ مہر اور نفقہ دینے پر بھی قادر ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ نکاح کرلے'' اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ روایت کردہ حدیث ہے۔ اے نوجوانو .... (الحدیث) اور اس لئے بھی کہ نکاح شرمگاہ کی زیادہ حفاظت کرنے والا اور دین کو سلامت رکھنے والا ہے۔ اور نکاح کرنا واجب نہیں ہے، اس کی دلیل ابراہیم بن میسرہ کی روایت کردہ وہ حدیث ہے جو انہوں نے حضرت عبید بن سعد

---

[1] میں (عبدالفتاح ابوغدہ) نے اس معنی کی بے شمار شواہد و دلائل کے ساتھ اپنی کتاب ''السنۃ النبویۃ و بیان مدلولھا الشرعی'' میں وضاحت کردی ہے۔ یہ کتاب بیروت سے ۱۴۱۳ھ میں طبع ہوچکی ہے۔

رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ رسول اکرم ﷺ تک اس کو پہنچاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو میری فطرت سے محبت کرتا ہو اسے چاہیے کہ میری سنت کو اختیار کرے۔" (امام ابو اسحاق کا کلام ختم ہوا)

یہاں سنت کا مفہوم نبی کریم ﷺ کی شریعت اور دین میں اختیار کیا جانے والا ان کا طریقہ ہے، وہ سنت مراد نہیں جو فقہاء کے ہاں سنت کہلاتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا پائیدار نہیں۔

ایک بات تو یہ ہوئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کرنا اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک فطری مقصد ہے جو عورت اور مرد دونوں میں شدت سے ہوتا ہے لہٰذا فطرت کے مقاصد اس شدت کے وقت اس کے حصول کے بغیر پورے نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ انسان کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا انسانی تکوین ان دونوں سے ایک ساتھ ہے اور وجود فطری کا کامل ہونا ہر مرد وعورت میں ان دونوں کے جمع ہونے سے ہے۔

جیسا کہ شریعت نے بھی مقرر کر دیا ہے، مرد و عورت کا ایک دوسرے کی طلب کرنا فطرت کی درستگی اور کمال...... اور اس کے اچھے خصال اور مقامات میں سے ہے لہٰذا اس کے لئے صرف ترغیب اور اکسانا کافی ہے اس کے وجوب کے لئے کسی صریح اور نص قطعی کی ضرورت نہیں ہے، اور اسی لئے شریعت کی نصوص اچھے جیون ساتھی کے چناؤ اور اختیار کی طرف توجہ دلاتی ہیں۔ اور ظاہر یہ اور ان کے ہمنواؤں نے معتدل مزاج شخص پر بھی نکاح کو واجب قرار دیا ہے۔

امام تاج الدین سبکی اور ان کے والد امام تقی الدین السبکی رحمہما اللہ نے ایک عظیم قاعدے کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ ایسا قاعدہ ہے جو فطرت اور طبیعت کے مقاصد سے متصل ہے اور اس میں نکاح کا داعیہ بھی داخل ہے، ہم ان کا وہ بہترین عبارت و براعت

سے بحا کلام پیش کرتے ہیں، جو بیش بہا فقاہت وبصیرت کا حامل ہے۔

امام تاج الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" میں فرماتے ہیں۔

قاعدہ۔ طبیعت کا داعیہ (سبب) بجائے شریعت کے مکلف کرنے کے خود کافی ہو جاتا ہے (طبیعت کا داعیہ بجائے خود ایک سبب ہے جو شریعت کے کسی حکم کے بغیر خود ایک سبب وجوب ہوتا ہے) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ طبیعت کو برانگیختہ کرنے اور بھڑکانے والا سبب شریعت کے حکم ایجابی سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔

امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قاعدے کی "کتاب النکاح" میں یوں تعبیر کی ہے کہ

جب تک کوئی مانع موجود نہ ہو انسان اپنی طبیعت پر واپس لوٹ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے شارع نے پیشاب، خون، پاخانہ اور قے کو کھانے پینے پر کوئی سزا مقرر نہیں کی، اس لئے کہ انسانی طبیعتیں ویسے ہی ان چیزوں سے نفرت کرتی ہیں (شریعت نے اسی نفرت کو کافی جانا ہے)[1] بخلاف شراب، زنا، چوری وغیرہ کے کہ ان کو کرنے کے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ لہذا اگر سزائیں نہ ہوتیں تو ان چیزوں کے مفاسد عام ہو جاتے۔"

چنانچہ مذکورہ قاعدے سے کئی مسائل کے حکم کا پتہ چل جاتا ہے۔

(۱) مثلاً مردے سے بدکاری کرنے پر (مقرر شدہ سزا) حد کا نہ ہونا، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ فقہاء کہتے ہیں کہ یہ عمل ایسا ہے کہ جس سے طبیعت نفرت کرتی ہے اور جس عمل سے طبیعت نفرت کرتی ہے اس پر ڈانٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲) نکاح فرض کفایہ نہیں ہے بخلاف بعض حضرات کے اقوال کے جو یہ دلیل دیتے ہیں کہ "تاکہ نسل انسانی کی بقاء ہو"، اس پر امام تقی الدین سبکی نے اس قاعدے سے

---

[1] اصولیین نے قاعدہ مقرر کیا ہے کہ "منافع میں اصل جازت اور نقصان میں اصل منع ہے۔ جیسا کہ "بحر محیط" میں ص ۱۴۔۱۵ جلد ۱ میں ہے۔ از علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ

رد کیا ہے فرماتے ہیں کہ

”انسانی نفوس میں شہوت ہوتی ہے جو نکاح کا باعث ہے لہٰذا اس کو واجب کہنے کی ضرورت نہیں اور انسان جب تک کوئی مانع نہ ہو طبعی خواہش کی طرف دوبارہ لوٹ آتا ہے۔“

پھر امام تقی الدین کا رجحان یہ ہے کہ اگر کسی علاقے کے لوگ اس سنت نکاح سے اعراض کر چکے ہوں تو ان سے باقاعدہ جنگ کی جائے اگرچہ نکاح واجب نہیں ہے۔“

اور پھر بہت سے فقہاء نے اپنی کتب میں یہ بحث چھیڑی ہے۔ نکاح کا وجوب اور استحباب ......اور کیا شادی کرنا افضل ہے یا عبادت کے لئے تنہائی؟ اور اس موضوع پر طویل بحثیں لکھی ہیں۔ جسے آپ امام علامہ محمد بن عبدالمجید سمرقندی اسمندی حنفی کی کتاب ”طریقة الخلاف في الفقه بين الاسلاف“ ص ۴۶۔۵۱ میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ بزرگ اصولی فقیہ تھے سن ۵۵۲ھ میں یا اس کے بعد وفات ہوئی۔

اسی طرح کتاب بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (۲/۲۲۸) پر دیکھ سکتے ہیں جو کہ امام علاؤ الدین الکاسانی حنفی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی (۲۲/۱۳۴) پر لکھا ہے کہ

مباحات میں اسراف کرنا، حد سے تجاوز ہے اور یہ حرام سرکشی میں سے ہے اور مباحات کے زوائد کو ترک کر دینا ”جائز زہد“ ہے۔

لیکن جائز افعال سے بالکل رک جانا جیسے کوئی گوشت کھانے سے رک جائے روٹی کھانے سے رک جائے، پانی نہ پیئے کتان یا لٹھا (کاٹن) پہننا چھوڑ دے اور صرف اون ہی پہننے لگے اور عورتوں سے نکاح کرنے سے رک جائے اور یہ گمان کرے کہ یہ زہد مستحب ہے تو یہ شخص جاہل، گمراہ اور عیسائی زاہدوں کی قبیل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اے ایمان والو ان پاک چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ

تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حدود سے تجاوز مت کرو، بیشک اللہ تعالیٰ سرکشوں کو پسند نہیں کرتے۔ اور جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے حلال پاک رزق دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو''

یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے پاک طیبات چیزیں تک بھی کھانے مثلاً گوشت وغیرہ اور نکاح ترک کر دینے کا پکا ارادہ کر لیا تھا۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

''ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ میں تو روزے ہی رکھوں گا کسی دن بے روزہ نہیں رہوں گا؟ دوسرا کہتا ہے کہ میں رات بھر نماز ہی پڑھوں گا سوؤں گا نہیں، اور ایک اور کہتا ہے کہ میں تو کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔
لیکن میں (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) تو روزے رکھتا ہوں، بے روزے بھی ہوتا ہوں، رات کو نمازیں بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، گوشت بھی کھاتا ہوں، تو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کا ایک اور ارشاد ہے کہ

''کھاؤ پاک چیزوں میں سے اور نیک عمل کرو۔''

لہٰذا جو شخص پاک چیزوں میں سے کھائے مگر شکر ادا نہ کرے اور نیک اعمال نہ کرے تو ان واجبات کے ترک کرنے پر اس سے پوچھ گچھ باز پرس ہوگی۔ اور اس کے لئے یہ پاک چیزیں کیوں حلال کی گئیں؟ اسی لئے کی گئیں تاکہ اللہ کی طاعت وعبادت کے لئے ان کے ذریعے مدد لی جا سکے۔ یہ اس شخص کے لئے حلال نہیں کی گئیں جو ان سے

معصیت کے کاموں پر مدد لیتا ہو۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی ان حلال کردہ چیزوں مثلاً کھانے، لباس، نکاح وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کر لے اور یہ اعتقاد رکھے کہ ان کا مطلقاً ترک کر دینا اس شخص کے لیے ان کو عمل میں لانے سے افضل ہے جو ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی بندگی و طاعت پر مدد حاصل کرتا ہے۔ تو یہ شخص سرکش ہے اور اس سے اللہ اور اس کے رسول کی حلال کردہ اشیاء کو حرام کرنے پر، اللہ تعالیٰ کی بندگی رہبانیت کے طریقے سے کرنے پر، سنت رسول ﷺ سے اعراض کرنے پر اور واجبات میں تفریط کرنے پر باز پرس ہوگی۔ اور یہاں یہ بھی یاد رہے کہ جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

بہر حال جن علماء عزاب کا تذکرہ میں نے اس کتاب میں کیا ہے انہوں نے دین میں رہبانیت اختیار کرنے کی بناء پر کنوارا پن اختیار نہیں کیا نہ ہی فطرت کے مقاصد سے لاعلم ہو کر کیا، بلکہ انہوں نے ایک مطلوب پر دوسرے مطلوب کو ترجیح دی جیسا کہ کچھ صفحات کے بعد اس پر گفتگو ہوگی اور اس کے بعد آنے والے مقدمہ طبع اول میں بھی کی گئی ہے۔

علماء متقدمین اور ان کے بعد کے علماء نے علماء کرام کے بارے میں بے شمار کتابیں لکھی ہیں جن میں ان کے خلقی (جسمانی) علمی اور مکانی اوصاف بیان کیے ہیں۔

چنانچہ جن حضرات نے علمی وصف بیان کیا ہے انہوں نے مفسر، قراء، محدثین، ثقات، مجروحین، قاضی، مفتی، فقیہ، متکلم مورخ، نحوی، لغوی، بلاغی، ادیب، شاعر، خطاط وغیرہ جیسے اوصاف بیان کیے ہیں اور اس موضوع پر کتابیں شمار سے باہر ہیں۔

اسی طرح جن حضرات نے وصف مکانی علماء کے جمع کیے ہیں انہوں نے شہروں کی تاریخ میں لکھے ہیں، ہر شہر کی تاریخ میں لکھا ہے کہ کون یہاں پلا بڑھا، کون یہاں منتقل ہوا یا یہاں سے دوسری جگہ گیا یا وہاں سے گزرا وغیرہ، اور اس قسم کی کتابیں بھی لاتعداد و بے شمار ہیں۔

اسی طرح بعض حضرات نے علماء کے وصف خلقی جمع کیے انہوں نے نابینا علماء، بھینگے، کانے، کبڑے، گونگے، لنگڑے، برص زدہ، سیاہ فام، دانت ٹوٹے ہوئے، طویل العمر اور جنون سے لوٹنے والے اسی طرح "مردفات" یعنی وہ خواتین جنہوں نے کئی ایک شادیاں کیں اور اس کے علاوہ دوسرے بھی وہ اوصاف جو انسانی خلقت میں واقع ہو سکتے ہیں اور لوگ اس میں مشترک اور متصف ہوتے ہیں، بیان کیے ہیں۔

اس قسم کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور علامہ ابو عمرو الجاحظ کی کتاب "البرصان، والعرجان والعوران، والحولان" ہے جو دو قسم کی طبع ہوئی ہے، انہوں نے بھی وصف خلقی کے اعتبار سے حالات جمع کیے ہیں۔

اس موضوع پر ایک مشہور کتاب "نکت الهميان في نكت العميان" بھی ہے جو صلاح صفدی نے لکھی ہے یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ انہی کی ایک کتاب "الشعور بالعور" ہے جو چند ھے پن کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ اسی طرح ایک کتاب "الحدبان" ہے جو کبڑے پن کے مرض کے شکار افراد پر ہے۔ علامہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب عمر رسیدہ حضرات کے تذکرے پر مشتمل ہے، اس کا نام ہے "من جاوز المئة" یہ بھی طبع ہو چکی ہے۔

ماہر انساب مؤرخ ابو الحسن علی بن محمد المدائنی متوفی ۲۲۵ھ کی ایک کتاب "المردفات من قريش" ہے، یہ بھی طبع ہو چکی ہے۔

اسی موضوع سے مشابہ یہ کام بھی ہے کہ ایک وصف کے حامل حضرات کا ایک جگہ جمع کر دینا ہے جیسا کہ فقہاء لغویین اور نحوی حضرات نے کیا ہے کہ انہوں نے ایک نظیر کو دوسری نظیر اور ایک شبیہ کو دوسری شبیہ کے ساتھ جمع کر دیا ہے، یہ اس لئے کہ جب کسی چیز کی شبیہ یا نظیر معلوم ہو جائے اور ایک سے زائد بار مکرر ہو جائے تو ان حضرات کے نزدیک اس کی تکرار اور تعدد سے وہ فوائد حاصل ہو جاتے ہیں جو کہ وہ تنہا لفظ دے نہیں پاتا جس کی کوئی نظیر یا شبیہ نہ ہو۔

یہ ایک مختصر سی تالیف ہے جس میں، میں نے ان علماء حضرات کا تذکرہ جمع کیا ہے جن میں کنوارے پن کا وصف موجود تھا۔ میں نے ایسے تمام حضرات کے تذکرے جمع کرنے کا ارادہ نہیں کیا بلکہ صرف بڑے اور مشہور عزاب علماء صالحین اخیار کا تذکرہ جمع کیا ہے، جنہوں نے نکاح سے اس لئے اجتناب برتا تاکہ وہ تعلیم و تعلم کے لئے فارغ ہو سکیں، سوائے بدیل کے تمام حضرات نے علم کی خاطر شادی کے فریضے سے اجتناب کیا کیونکہ علم سے محبت کرتے تھے اور انہیں ان کے حواس و مشاعر پر علم کے چھا جانے کی وجہ سے عشق ہو گیا تھا۔

لہٰذا علم ہی مستقل ان کا مونس رہا، دائمی معشوق رہا، جو ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ ان سے سفر و حضر میں اور دن رات میں سرگوشی اور قصہ گوئی کرتا رہتا تھا، سوائے روح کے علیحدہ ہونے کے ان سے کبھی جدا نہیں ہوا کیونکہ علم ان کے لئے غذاء اور دواء کا پرتو تھا، روٹی پانی کا بدل تھا، سورج اور ہوا کا متبادل تھا، لہٰذا ان کے دلوں کی زندگی اس کے بغیر نہ تھی نہ ہی ان کی آنکھوں اور ذہنوں کی راحت اس کو دیکھے بغیر یا اس میں پڑے بغیر ہوتی تھی۔

یہی لوگ اہل فضیلت اور صاحب ایثار تھے جنہوں نے جوانی اور اس کے آثار پر صبر و ہمت سے کام لیا تاکہ علم اور اس کے اہل کے لئے عطاء اور خدمت بھرپور طریقے سے ہو، انہوں نے اپنا فائدہ علم میں اضافے اور اس میں تصنیف و تالیف میں ہی جانا چنانچہ علم نے انہیں بڑی خوشی سے شادی، اولاد اور پوتا پوتیوں اور نسل کی خوشی سے مستغنی کر دیا، لہٰذا وہ کنوارے ہی اس جہاں سے چلے گئے مگر ان کی تالیفات ہمیشہ کے لئے امر ہو جانے والی اولاد بن کر باقی رہیں جن کے ذریعے انہیں یاد کیا جاتا ہے اور ان کی فضیلت انہی سے پہچانی جاتی ہے۔ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اور اللہ تعالیٰ انہیں علم، دین اور اسلام کے حوالے سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

یہ میری کتاب کی چوتھی طباعت ہے، اسے علماء اور اہل فضل و دانش کی طرف

سے سوائے بعض حاسد لوگوں کے بڑی داد و تحسین اور شرف قبولیت حاصل ہوا۔

یہ کتاب اپنے موضوع اور مضامین کے اعتبار سے بڑی انوکھی اور چھوٹی کتاب ہے جس میں بڑے دلچسپ فوائد موجود ہیں، کافی دنوں سے یہ کتاب نایاب ہوگئی تھی اور مجھ سے بار بار اس کی طباعت کا مطالبہ ہو رہا تھا یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اس کتاب کے بارے میں سنا یا پڑھا تھا مگر یہ کتاب دستیاب نہیں ہوئی تھی اور میں فرصت کی تلاش میں تھا کہ مجھے نظر ثانی کا موقع مل جائے تاکہ اس میں مزید حسن اور کاملیت پیدا کی جا سکے، اضافات کیے جا سکیں تاکہ اس کی خوبصورتی بڑھ جائے اور نفع و کمال زیادہ ہو جائے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مدد سے مجھے اس دوران یہ موقع میسر آگیا لہٰذا میں نے بعض اہم تعلیقات کردیں اور تقریباً پندرہ مزید حضرات کے حالات قلم بند کر دیے جس سے کتاب دوگنی ہوگئی ہے چنانچہ بہت اچھے مضامین اور بھرپور طریقے سے جامع کتاب سامنے آگئی ہے اور کامل خدمت و توجہ ہوگئی ہے۔

لہٰذا یہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے اس امید کے ساتھ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اچھا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے وہی ولی توفیق ہے اور تمام حمد و ستائش اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

کتبہ

عبدالفتاح ابوغدہ

ٹورنٹو کینیڈا

۱۵/۲/۱۴۱۴ھ

﴿مقدمہ از مصنف (طبع اول)﴾

تمام حمد وستائش اس ذات کے لئے ہیں جس نے شادی کو اسلام کی سنتوں میں سے ایک سنت قرار دیا اور اس پر ابھارا اور متوجہ کیا، علم حاصل کرنے اور خوب زیادہ حاصل کرنے کا حکم دیا اور اس کی وجہ سے لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی اور اپنے ہاں ان کا مرتبہ بلند کیا، چنانچہ اپنی کتاب مبین میں ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان والوں اور اہل علم کو (کئی) درجات بلند کرتا ہے۔"[۱]

ایک اور جگہ فرمایا:

"آپ کہہ دیجئے کہ کیا اہل علم اور بے علم لوگ برابر ہیں؟"[۲]

ایک ارشاد ہے:

"اور کہہ دیجئے اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔"[۳]

اور درود وسلام ہو ہمارے آقا محمد ﷺ پر جو بشارت دینے والے، ڈرانے والے اور روشن چراغ ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے سارے جہانوں کے لئے مبعوث فرمایا اور ان کا ٹھکانہ بہترین بنایا (اور درود وسلام ہو) ان کی آل اور اصحاب پر جو ان کے بعد لوگوں کے لئے بہترین رہنما تھے۔

وبعد۔

یہ ایک دلچسپ موضوع اور بڑی اہم بحث ہے جس میں، میں نے ان کنوارے

۱۔ سورۃ المجادلۃ آیت ۱۱

۲۔ سورۃ الزمر آیت ۹

۳۔ سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۴

علماء کے بارے میں گفتگو کی ہے جنہوں نے علم کو شادی پر ترجیح دی اور میں نے پہلے لکھی گئی باتوں پر اکتفاء نہیں کیا۔ لہٰذا میں نے بہتر سمجھا کہ یہ کلمات اور یہ صفحات ان کے حالات پر جمع کروں چنانچہ میں نے اس کتاب کا نام "العلماء العزاب الذین آثروا العلم علی الزواج" رکھا ہے۔

میں نے اس کتاب میں علم اور دین کے ائمہ کے تذکرے پر اکتفاء کیا ہے جو کہ مفسرین، قراء، محدثین، فقہاء، قاضی، مفتی، ادیب، مورخ، نحوی، لغوی، زاہد اور عابد ہیں۔ اور ان لوگوں کو لیا ہے جن کا فضل ومرتبہ معروف اور ان کی دینی وعلمی حیثیت مشہور ہے، جنہوں نے اپنی ساری زندگی علم کے لئے ھبہ کردی تھی اور تنہا مجرد زندگی گزاری، اپنے نفس کو زندگی کے سب سے قیمتی جائز منافع سے محروم رکھا (یعنی شادی، نسل اور اولاد کے منافع) صرف علم کی زیادتی اور دین اسلام اور مسلمانوں کی خدمت اور فائدے کے لئے خود کو اس سے محروم کردیا۔

میں نے ان صفحات کے جمع کرنے سے یہ ارادہ کیا ہے کہ ہمارا نوجوان جو علم اور اس کے حصول میں کوتاہی برت رہا ہے وہ اپنے آباؤ اجداد کے ہاں اس علم کی قیمت کو پہچانے۔ ان کے علم سے تعلق اور ان کا علم میں فنا ہونا اور دوسرے لوگوں کے لئے ان کا عظیم ایثار دیکھیں جو انہوں نے زندگی کے انس اور فطری ضرورت کی پکار کے باوجود کیا تو وہ ان کی فضیلت کو پہچانیں اور ان کی قدر کریں، اپنے اسلاف کے نزدیک علم کی قیمت پہچانیں چنانچہ علم کے حصول میں ان کی ہمتیں بڑھ جائیں اور ان کے عزائم علم کی تحصیل میں مسابقت کریں حالانکہ وہ شادی کے انس اور اس کے فضائل پر اکثر رہے ہیں اس طرح پوتے اپنے اجداد کی بزرگی کی تجدید کریں گے اور اس سے انسانیت اور تمام انسانوں کے لئے خیر کثیر و بھلائی حاصل ہوگی۔

میں نے اس موضوع پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جو علماء وفقہاء کے اقوال پر مشتمل ہے جو ان حضرات کے تجرد کے حکم پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان کا تجرد بڑے تعجب اور

سوالات کا داعی ہے جسے بھی اس کا علم ہوتا ہے وہ سوالات کرتا ہے لہٰذا اس کے فقہاء کے نزدیک جواز کا علم بھی ہونا چاہیے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور اور اپنے ہاں قبولیت کے زمرے میں اسے میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اس سے استفادہ کرنے والے کو نفع عطا کرے اور ان علماء پر اپنی رحمت اور رضا کی بارش فرمائے اور ان کے اس ایثار اور خود کو محروم رکھنے کے بدلے جنت الفردوس میں افضل بدلہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے ساتھ سچ کی بیٹھک میں اپنے ہاں جمع فرمائے، بیشک وہی اس کا مالک اور اس پر قادر ہے اور اسی کا انعام کرنے والا بھی وہی ہے اس کی ذات پاک ہے۔

والحمد للہ رب العالمین

کتبہ

عبدالفتاح ابوغدہ

تلسا شمالی امریکہ

بوقت صبح ۲۸ رجب ۱۴۰۱ھ

ان بڑے علماء کے تجرد کے حوالے سے گفتگو

از استاد عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ

شادی کی اسلام میں بہت زیادہ ترغیب اور تاکید کی گئی ہے، اس پہلو سے کہ یہ ایک فطری امر ہے اور انسانی طبیعت میں گڑا ہو ہوتا ہے، انسان اس کی طرف فطرت کے تقاضے سے مجبور ہو کر کوشش کرتا ہے۔ یہ اس زندگی کی اصلی ضروریات میں سے ایک اہم ضرورت اور بڑا حصہ ہے، ذات کی تکمیل اور اولاد کی پیدائش اور نسل انسانی و نوع انسانی کی بقاء اور معاشرے کی تعمیر کے لئے ایک عملی اقدام ہے۔

شریعت حنیفہ نے نکاح کا حکم اس کو انتہائی تاکید کے ساتھ دیا ہے جس پر زنا یا کسی قسم کے گناہ کا خدشہ ہو، بعض ائمہ فقہاء[1] نے نکاح کو عبادات کی ایک قسم گردانا ہے، اس لئے کہ اس کے ذریعے نیک نسل کا وجود مرتب ہوتا ہے اور آباؤ اجداد سے اسلام کا حاصل ہونا اور اولاد تک اس کی تبلیغ ہوتی ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ زمین اور اہل زمین کا اکیلا وارث ہو جائے گا اور اس وجہ سے بھی عبادت ہے کہ انسان کے پاکیزگی اور عفت کے راستے پر چلنے سے پاکیزہ نقوش ملتے ہیں دین کے کمال اور نفس کے ثابت قدم ہونے اور خیالات کی سلامتی سے پاکیزہ اور نیک آثار سے (آنے

---

[1] علامہ ابوزید دبوسی الحنفی کہتے ہیں، ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ نکاح کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تنہائی و تجرد سے افضل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبادت کے لئے تنہائی و تجرد نکاح کرنے سے افضل ہے، الا یہ کہ اس کا نفس عورتوں کی طلب کرے اور وہ تنہائی پر صبر نہ کر سکے۔

یہ مسئلہ تفصیلی طور پر دیکھنے کے لئے امام ابوالوفاء بن عقیل الحنبلی رحمہ اللہ کی کتاب الفنون میں القسم الاول کے عنوانات کے تحت صفحہ ۳۲۲ تا ۳۳۵ ملاحظہ فرمائیں اور القسم الثانی کے عنوان کے تحت صفحہ ۶۸۲ تا ۶۸۴ ملاحظہ کریں۔

والی نسلوں کو رہنمائی ملتی ہے)

یہ اس لئے ہے کہ شہوت کا مادہ جب نوجوان شخص میں بیدار ہوتا ہے اس کی فکر اور رائے میں کثرت ہو جاتی ہے، آنکھ اور دل بے چین ہو جاتا ہے لہذا اسے ثابت قدمی اور اچھائی سے نکال کر رذائل اور ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیتی ہے[1]

چنانچہ جب شادی کرنا مشروع فائدہ ہونے کے پہلو سے ایک بنیادی امر اور انسان کی حاجات اصلیہ میں سے ایک حاجت ہے تو اس کے لئے اس سے دوری بڑی مشکل ہوگی الا یہ کہ انتہائی بھسم کر دینے والا شوق یا کسی عزیز عمل یا چیز سے بہت زیادہ تعلق ہو اور نفس انسانی کے لئے بہت اہم تو اس کا تعلق شادی کی ضرورت پر حاوی ہو جائے گا اور دل اور خیالات پر اس کا غلبہ ہو جائے گا جیسے طلب علم کا بعض علماء میں شوق اور بعض مجاہدین کے نزدیک جہاد کا قیام اور اونچے اونچے خیالات رکھنے والوں کے لئے بلندی، مراتب اور عہدوں وغیرہ کی طلب اور ان کا حصول ....

یہ سمجھنا بہت ہی آسان ہے کہ تجرد اختیار کرنا اور نکاح کرنے سے دور رہنا انسانی زندگی کا سب سے مشکل کام ہے۔ انسان روحی انس و محبت دل کے سکون کو کھو بیٹھتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تجرد کی مشقتیں کھانے پینے، صفائی ستھرائی گھر کی خدمت میں بھی برداشت کرتا ہے اور اسی وجہ سے عورت کی نگہبانی اور محبت سے بھی اپنی بیماری اور پریشانیوں میں محروم رہتا ہے اور پھر بڑھاپے اور گرانی کے وقت بھی یہی صورتحال ہوتی

[1] کتاب تاج العروس (۵/۲۶۵) پر مادہ "تـعـظ" کے تحت لکھا ہے کہ مشہور تابعی وزہد ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ اے خولان والو اپنی عورتوں اور بیواؤں کے نکاح کر دو اس لئے کہ طلب کی شدت انسان میں بڑا سخت معاملہ ہے۔ اس کے لئے تیاری کر رکھو اور جان لو کہ ایسے شخص کی جسے نکاح کی طلب کی شدت (توقان) ہو اس کی رائے کا اعتبار نہیں۔

سنن سعید بن منصور میں بھی یہ خطاب مذکور ہے جس میں یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کے کان نہیں ہوتے ہیں یعنی وہ قابلیت نہیں ہوتی جو کہ وعظ و نصیحت سن کر قبول کرے کیونکہ اس کا ذہن وہیں لگا ہوتا ہے۔ (۳/۱۴۳)

ہے۔ یہ سختیاں اور پریشانیاں بڑی شدید اور بھاری ہوتی ہیں، ان کو صرف وہی شخص برداشت کر سکتا ہے جو ان چیزوں پر صبر کرنے کو علم میں زیادتی اضافے اور اس کے حاصل کرنے کی نعمت کے کھونے سے ہلکا سمجھتا ہو۔ لہٰذا وہ جسے غنیمت اور بڑا سمجھتا ہے اس کو لذیذ نعمت محسوس ہونے والی شئے پر ترجیح دیتا ہے۔

بالکل ایسی حالت ان علماء عــزاب (تجرد پسند علماء) کی تھی جن میں سے کچھ حضرات کے تذکرے میں پیش کروں گا اور یہ حضرات علم کے بڑے ستون تھے۔

ان علماء نے تجرد کیوں اختیار کیا؟

اس سے پہلے کہ میں ان کے حالات کو ذکر کروں میں چاہتا ہوں کہ پہلے اس جواز کی بحث پر کچھ گفتگو کروں جس کی وجہ سے ان علماء امت نے شادی کے بجائے تجرد کو اختیار کیا۔ باوجود اس کے کہ یہ حضرات شادی کے احکام اس کی فضیلت اور تجرد اور اس کی مشکلات کا علم رکھتے تھے، خصوصاً یہ کہ کوئی ایسی صریح حدیث اس بارے میں نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجرد کی کبھی ترغیب دلائی ہو؟ تو پھر وہ کونسی چیز تھی جو انہیں ترک زواج کی طرف لے گئی؟ باوجود اس کے کہ وہ احکام نکاح اور اس کی ترغیبات سے واقف تھے بلکہ ان میں سے کچھ فقہاء نے تو اس بارے اپنی کتب اور تالیفات میں ثبوت بھی پیش کئے ہیں۔[1]

---

[1] امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ خود بھی ایک تجرد رہے عالم تھے اپنی کتاب شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب شافعیہ نے لکھا ہے لوگ نکاح کے معاملے میں چار قسم پر ہیں۔ (۱) جو طلب رکھتے ہوں اور ذرائع بھی پاس ہوں ایسے لوگوں کے لئے نکاح مستحب ہے۔ (۲) جنہیں طلب بھی نہ ہو اور ذرائع بھی نہ ہوں ایسے شخص کے لئے مکروہ ہے۔ (۳) طلب نکاح ہو ذرائع نہ ہوں، ایسے لوگوں کے لئے نکاح مکروہ ہے اور روزے رکھنے کا حکم دیا جائے گا۔ (۴) جنہیں طلب نہ ہو مگر ذرائع ہوں تو ایسے لوگوں کے بارے میں امام شافعی اور جمہور اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے عبادت کے لئے تنہائی اختیار کرنا افضل ہے۔ اس وقت یہ نہ کہا جائے گا کہ نکاح مکروہ ہے بلکہ افضل کہا جائے گا۔ احناف بعض شوافع اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کے لئے نکاح افضل ہے۔" (شرح مسلم (۹/۱۷۳) اول کتاب النکاح)

ان حضرات کی طرف سے جواب

ان حضرات کے تجرد اختیار کرنے کا جواب (باقی بہتر تو اللہ ہی جانتا ہے) یہ ہے کہ یہ ان کا مسلک شخصی فردی (تفرد پر مبنی) تھا جسے انہوں نے اپنے لئے اختیار کیا، انہوں نے اپنی خاص بصیرت سے شادی اور علم کی بھلائیوں کے درمیان موازنہ کیا تو ان کے نزدیک علم کی بھلائی راجح قرار پائی لہٰذا انہوں نے ایک مطلوب چیز کو دوسری مطلوب چیز پر ترجیح دے دی اور لوگوں میں سے کسی کو اپنے اس اختیار کردہ مسلک کی دعوت نہیں دی، نہ ہی کسی کو یہ کہا کہ علم کے لئے تجرد اختیار کرنا شادی کرنے سے افضل ہے۔" نہ ہی یہ کہا ہے کہ ہم جس حال اور طریقے پر ہیں وہ تمہارے حال اور طریقے سے افضل ہے۔"

نہ ہی انہوں نے شادی کے سلسلے میں بعض حکماء اور فلاسفہ جیسا مسلک اختیار کیا، جو یہ کہتے ہیں کہ بچہ پیدا کرنا اس کے ساتھ ظلم ہے۔ ابن خلکان رحمہ اللہ نے وفیات الاعیان[1] میں ابو العلاء المعری (احمد بن عبداللہ) نامی مشہور عالم لغت اور فلسفی کے بارے میں لکھا ہے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس نے وصیت کی تھی کہ میری قبر پر یہ لکھ دیا جائے۔

"هذا جناه ابی علی وما جنیت علی احد"

"یہ میری زندگی مجھ پر میرے باپ کا ظلم تھا مگر میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔"

یہ شعر فلسفیوں کے اس اعتقاد سے متعلق ہے کہ وہ کہتے ہیں، "بچہ پیدا کرنا اور اسے اس دنیا میں لانا اس پر ظلم کرنا ہے کیونکہ اسے حوادث اور آفات کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔"

عبدالفتاح کہتا ہے کہ کسی عقلمند کے لئے (وہ شخص نہیں جو خود کو دانشور کہتا ہو) کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ شادی کو جرم سے تعبیر کرے حالانکہ اسی کے ذریعے نوع انسانی کی

---

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان (۳۴/۱)

بقاء ہے اور معاشرے اور وجود کا کمال بھی اسی سے ہے۔

وہ سب حضرات ایسے نظریئے سے قطعی دور تھے انہوں نے تو تجرد اپنے ذاتی اختیار سے چنا تھا اور ان کے سامنے تجرد کے مصائب اور شرور کے مقابلے میں سلامتی واضح تھی، انہیں تو اللہ تعالیٰ نے تجرد کے ان مصائب سے تقویٰ، ایمان اور علم کی بدولت محفوظ رکھا ہوا تھا۔

انہیں فطرت میں گڑے جذبہ نکاح سے اس تجرد کی طرف جس کے مصائب و مشکلات غیر واضح نہیں، صرف علم کے بڑھے ہوئے شوق نے دھکیلا تھا جس علم نے ان کی ہمتوں اور ارادوں کو خود سے تعلق محبت اور تحصیل وجمع ونشر کی وجہ سے مصروف کر رکھا تھا حتیٰ کہ علم ان کے لئے روح کے لئے جسم کی ضرورت کی طرح ہو گیا اور جیسے ہوا کی انسان کو ضرورت ہے یہ حضرات علم سے اسی طرح جدا ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی علم کی کسی ادنیٰ بات کی تحصیل سے پیچھے آنے کی طاقت رکھتے تھے لہٰذا علم ان کے لئے غذا اور دوا کی طرح بن گیا[1]

انہوں نے شادی کو اس کی بھلائی اور فضیلت کے باوجود اس عظیم نیک مقصد کے حصول میں رکاوٹ سمجھا اور اپنے لئے ایک پسندیدہ شے (علم) کی تحصیل میں لگنے کے مقابلے میں ایک بیڑی کی طرح جانا اس لئے ایک عام بھلائی کو ایک خاص قسم کی نعمت پر ترجیح دی جو کہ ان کا اجتہاد تھا کہ اس کا حصول زیادہ بہتر اور غنیمت اور اس میں زیادتی و اضافہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں سے ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں، ترمذی نے اپنی سنن میں، "ابواب البر و الصلۃ[2]" کے شروع میں ایک منقطع سند سے عظیم صحابیہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت

[1] امام محمد بن شہاب زہری مشہور فقیہ، محدث گزرے ہیں (متوفی ۱۲۴ھ) جب وہ اپنی کتابوں کے درمیان بیٹھتے تو دنیا کی ہر چیز کو بھول جاتے۔ ان کی زوجہ ایک دن کہنے لگیں کہ واللہ یہ کتابیں میرے لیے تین سوکنوں کے وجود سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ اسی طرح کی باتیں قاضی محمد زبیر بن بکار کی زوجہ سے بھی مروی ہیں۔ (تاریخ بغداد ص ۲۸۱/۸)

[2] مسند احمد ص ۶/ ۴۰۹۔ ترمذی ص ۳/ ۲۱۴

نقل کی ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ اپنے کسی نواسے کو گود میں لیے نکلے تو یہ فرما رہے تھے واللہ تم (اولاد) بخیل بناتے ہو، بزدل کر دیتے ہو جاہل بنا دیتے ہو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔[1]

مستدرک حاکم اور مجمع الزوائد للہیثمی[2] میں حضرت اسود بن خلف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن کو لے کر پیار کیا اور ان حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے کہ بیشک اولاد بخل جہل اور بزدلی کا منبع ہے۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے الفائق[3] میں لکھا ہے کہ مذکورہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اولاد اپنے باپ کو بخل میں ڈال دیتی ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنے مال کو بچا کر رکھنے لگتا ہے۔ جہل میں اس طرح ڈال دیتی ہے کہ وہ ان کی وجہ سے مصروف ہو کر علم کی طلب سے دور ہو جاتا ہے اور اس خوف سے بزدل ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ قتل نہ ہو جائے اور اس کی اولاد اس کے بعد ضائع نہ ہو جائے۔ رنج میں اس طرح ڈال دیتی ہے کہ وہ اس کے احوال اور معاملات میں پریشان رہتا ہے اور جو انہیں ''ریحان اللہ'' کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ والدین انہیں سونگھتے اور چومتے ہیں لہٰذا یہ بھی دوسری خوشبوؤں کی طرح ایک خوشبو ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اگایا ہے۔ (زمخشری کا کلام ختم ہوا)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا ایک قول صحیح سند سے ثابت ہے کہ ''شادی ہونے سے پہلے پہلے (علم کی) سمجھ بوجھ حاصل کرلو۔'' امام بخاری نے یہ حدیث اپنی صحیح میں تعلیقاً

---

[1] حدیث میں یہاں لفظ ''ریحان'' ہے جس کے معنی رحمت رزق اور راحت کے ہوتے ہیں اور رزق (عطا) کی وجہ سے اولاد کو ''ریحان'' کہا جاتا ہے۔

[2] المستدرک ص ۳/ ۲۹۶ و مجمع الزوائد ۸/ ۱۵۵

[3] ج ۱/ ۱۸۹

بیان کی ہے اور اس کی صحت کی تصدیق کی ہے۔[1] اس حدیث کے عربی الفاظ یہ ہیں:

"تفقهوا قبل ان تسودوا"

چنانچہ قاموس میں "تسودوا" کے مادہ "تسود" کے بارے میں لکھا ہے: یعنی شادی کرنا۔ قاموس کے شارح مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس میں اس لفظ کے بعد مذکورہ ارشاد نقل کیا ہے، پھر کہتے ہیں کہ شمر نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ شادی سے پہلے پہلے علم فقہ حاصل کرلو کیونکہ اس کے بعد تو گھر کے نگران اور اس کو پالنے والے بن جاؤ گے یوں شادی کی وجہ سے علم سے دور ہو جاؤ گے۔ عرب کہتے ہیں "استاد الرجل" اذا تزوج فی سادة (جب وہ سرداروں کے ہاں شادی کرے) زبیدی کا کلام ختم ہوا۔[2]

یہ تو وہ بات ہوئی جو شمر نے حضرت عمرؓ کے قول کا ایک مصداق بیان کیا۔ اکثر علماء نے "تسود" کے معنی حضرت عمر کے اس ارشاد میں سردار بننے کے مراد لیے ہیں۔ ان میں ایک عالم ابوعبید ہیں جنھوں نے اپنی کتاب "غریب الحدیث[3]" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اس ارشاد سے یہ فرما رہے ہیں کہ:

جب تک تم چھوٹے (بچے) ہو تو علم حاصل کرلو اس سے پہلے کہ تم سردار اور رئیس بن جاؤ اور تمہاری طرف نظریں اٹھنے لگیں۔ اگر تم نے اس سے پہلے علم حاصل نہیں کیا تو تم بڑے ہونے کے بعد علم حاصل کرنے سے شرماؤ گے تو پھر تم جاہل رہ جاؤ گے۔ علم چھوٹوں سے حاصل کرو گے تو یہ بات تمہیں عیب محسوس ہوگی۔ (انتہی)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابوعبید کی اسی تشریح کو لے کر اس کی توثیق کی ہے اور پھر اس کے بعد شمر کا قول بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو شادی کے ساتھ خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے

---

[1] ص ۱/۱۵۱ کتاب العلم

[2] ص ۲/۳۸۵

[3] ۳/۲۶۹

کیوں کہ سرداری تو شادی سے زیادہ عام ہے اور یہ کبھی تو شادی سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور شادی کے بغیر بھی علم سے دوری اور مصروفیت کے دوسرے کام ہو جاتے ہیں۔ (انتہی)

بہرحال حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی دو تشریحوں میں ایک تشریح یہ بات بتا رہی ہے کہ شادی مصروفیت ہے، علم سے دور کرتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیتوں میں ہے کہ انہوں نے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی حسن سیرت، سمجھداری اور لوگوں میں سر بلندی حاصل ہونے کے بعد وصیت فرمائی کہ:[1]

پہلے علم حاصل کرو، پھر حلال طریقے سے مال جمع کرو، پھر شادی کرنا کیونکہ اگر تم مال جمع کرنے میں لگ گئے اور یہ تعلیم حاصل کرنے کا وقت ہوا تو علم کی طلب سے عاجز ہو جاؤ گے اور مال تمہیں غلام اور باندی خریدنے کی دعوت دے گا اور تم دنیا میں مصروف ہو جاؤ گے۔

اور علم حاصل کرنے سے پہلے عورتوں میں مصروف ہونے سے بچنا کیونکہ اس سے تمہارا وقت ضائع ہو جائے گا اور بچے ہو جائیں گے، عیال بہت ہو جائیں گے اور تمہیں ان کی ضروریات پوری کرنے کی ضرورت پڑ جائے گی تو تم علم کو چھوڑ دو گے۔

علم میں اپنی عین جوانی میں مصروف رہو یہ وقت تمہارے دل اور خیالات کی فراغت کا ہے۔ (ایسے میں دل دماغ فکرات سے خالی ہوتے ہیں) پھر مال جمع کرنے کی مصروفیت اختیار کرنا تاکہ وہ تمہارے پاس جمع ہو جائے کیونکہ اولاد اور عیال کی کثرت دل کو پریشان کر دیتی ہے جب مال جمع کر چکو تو پھر شادی کرنا اور تم پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، امانت کی ادائیگی کرو اور ہر خاص و عام سے خیر خواہی کرو۔

قاضی بدر الدین ابن جماعۃ الحموی ثم المصری اپنی کتاب

---

[1] یہ وصیت "مناقب الامام ابی حنیفۃ" از موفق کی (ص ۲/۱۰۷) اور ابن نجیم کی الاشباہ والنظائر کے آخر میں ص ۴۲۹ پر اور حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی" از علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۷ پر موجود ہے۔

"تذکرة السامع و المتکلم فی ادب العالم و المتعلم" میں لکھتے ہیں کہ:

"حافظ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لیے مستحب ہے کہ جب تک ممکن ہو کنوارا رہے تاکہ بیوی کے حقوق اور معاشی ضرورت پوری کرنے کے لیے محنت کی وجہ سے معروفیت اسے علم حاصل کرنے سے روک نہ دے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس نے شادی کرلی گویا وہ کشتی پر سوار ہوگیا اور جب بچہ پیدا ہوگیا تو وہ کشتی ٹوٹ گئی۔

مزید لکھتے ہیں:

بہر حال جو شخص شادی پر قادر ہے، یا اسے اس کی ضرورت نہیں ہے، خاص طور سے طالب علم کہ جس کا سرمایہ محض جمع خاطر اور پڑھائی میں دل لگنا ہے اس کے لیے اس دوران شادی ترک رکھنا ہی بہتر ہے[1]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ "احیاء العلوم" میں لکھتے ہیں کہ[2]

آداب متعلم میں سے دوسرا وظیفہ یہ ہے کہ طالب علم دنیا کی مصروفیات سے اپنا اشتغال و تعلق کم رکھے اور گھر اور وطن سے دور رہے کیونکہ تعلقات مصروف کردیتے ہیں اور وقت خرچ ہوجاتا ہے۔ (قرآن کریم میں ہے) اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دو دل نہیں بنائے۔[3] جب فکر مختلف جگہ بٹ جاتی ہے تو حقائق کے ادراک سے کوتاہ ہوجاتی

---

[1] مطلب یہ ہے جس طرح کشتی کا سفر خطروں سے خالی نہیں ہے۔ ہر وقت اس کے خطرے کا خیال سوار رہتا ہے۔ اس طرح یہ بات شادی کرنے والے کے بارے میں کہی جاتی ہے کہ اس کی ذمہ داری بڑھتا اور اس میں کوتاہی کا خوف ہوتا ہے لیکن جب بچہ ہوگیا تو گویا وہ غرق ہی ہوگیا (کشتی ٹوٹ گئی) کیونکہ اس کی ذمہ داریاں بڑھ گئیں۔ (۱۰۱/۱) اسی کتاب میں اس موضوع کے دو شعر بھی ہیں۔ ۱۱۳/۱ پر ملاحظہ کریں۔

[2] احیاء العلوم کتاب العلم الباب الخامس فی آداب المتعلم والعالم۔ (۵۰/۱)

[3] سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۴۔

ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ علم اپنا بعض حصہ بھی تمہیں اس وقت تک نہیں دیتا جب تک تم اپنے آپ کو مکمل اس کے حوالے نہ کردو اور جب تم اسے خود کو مکمل حوالے کر بھی دو تب بھی اس کا بعض حصہ تمہیں ملنا خطرے میں ہے۔

مختلف جگہ بٹی ہوئی فکر اس چھوٹی نہر کی طرح ہے جس کا پانی بکھرا ہوا ہو جسے بعض جگہ سے زمین چوس لے اور بعض جگہ سے ہوا اڑا دے لہٰذا اتنا پانی جمع ہی نہ ہو سکے جو کھیتی تک پہنچ سکے۔

اس لیے شاعر ابن ہندو نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۲۰ھ نے کہا ہے:

"ماللمعیل وللمعالی؟ انما یسعی الیهن الفرید الفارد"

"چنانچہ وہ فراغت و بے فکری جو علم کے حصول اور معرفت و اطلاع میں اضافہ کرے، علم میں لگے ہوئے عالم کی سب سے قیمتی آرزو ہے چاہے کنوارہ ہو یا شادی شدہ۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے مرض وفات میں پوچھا گیا کہ آپ کا دل کیا چاہتا ہے؟ تو فرمایا کہ خالی گھر اور عالی اسناد"۔[1]

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نابغہ روزگار کتاب "صید الخاطر" میں طالب علم کی تحصیل میں ضروریات، وسائل حفظ، افضل اوقات، افضل جگہوں، افضل احوال یاد کرنے کے اور کیا چیز محفوظ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ یہ سب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"میں ابتدائی طالب علم کے لیے یہ بات بہتر سمجھتا ہوں کہ وہ جہاں تک ممکن ہو سکے۔ شادی کرنے سے گریز کرے کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس دوران شادی نہیں کی تھی، حتیٰ کہ وہ چالیس سال کے ہو گئے تھے اور یہ علم کے لیے تمام امت (و خیالات وفکرات) کو جمع کر لینے کے لئے تھا"۔[2]

چنانچہ جس پہلو کی جانب خطیب بغدادی اور علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ

---

[1] معرفۃ انواع الحدیث ص ۲۱۶ وص ۲۷۷ فصل نمبر ۱۲/۱ ص ۲۔

[2] ص ۳/ ۸۲۰

کیا ہے۔ اس کے مصداق بے شمار سوختہ علم علماء اپنی مبارک شادیوں سے زچ ہو گئے تھے کیونکہ جو لطف ورنگ ان کی زندگیوں میں علم وعبادت کا شادی سے پہلے تھا، وہ باقی نہ رہا تھا چنانچہ انہوں نے شادی کو مصیبت اور آزمائش خیال کیا۔

تذکرۃ الحفاظ ذہبی امام فقیہہ الحافظ الکبیر الرحال ابن زیاد نیشاپوری کا تعارف اس طرح آیا ہے۔ الحافظ الحجو والعلامہ ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن زیاد بن واصل نیشاپوری، فقہ شافعی کے فقیہہ اور صاحب تصانیف ہیں۔ ۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۴ھ میں وفات ہوئی۔

حاکم کہتے ہیں کہ یہ عراق میں شافعیہ کے امام وقت تھے اور فقہیات اور اختلاف صحابہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ میں نے ابن زیاد سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ وہ متون میں الفاظ کی زیادات (فقہیات) کو جانتے تھے۔ وہ جب حدیث بیان کرنے بیٹھتے تو شاگرد کہتے کہ حدیث بیان کیجئے تو وہ فرماتے کہ نہیں بلکہ آپ پوچھئے میں جواب دوں گا لہٰذا ان سے حدیثیں پوچھی جاتیں اور وہ جواب دیتے جاتے۔

یوسف القواس کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر نیشاپوری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جس نے چالیس سال راتوں کو قیام کیا اور رات بھر نہ سویا ہو اور پورے دن میں صرف پانچ دانے کھایا کرتا تھا؟ اور صبح کی نماز رات عشاء کے وضو سے پڑھا کرتا تھا۔ پھر خود ہی کہنے لگے کہ وہ شخص میں ہوں اور (یہ سب) اس سے پہلے تھا جبکہ میں ام عبدالرحمٰن (ان کی زوجہ) کو نہیں جانتا تھا۔ میں اس شخص کو کیا کہوں جس نے میری شادی کروائی پھر کہنے لگے کہ اس نے تو بھلا ہی سوچا ہوگا۔[1]

ہم میں سے کسی شخص کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ اس بات کا انکار کر سکے کہ جب تعلقات (یا مسائل) زیادہ ہو جاتے ہیں تو علم اور اس کی تحصیل سے روک دیتے ہیں اور شادی، بیوی، بچوں اور ان کے مسائل کا تعلق علم سے روکنے والی قوی تر مصروفیات میں

---

[1] المنتظم لابن الجوزی ص ۶/ ۲۸۷ تذکرۃ الحفاظ للذہبی ص ۳/ ۸۲۰

سے ہے۔ بے شمار لوگوں کے نزدیک یہ علم سے روکنے والی یقینی مصروفیت ہے حتیٰ کہ حضرت بشر الحافی نے یہاں تک فرما دیا کہ علم عورتوں کی رانوں کے درمیان ضائع ہو گیا۔

جیسا کہ "المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع" از ملا علی قاری میں ہے۔[1]

جیسا کہ یہی جملہ دوسرے الفاظ سے بھی منقول ہے کہ علم عورتوں کی رانوں کے درمیان ذبح ہو گیا۔ یہ اشارہ ہے کہ بے شمار علماء کو شادی اور اس کی ضروریات اور اولاد کے مسائل نے علم کا سلسلہ مسلسل جاری رکھنے سے روک دیا چنانچہ ان کے پاس علم کمزور اور مضمحل ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نکاح و شادی معنوی و مادی ضروریات کی ایک بھاری زنجیر ہے اور اپنے بعض توجہ طلب مسائل کے باعث تعلیم و تعلم سے اعراض کافی وقت کے لیے بلکہ کبھی تو ہمیشہ کے لیے کرنا پڑ جاتا ہے جیسا کہ ہر اس شادی شدہ صاحب کو جو علم سے محبت بھی رکھتا ہے، معلوم ہے اور اس شادی شدہ شخص کو بھی معلوم ہے جو علم سے دور ہو کر اس سے محروم ہو چکا ہے۔

ایک دلچسپ لطیفہ جو شادی کر کے گویا قید کر دینے سے متعلق ہے۔ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "ترتیب ثقات العجلی" میں ایک بڑے محدث معمر بن راشد کے تذکرے میں لکھا ہے۔ ان کی عادت یہ تھی کہ یہ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہو جاتے تھے تاکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیلائیں اور جن حضرات کے پاس ان کی بیان کردہ احادیث نہیں تو وہ ان سے لے لیں۔ پھر یہ دوسرے شہر چلے جاتے چنانچہ جب یہ یمن پہنچے تو وہاں کے لوگوں کی یہ خواہش ہوئی کہ یہ یمن ہی میں رہ جائیں تاکہ وہ ان کے علم و فضل سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے انہیں بیڑیاں پہنا کر وہیں رکھنے کا ارادہ کر لیا اور یہ بیڑی یا زنجیر کہ انہوں نے وہیں کی ایک مقامی خاتون سے ان کی شادی کر دی چنانچہ یہ خاتون ان کے لیے قید ثابت ہوئیں جس نے انہیں کہیں جانے اور اپنے پہلے وطن کی طرف لوٹ جانے سے بھی روک دیا چنانچہ معمر بن راشد رحمہ اللہ آخری سانس تک وہیں مقیم رہے۔

---

[1] ص ۲۰

علامہ عجلی نے ان کے حالات میں لکھا ہے۔

معمر بن راشد ان کی کنیت ابوعروہ تھی، بصرہ کے رہنے والے تھے۔ صنعاء و یمن میں مقیم ہوئے وہیں شادی کی، ثقہ اور نیک انسان اور بڑے عقلمند شخص تھے ان سے عبداللہ بن مبارک نے روایت کی ہے اور سفیان ثوری بھی سفر کر کے ان کے پاس پہنچے اور صنعاء میں ان سے حدیث کی سماعت کی۔ جب یہ صنعاء میں داخل ہوئے تو اہل صنعاء نے یہ ناگوار جانا کہ یہ یہاں سے واپس جائیں چنانچہ انہیں ایک شخص نے مشورہ دیا اور کہا کہ ان کو قید کرلو چنانچہ انہوں نے معمر بن راشد کی شادی کرادی۔ چنانچہ معمر بن راشد ان ہی کے ہاں مقیم رہے حتی کہ ۱۵۳ھ میں ان کی وفات وہیں یمن میں ہوگئی۔[1]

مندرجہ ذیل اشعار میں بھی ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا گیا ہے کہ شادی ایک ہتھکڑی ہے اور اس کی ذمہ داریاں بھاری ہیں۔

ان ذئبا امسکوہ　　　　وتماروا فی عقابہ

قال شیخ ازوجوہ　　　　ودعوہ فی عذابہ

ترجمہ: ”لوگوں نے ایک بھیڑیا پکڑا اور اس کو سزا دینے کے طریقے میں جھگڑنے لگے تو ایک بوڑھے نے کہا کہ اس کی شادی کرادو اور اسے اس کے عذاب میں یونہی مبتلا چھوڑ دو۔“

بہر حال شادی، اس کے متعلقات، اس سے پیدا اور اس پر مرتب ہونے والے مسائل کے ہتھکڑی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کی ذمہ داریاں انسان کی زندگی میں

---

[1] حضرت شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ نے تو یہاں لطیفے کے طور پر یہ بات بیان فرمائی کہ نکاح ایک ہتھکڑی ہے اس کے ذریعے لوگوں کو روک لیا جاتا تھا بہر حال لوگوں کا طریق اس بارے میں ایک یہ بھی رہا ہے۔ شیخ انجم حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کو بھی دیوبند اسی حیلہ سے روکا گیا تھا کہ ان کی شادی دیوبند کے ایک اعلیٰ خاندان میں کرادی گئی تو وہ دیوبند میں عرصہ تک رکے رہے۔ آج بھی ان کی اولاد دیوبند میں آباد ہے۔ (ثناء اللہ)

بڑے مادی اور معنوی پہلوؤں کی حامل ہیں، جن کے نہ ہونے سے علم کے حصول میں فرصت بہت مل سکتی ہے بلکہ شادی تو انسان کو علم یا اس میں اضافے سے بالکل ہی کاٹ سکتی ہے جیسا کہ بعض ذہین علماء میں دیکھا گیا ہے اس لئے بہت سوں نے تو تجرد کی زندگی کو ازدواجی زندگی پر ترجیح دی ہے۔

امام ابو حامد الغزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں کتاب النکاح کے شروع میں باقاعدہ یہ بحث چھیڑی ہے جس کا عنوان ''شادی پر تجرد کو ترجیح دینا'' ہے لہٰذا انہوں نے شادی میں ترغیب دلانے والی آیات احادیث اور آثار ذکر کرنے کے بعد شادی کے فوائد لکھے ہیں اور پھر شادی کی آفات لکھی ہیں۔ اور بتایا ہے کہ اس کی آفات تین ہیں۔

(۱) معاش کے لئے انسان مال حلال کے حصول سے عاجز ہو جاتا ہے......

(۲) بیوی کے حقوق میں کوتاہی اور اس کے اخلاق اور اذیت دینے پر صبر کرنا

پھر کہتے ہیں کہ تیسری آفت یہ ہے کہ بیوی بچے اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیتے ہیں، دنیا کی طلب اولاد کے لئے کمانے کی اچھی تدبیر کی طرف مال جمع کرنے، ان کے لئے ذخیرہ کرنے اور ان کے ذریعے تفاخر اور تکاثر کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

چنانچہ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد سے غافل کر دے وہ اس کے لئے نحوست ہوتی ہے، میری (غزالی کی) مراد یہ نہیں کہ وہ اسے ممنوع چیز یا عمل کی طرف بلاتی ہے کیونکہ یہ تو پہلی اور دوسری آفت کے تحت داخل ہے بلکہ میری مراد یہ ہے کہ یہ اہل اور اولاد اسے مباح عیش و عشرت (تنعم) کی طرف بلاتے ہیں بلکہ عورتوں سے دل لگی اور دل بہلانے میں غرق اور ان سے فائدہ اٹھانے میں ڈوبنے تک لے جاتے ہیں۔

شادی سے اس قسم کی کئی اور مصروفیات و مشاغل بھی جنم لیتے ہیں دل اس کی طرف لگا رہتا ہے، دن رات یونہی گزر جاتے ہیں، انسان اس کی فکر میں آخرت کی فکر اور تیاری کے لئے فارغ ہو نہیں پاتا۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے تھے

کہ جو شخص عورت کی رانوں کا عادی ہو جائے پھر اس کی کچھ چیز واپس نہیں آئے گی (یعنی وہ بالکل لوٹ کر نہیں آئے گا)۔

ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس نے شادی کی وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا۔ یعنی شادی اسے دنیا کے میلان کی طرف بلاتی ہے۔

بہر حال شادی آفات اور فوائد کا مجموعہ ہے لہٰذا کسی ایک شخص پر مطلق یہ حکم لگانا کہ اس کے لئے تجرد بہتر ہے یا شادی؟ تو یہ اس مجموعہ آفات وفوائد کے احاطے (سمجھنے) میں کوتاہی ہے بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ ان فوائد اور آفات کا ایک معیار بنا کر ہر شخص اپنے آپ کو اس پر پیش کرے۔

پھر اگر اس کے حق میں آفات نظر نہ آئیں فائدے نظر آئیں مثلاً اس کے پاس حلال مال، اچھے اخلاق، دین میں محنت موجود ہو جو اسے اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے نہ دے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسا نوجوان ہو جسے شہوت کی تسکین کی ضرورت ہو، وہ اکیلا ہو، اسے گھر داری کی اور پاکدامنی کی ضرورت بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شخص کے لئے نکاح کرنا افضل ہے، اس میں یہ بھی ملا لیجئے کہ اس میں اولاد کے حصول کی کوشش بھی شامل ہے۔

لیکن اگر فوائد نظر نہ آئیں، آفات ہی نظر آئیں تو اس کے لئے تجرد افضل ہے اور اگر دونوں باتوں کا تقابل کیا جائے تو بالکل صحیح اور انصاف کے ساتھ دین میں اضافے اور کثرت کے اس نفع کو اور اس کے دین میں نقصان کا موازنہ کیا جائے، اگر ذہن پر کسی ایک کا رجحان غالب ہو جائے تو اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔ غالب فوائد یہ ہیں۔ اولاد، شہوت کی تسکین، اور غالب نقصانات یہ ہیں حرام کمائی کا محتاج ہونا، اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونا۔"

پھر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں حالتوں کی ایک دوسرے پر ترجیح اور موازنے کی مثالیں ذکر کی ہیں پھر فرماتے ہیں۔

"چنانچہ اس طرح ان آفات کا فوائد سے موازنہ کرنا چاہئے اور اس کے مطابق

حکم دینا چاہئے جو شخص اس پوری بات کو سمجھ لے گا اس کو اسلاف سے نقل کردہ ہماری بات پر کسی قسم کا اشکال نہیں رہے گا (جو یعنی ہم نے ایک مرتبہ نکاح کی ترغیب اور دوسری مرتبہ اس سے اعراض کرنے کی بات نقل کی ہے) کیونکہ وہ احوال کے اعتبار سے صحیح ہے۔''

(امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحریر میں تجرد اختیار کرنے والوں کی طرف سے کافی و شافی توجیہ موجود ہے اور میں مزید وضاحت کے لئے علامہ شاطبی کی ایک تحریر پیش کر رہا ہوں جو ان کی کتاب "الاعتصام" [1] میں ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد

''اے ایمان والو ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔''

سے چند مسائل متعلق ہیں۔

پہلا مسئلہ:

حلال کو حرام کرنا اور اس جیسی دوسری باتیں اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) تحریم حقیقی۔ حقیقت ہی میں اس کو حرام سمجھتے ہوں، اور یہ صورت کفار سے وقوع پذیر ہوتی ہے جیسا کہ بحیرہ اور سائبہ کا گوشت۔[2]

---

[1] الاعتصام (ص ۱/۳۲۸) باب ۵ دسویں فصل

[2] جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور پانچواں نر ہوتا تو یہ اس کے کان میں سوراخ کر کے اس پر سوار ہونا حرام کر کے اسے اپنے نام نہاد معبودین کے نام پر چھوڑ دیتے، اسے نہ ذبح کیا جا سکتا تھا نہ بار برداری کا کام اس سے لیا جا سکتا تھا نہ ہی کسی چراگاہ یا گھاٹ سے ہٹایا جا سکتا تھا اسے یہ لوگ بحیرہ کہتے تھے سائبہ وہ اونٹنی تھی جسے معبودین کے نام پر نذر کر کے چھوڑا جاتا یا دس بارہ بچے جن لیتی تو پھر سے حرام قرار دے کر معبودوں کے نام چھوڑ دیتے تھے اور اس کو بھی بحیرہ کی طرح سہولتیں حاصل تھیں۔ اسلام نے ان سب کو باطل قرار دے دیا۔

(۴) صرف ترک کیا ہو اس کی کوئی غرض نہ ہو بلکہ طبیعت اسے ناپسند کرتی ہو۔ یا ناپسند نہ کرتی ہو حتی کہ اسے استعمال میں لا سکتا ہو۔ یا اس کی قیمت اس کے پاس موجود نہ ہو۔ یا وہ اس سے زیادہ کسی تاکید والی چیز یا عمل میں مشغول ہو وغیرہ۔

انہی میں سے ایک مثال نبی کریم ﷺ کا ''گوہ'' نامی جانور کو نہ کھانا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے اسے اپنی سرزمین پر دیکھا نہیں اس لئے میں خود کو اس سے ناگواری محسوس کرتے پاتا ہوں۔'' اس قسم کے ترک کو ''حرام کرنا'' نہیں کہیں گے اس لئے کہ تحریم کے لئے اس چیز کا قصد کرنا لازمی ہے اور یہ عمل اس طرح کا نہیں۔

پھر امام شاطبی فرماتے ہیں کہ بعض وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں کہ جنہیں کوئی خاص چیز کھاتے وقت کوئی نقصان یا تکلیف پہنچتی ہو تو ممکن ہے وہ اس کو حرام سمجھے بغیر اس سے دور رہتا ہو۔ کسی چیز کو چھوڑنے والے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اسے حرام سمجھ کر چھوڑ رہا ہو۔ چنانچہ کتنے ہی لوگ ہیں جنہوں نے فلاں چیز کھانا چھوڑ دی یا نکاح کو ترک کر دیا کیونکہ انہیں اس وقت ان چیزوں کی اشتہاء نہیں تھی یا اس کے علاوہ ان کا کوئی عذر تھا حتی کہ جب اس کا عذر ختم ہو گیا تو اس نے وہ چیز کھا لی۔ اور پھر رسول اکرم ﷺ نے گوہ کے کھانے کو ترک رکھا لیکن آپ ﷺ کا ترک کرنا اس کی تحریم کو واجب نہیں کرتا۔

پھر علامہ شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اور جو امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ نے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ کر تنہائی اختیار کرنے اور بجائے اہل اختیار کرنے کے تجرد پسند کرنے کو عوارض لاحق ہونے کے وقت افضل لکھا ہے اس میں ذرا تفصیل ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ مطلوبات شرعیہ (شرعی اعمال) اس بات سے خالی نہیں کہ یا تو مکلف شخص ان کے بجالانے پر کسی ممنوع عمل میں پڑے بغیر قادر ہوگا یا نہیں۔

اگر وہ عادت کے مطابق اس عمل کو کسی مکروہ یا حرام میں پڑے بغیر بجالانے پر قادر ہے تو پھر اس حکم کے اس شخص کی طرف اس کی استطاعت کے بقدر متوجہ ہونے میں

کوئی اشکال نہیں اور اس کی حد یہ ہے کہ جس طرح سلف صالحین فتنہ میں پڑنے سے پہلے بجالاتے تھے۔

اگر وہ شخص اس عمل کو بغیر کسی مکروہ یا حرام فعل میں پڑے بغیر بجالانے پر قادر نہیں تو اس وقت اس عمل کا حکم باقی رہنے میں وہ تفصیل ہے جو امام غزالی رحمہ اللہ کی گفتگو سے ظاہر ہو رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

یا تو وہ حکم مستحب ہو لیکن اس پر عمل کرنا بغیر کسی ممنوع فعل میں پڑے ممکن نہ ہو تو اس صورت میں یہ مستحب حکم کسی اشکال کے بغیر ساقط ہے جیسے کہ کسی محتاج کو صدقہ دینے کا استحباب۔ اور اگر اس کے پاس جو مال ہے وہ کسی غیر شخص کا ہے تو اسے مستحب پر عمل کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ اس وقت یہ ایک حرام فعل یعنی مال غیر میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف میں مبتلا ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ اس شخص کی طرح متصور ہوگا جس کے پاس صدقہ کرنے کے لئے مال ہی نہیں، یا اس شخص کی طرح جو کسی ایسے مریض کے سرہانے تیمار داری کے لئے کھڑا ہو جو موت کے دہانے پر ہو یا کسی ایسی میت کو دفن کرنے کے لئے کھڑا ہو جسے چھوڑنے سے اس کے جسم میں تغیر پیدا ہونے کا خطرہ ہو مگر اس کے باوجود وہ نفلی نمازیں پڑھنے کھڑا ہو جائے (اس وقت نفل نمازوں کا پڑھنا ان کاموں کو چھوڑ کر درست نہیں) یا اس شخص کی طرح جو شادی کرنا چاہ رہا ہو مگر اس کے پاس مال حرام کے سوا کوئی مال نہ ہو (تو ان تمام صورتوں میں عمل مستحب و نفل ان سے ساقط ہوگا) وغیرہ

یا وہ حکم واجب ہو لیکن اس پر عمل کرنا بغیر کسی مکروہ فعل میں پڑے ممکن نہ ہو چنانچہ اس مکروہ فعل کا یہاں اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ واجب کی ادائیگی کی تاکید زیادہ ہے۔ یا اس واجب پر عمل کرنا کسی ممنوع فعل میں پڑے بغیر ممکن نہ ہو یہ صورت حقیقتاً اس سے ٹکرا رہی ہے کیونکہ واجبات ایک وزن کے نہیں، اسی طرح حرام افعال کا بھی حکم ہے لہٰذا ان دونوں میں موازنہ ضروری ہوگا چنانچہ موازنہ کی صورت میں اگر حکم واجب کی جانب راجح ہو تو حرام فعل معافی کے درجے میں ہوگا یا پھر اگر اس کی تلافی ہو سکتی ہو تو تلافی کا حکم دیا

جائے گا، اور اگر حکم واجب کے مقابلے میں کسی فعل حرام کی جانب راجح ہو جائے تو واجب کا حکم ساقط ہو جائے گا یا تلافی کا مطالبہ کیا جائے گا۔

اگر یہ واجب حکم اور حرام فعل مجتہد کی نظر میں اہمیت کے اعتبار سے برابر ہیں تو یہ مجتہدین کا کام اور ان کا میدان ہے چنانچہ بعض حضرات کے نزدیک حرام فعل کے پہلو کی رعایت کرنا واجب ہے کیونکہ مفاسد کو دور کرنے کی مصلحت اور مفاد کے حصول سے زیادہ تاکید آئی ہے۔

چنانچہ اگر تنہائی سلامتی کی طرف پہنچانے والی ہو تو فتنے کے زمانے میں وہی بہتر ہے اور فتنے محض جنگوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ جاہ و مال جیسی تمام دنیا کی کمائیوں میں جاری اور موجود ہیں اور اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکے (وہ فتنہ ہے) اسی حکم کی طرح کا حکم مستحب اور مکروہ اور دو مکروہوں کے درمیان بھی ہے۔

اگر یہ تنہائی جمعہ اور با جماعت نمازوں کے ترک پر اور نیکی و بھلائی کے کاموں پر تعاون کے ترک وغیرہ تک پہنچاتی ہو تو ایک جہت سے تو یہ سلامتی ہے اور احکام اور نواہی کے درمیان توازن واقع ہوتا ہے، اسی طرح نکاح کا بھی حکم ہے جب وہ (نکاح) کسی گناہ کے عمل تک پہنچانے والا ہو، اور اس کے ترک کرنے میں کوئی معصیت نہ ہوتی ہو تو نکاح کو ترک کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ (شاطبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا)

ہمارے استاذ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "السید البدوی" میں سید بدوی کے شادی نہ کرنے کا عذر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

سید بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ تھا کہ جو انہوں نے اپنے لئے خاص کر لیا تھا کہ وہ دعوت کے کام کے لئے فارغ رہیں وہ شادی کرنے کو حرام نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی اس سے نفرت کرتے تھے وہ کسی حلال کو حرام نہیں کہہ رہے تھے اسی طرح کسی حرام کو حلال نہیں کہتے تھے نہ ہی وہ اس رہبانیت کی دعوت دیتے تھے جو شادی سے دوری کی واضح مثال پیش کرتی

ہے۔ ہرگز نہیں ۔ شادی کرنا تو اسلام کی شریعت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

لیکن انہوں نے یہ دیکھا کہ اس وقت اسلامی دنیا کو بالکل فارغ لوگوں کی ضرورت ہے اور دعوت میں ان کی عمر بلکہ کئی عمریں مکمل لگ سکتی ہیں چنانچہ انہوں نے مضبوط ارادہ کرلیا کہ وہ دعوت کے کام کے لئے بالکل فارغ ہو جائیں وہ اپنے اندر وہ قوت نہیں پاتے تھے جو رسول اللہ ﷺ اور بڑے صحابہ جو دعوت اسلامی کے اہم ستون اور بڑے حضرات تھے اس قوت نے انہیں ازدواجی زندگی اور دعوت کے کام کو ایک ساتھ جاری رکھنے کی ہمت عطا کردی تھی۔

اسلامی دعوت کی محبت اور عالم اسلامی (اسلامی دنیا) کی ترقی کے ارادے نے بہت سارے اصلاح کا کام کرنے والے حضرات کو ساری زندگی شادی کرنے سے دور رکھا یا زندگی کے بہت لمبے وقت تک وہ شادی کر نہ سکے۔ تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں اور اسی وجہ سے ان خاتون کی وہ پیشکش جو شادی سے متعلق تھی۔ شیخ بدوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں قبولیت کا اعزاز پا نہ سکی۔ (اس خاتون کا نام فاطمہ بنت بری تھا جنہوں نے شیخ بدوی کو شادی کی پیش کش کی تھی۔)

☆☆☆

اس طویل اور جامع بحث سے جو مشہور علماء کے تجرد کے جواز کے حوالے سے تھی فارغ ہونے کے بعد میں ان بڑے ائمہ کے حالات پیش کرنے جا رہا ہوں جن کی دینی علوم اور نیک سیرت میں (سوائے تجرد کے) پیروی کی جاتی ہے۔ ان کا تعلق مختلف زمانوں اور مختلف مسالک سے ہے ان میں مفسرین بھی ہیں، محدثین، فقہاء، اصولیین، لغویین، نحوی حضرات، ادیب، مورخ اور زاہدین بھی ہیں۔ یہ ان بے شمار لوگوں میں سے چند ایک ہیں جنہوں نے تجرد کی مشکلات اور سختیوں کو صرف اور صرف علم کی تحصیل اور اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی لگن میں برداشت کیا۔ اور دوسروں کے فائدے کو اپنی ذاتی لذتوں پر ترجیح دی، اللہ تعالیٰ ان حضرات سے راضی ہو اور ان کے ساتھ انتہائی اچھا معاملہ فرمائے

جو انہوں نے علم اور اہل علم کے لئے کیا۔

میں ان کے حالات پیدائش اور وفات زمانے کی ترتیب کے اعتبار سے لکھوں گا بعض حضرات کے حالات مختصر اور بعض کے طویل ہوں گے کیونکہ کسی کے حالات میں ان کے تجرد اور دین کی خدمت کے حوالے سے مواد کم ملا ہے کسی میں زیادہ ہے اور ان کے حالات میں اس بات کی وضاحت کروں گا کہ اگر ان حضرات نے نکاح ترک کر کے تجرد اختیار کیا تو اپنی محنت اور کاوشیں اسلام علم اور دین کی خدمت کے لئے وقف کیں اور شریعت اور مسلمانوں کی خدمت کو ترجیح دی کیونکہ انہوں نے انہیں اپنے ذاتی نفع، جسمانی پیاس اور بدنی راحت پر ترجیح دی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات سے راضی ہو۔

ان علماء عزاب کے حالات بیان کرنے میں میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ان کی سوانح ایک رخ پر، تعلیم دینے والی اور تحریک پیدا کرنے والی ہو اور یہ کہ ان کی علمی اور دینی زندگی فضائل اور کردار پر ابھارنے اور سدھانے والی ہو جو پڑھنے والے کے دل میں ان کی پیروی اور نقش قدم پر چلنے کا جذبہ موجزن ہو (تجرد کے علاوہ) اور اس کی شخصیت میں بھلائی، علم کی محبت اور شوق بس جائے جو اس کو نیکی اور تقوے کی جانب لے جائے۔

اور تا کہ آج کل کے طلبہ علم ان عزاب علماء کے حالات پڑھنے کے دوران علم کی قیمت، اس کی رفعت اس کے مرتبے کی قدر و قیمت کو ان نیک علماء کی نظر سے پہچانیں، جنہوں نے ساری زندگی کے لئے اپنے نفس کے حق میں ازدواج کے انس اور فوائد سے محرومی کو اختیار کر لیا تھا صرف اس خیال سے کہ علم اور اس کا حصول زیادہ ہو اور آنے والی نسل (امت محمدیہ ﷺ) کے لئے خدمت اور تبلیغ ہو جائے چنانچہ انہوں نے انہیں بیوی اور بچوں کے حصول پر ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں علم، دین، اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے اور اپنے پڑوس میں حور عین کی مصاحبت کے ساتھ ان کا اکرام فرمائے اور انہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے زمرے میں جگہ عطا فرمائے

اور یہ لوگ رفاقت کے اعتبار سے اچھے رفیق ہیں۔

ان حضرات کا تذکرہ شروع کرنے سے پہلے میں "عـزاب" کا لغوی معنی بیان کرنا چاہتا ہوں۔[1]

عربوں سے سنا گیا ہے کہ وہ ایسے مرد کو عَزَبٌ اور اعزب، کہتے ہیں اور عورت کو عـزَب، عَزَبہ زاء کے زبر کے ساتھ کہا جاتا ہے، قیاسی طور پر جو کہ عربوں سے نہیں سنا گیا عازب کہتے ہیں اور عورت کو عازبہ اور عزباء کہا جاتا ہے۔ آج کل زبانوں پر جو الفاظ جاری ہیں۔ عورت کو عزبہ (زاء کے سکون کے ساتھ) اور مردوں کی جمع کے لئے "عُزبان" کا لفظ ہے مگر یہ عامی لفظ ہے لغت سے اس کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔"

---

[1] عـزَبَ کا مادہ۔ تین معانی پر دائر ہے۔ تنہائی (اکیلا پن) دوری، ایک کنارے یا گوشہ میں چلے جانا۔ اور یہاں جو معنی ہمارا مقصود ہے وہ ہے اکیلا پن، عرب کہتے ہیں کہ ہر اکیلا شخص عزب ہے، باب نصر سے اس کے معنی آتے ہیں ایسا شخص جس کی بیوی نہ ہو۔ ... الخ

اس کی جمع عزاب، اعزاب آتی ہے اور عورت کو امراۃ عـزب و عزبہ کہا جاتا ہے۔ جس کا بھی شوہر نہ ہو۔... جمع عزبات ہے نساء عزاب اور نسـاء اعزاب بھی کہا جاتا ہے۔ (اصل کتاب کے حاشیہ میں لغوی بحث بہت طویل کی گئی ہے (ملاحظہ کریں ص ۳۲)

امام عبداللہ بن نجیح[1] مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱ھ)

عبداللہ بن ابی نجیح المکی ایک تبع تابعی عالم تھے۔

حافظ ذھبی تاریخ اسلام اور سیر اعلام النبلاء[2] میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

امام، حافظ، ثقہ، مفسر، ابو یسار عبداللہ بن ابو نجیح، ان کے والد یسار صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم اخنس بن شریق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

اساتذہ

عبداللہ بن نجیح ایک ثقہ عالم تھے اور مجاہد طاؤس اور عطاء وغیرہ سے ان کی روایات موجود ہیں البتہ کسی صحابی سے ان کی روایت کا مجھے علم نہیں۔

تلامذہ

شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، عبدالوارث، ابن علیہ اور دیگر حضرات ان سے روایت کرتے ہیں۔

فضل وکمال

یحیٰی بن معین وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے البتہ تقدیر کے مسئلے میں ان سے خامہ فرسائی سرزد ہو گئی تھی۔

---

۱ نَجِیح نون کے فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ امیر کے وزن پر ہے دیکھئے ذھبی رحمہ اللہ کی "المشتبہ النسبۃ" ص ۵۱ "القاموس" "نجح" کا مادہ اور زبیدی کی تاج العروس (۲/۲۳۵)۔ ذھبی کی کتاب "العبر" (۱/۱۷۳) کے داودی کی کتاب "طبقات المفسرین" (۱/۲۵۲) کے محققین نے اس لفظ نُجَیح کو نون کے ضمہ اور جیم کے فتحہ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو کہ غلط ہے۔

۲ تاریخ الاسلام (۵/۲۶۹) سیر اعلام النبلاء (۶/۱۲۵)

سفیان بن عیینہ ان کے بارے میں کہتے ہیں۔

ابن ابی نجیح عمرو بن دینار کے بعد اہل مکہ کے مفتی تھے۔ وہ خوبصورت اور فصیح شخص تھے۔ تاحیات غیر شادی رہے۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ فضل بن مقاتل نے ہمیں عمر بن ابراہیم بن کیسان کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ

ابن ابی نجیح نے تیس سال تک منہ سے کوئی ایسا کلمہ نہیں نکالا جو ان کے کسی ہمنشین کے لئے باعث ایذاء ہو۔[1]

علی بن مدینی کہتے ہیں کہ

---

[1] عبدالفتاح کہتے ہیں کہ اس سے موصوف کے عمدہ اخلاق زبان کی حفاظت قلت کلام اور زیادہ خاموش رہنے کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ قلت کلام اور زیادہ خاموش رہنا ایسی خصلت ہے جو سلف کی زندگی میں عام پھیلی ہوئی اور نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ بہت کم بولتے تھے۔ بات وہی کرتے تھے جس کے تحت کوئی عمل ہوتا تھا ان کا کلام کم اور مختصر ہوتا تھا۔ نہ اس میں پیچیدگی ہوتی تھی اور نہ ہی بے جا طوالت۔ یہاں تک کہ وہ علم اور اس کی شرح کرنے میں بھی ایسی روش اپناتے تھے۔ حافظ ابن رجب حنبلی نے اپنی عمدہ کتاب "فضل علم السلف علی علم الخلف" میں اس بات کی متعدد جگہوں پر وضاحت کی ہے جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب "صفحات من صبر العلماء" (ص ۲۷۷-۲۷۹) میں کیا ہے۔ مفید اور لاجواب ہونے کی وجہ سے ضرور دیکھئے۔ علماء نے زبان کی حفاظت اور خاموشی کی فضیلت پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان میں سے امام ابن ابی الدنیا سن وفات ۲۸۱ھ کی کتاب "الصمت" اپنے موضوع میں ایک تحفہ اور اپنے محراب میں ایک رہنمائی کرنے والا خطیب ہے۔ پھر چونکہ یہ موضوع علماء سلف کی زندگی کا ایک اہم رکن تھا اس لئے وہ اس کا خاص اہتمام رکھتے تھے۔ اس لئے زہد کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں آپ اس موضوع کو بنیادی حیثیت میں نمایاں پائیں گے۔ مثلاً دیکھئے امام احمد کی "کتاب الزهد"، "کتاب الزهد" مصنفہ امام عبداللہ بن مبارک کتاب الزہد مصنفہ امام ہناد بن سری، اور دیگر اس طرح کی کتابیں جو علماء سلف کی اس عظیم خصلت کی طرف رہنمائی سے بھری ہوئی ہیں۔ شاعر کہتا ہے

اذا سکتوا رایت لهم جمالا — وان نطقوا سمعت لهم عقولا

البتہ تفسیر میں وہ ثقہ عالم تھے۔ تفسیر کو جانتے تھے اور تفسیری مبہمات کے انہوں نے پل عبور کیئے۔ صحاح ستہ کے مصنفین کے ہاں وہ قابل استدلال ہیں اور شاید انہوں نے بدعت یعنی مسئلہ تقدیر میں لغزش سے رجوع کر لیا تھا اور مسئلہ تقدیر میں ثقہ علماء کی ایک جماعت سے لغزش سرزد ہوئی ہے۔ اللہ عافیت نصیب فرمائے۔

وفات:

سن ۱۳۱ھ میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

ترجمہ: خاموشی کے وقت تم ان میں جمال دیکھو گے اور جب وہ بولیں گے تو تم ان سے عقلمندی کی باتیں سنو گے۔ اللہ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان کی اقتداء اور ان کی عمدہ سیرت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے اس با کمال خصلت اور عمدہ سیرت کا مشاہدہ سعودی عرب کے مفتی علامہ امام شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ سن وفات ۱۳۸۹ کی زندگی میں کیا۔ ان کی مجلس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور کسی علمی گفتگو کے علاوہ خاموشی ہی چھائی رہتی تھی۔ فاضل علماء اور بڑے بڑے لوگ ان کی مجلس میں آتے اور سلام کے بعد شیخ کی قوت بینائی کمزور ہونے کی وجہ سے اپنا تعارف کرا کے خاموشی سے بیٹھ جاتے۔ شیخ ان کے سلام کا جواب دیتے اور مختصر بات کرتے، ریاض کے محلہ دخنہ میں واقع اپنے گھر کے قریب مسجد میں مغرب اور عشاء کے درمیان وہ تفسیر ابن جریر وغیرہ کا درس دیتے تھے۔ اس درس میں بھی ان کا یہی حال ہوا کرتا تھا۔ ان کی زندگی پر دیکھئے میرا مبسوط مقالہ مجلہ دارۃ الملک عبدالعزیز میں جو ریاض سے شائع ہوتا ہے۔ اشاعت نمبر ۳ سن ۱۳۹۶ ص ۱۷۶۔۲۰۵۔ اسی طرح دیکھئے میری کتاب "تراجم ستة من فقهاء العالم الاسلامي في القرن الرابع عشر وآثارهم الفقهيه" یہ کتاب سن ۱۳۹۶ میں بیروت سے شائع ہوئی ہے اس کتاب میں ان کا تذکرہ مذکورہ بالا رسالہ میں ذکر کردہ تذکرے سے زیادہ مبسوط ہے۔ دیکھئے اس کتاب میں تذکرہ نمبر چھ۔

مترجم عرض کرتا ہے کہ مولانا انعام الحسن کاندھلوی اور مفتی ہند مولانا عزیز الرحمٰن کے طویل خاموشی کے واقعات تو میں نے اپنے اساتذہ سے سنے اور کتابوں میں پڑھے لیکن خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم کی طویل خاموشی اور زبان کا ذکر الٰہی اور دل کا مراقبہ حق میں مشغول رہنے کا مشاہدہ میں نے خود دو مجلسوں میں کیا۔

ادیب یونس بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ (۹۰ھ تا ۱۸۲ھ)

ادیب نحوی یونس بن حبیب بصری، ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔

قاضی ابن خلکان "وفیات الاعیان" [1] میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کی ولادت سن ۹۰ ہجری اور وفات سن ۱۸۲ ہجری میں ہوئی۔ ان کی تاریخ ولادت اور وفات میں علماء کے اور بھی اقوال ہیں۔

اساتذہ

علم ادب کی تعلیم انہوں نے ابو عمرو بن علاء اور حماد بن سلمہ سے حاصل کی۔

علم النحو کا ان پر زیادہ غلبہ تھا عربوں سے ان کا سماع بھی ثابت ہے۔

تلامذہ

سیبویہ ان سے بہت زیادہ روایت کرتے ہیں۔ کسائی اور فراء بھی ان سے پڑھتے رہے۔ علم النحو میں ان کے کچھ تفردات ہیں۔

درس و تدریس

ان کا علمی حلقہ بصرہ میں لگتا تھا جس میں عرب کے ادیب فصیح اور اعرابی لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔

معمر بن مثنیٰ کہتے ہیں کہ یونس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چالیس سال تک میرا آنا جانا رہا ہے۔ ہر روز میں ان کی یادداشتوں سے اپنی تختیاں بھرا کرتا تھا۔

"ابو زید انصاری نحوی" کہتے ہیں کہ دس سال تک میں یونس کے درس میں بیٹھا

---

[1] (۲/۴۱۶)

رہا اور مجھ سے قبل خلف احمران کے پاس بیس سال تک بیٹھے رہے۔[1]

اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ

اٹھاسی سال تک یونس بن حبیب زندہ رہے، اس طویل زندگی میں نہ انہوں نے شادی کی اور نہ ہی کبھی کسی لونڈی سے شب باشی کی، بلکہ علم کی جستجو اور لوگوں سے علمی

---

[1] متقدمین کے ہاں طلبہ اپنے اساتذہ سے اتنا ہی عرصہ یعنی چالیس سال، بیس سال اور دس سال تک پڑھتے تھے اور طالب علم بھی ایک جید عالم ہوا کرتا تھا اور سبق بھی پچاس یا پینتالیس منٹ کے بجائے سارا دن یا دن کا اکثر حصہ یا چوتھائی دن تک ہوا کرتا تھا تو وہ طلبہ ائمہ کے ساتھ رہ رہ کر خود بھی امام بن گئے آج کل تو سبق چند مہینوں اور چند گھنٹوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ بھی چند گونگی کاپیوں اور صحیفوں سے اور ان گونگی کاپیوں اور صحیفوں کو بھی طلبہ ایسے طریقے سے پڑھتے ہیں کہ نہ تو وہ ان کو کما حقہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان میں ان کی کوئی ذاتی رائے ہوتی ہے۔ علماء کے ہاں حاضری مفقود ہے، البتہ دعوے خوب لمبے چوڑے کیے جاتے ہیں اور القاب اس سے بھی زیادہ لمبے چوڑے لگائے جاتے ہیں۔

علم اپنے ان دعویداروں اور ٹھیکیداروں کی اللہ کی طرف شکایت کر رہا ہے اور یہ معمر بن مثنیٰ جو اپنے شیخ یونس بن حبیب کے پاس چالیس سال تک رہے، ابوعبیدہ بصری نحوی ہیں ان کی ولادت سن ۱۱۰ ہجری میں اور وفات ۹۹ سال کی عمر میں سن ۲۰۹ میں ہوئی، یہ علم کے امام اور ایک سمندر تھے۔

جاحظ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ علماء میں ان کا مقام جاننے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ خوارج اور اہلسنت کے علماء میں سے تمام علوم کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہ تھا۔ اور یہ ابوعبیدہ خارجی تھے۔ اپنے بعد تقریباً دو سو تصنیفات چھوڑ گئے۔ یہ ہیں وہ عظیم امام جو اپنے شیخ کی صحبت میں چالیس سال تک رہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے ائمہ اپنے شیوخ کی صحبت میں چالیس سال تک رہے، جن میں ایک نام عربیت اور صرف ونحو کے امام ابوالفتح عثمان بن جنی موصلی پھر بغدادی سن ولادت ۳۲۵ سن وفات ۳۹۲ کا بھی ہے۔ یہ اپنے استاذ امام ابوعلی فارسی کی صحبت میں چالیس سال تک رہے۔ دیکھئے "معجم الادباء" (۱۲/۹۰)

مذاکرہ ہی ان کا مشغلہ تھا[1]

[1] ترکی کے مکتبہ سلیمانیہ کے ایک مخطوطے میں، میں نے یہ عبارت دیکھی اپنے تھوڑے سے اس اضافے کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

یونس بن حبیب نے شادی نہیں کی علم کی جستجو اور لوگوں سے علمی مذاکرہ ہی ان کا مشغلہ تھا جب ان سے کہا گیا کہ کیا آپ کا دشمن مر گیا ہے تو ان کا کہنا تھا کہ کاش تم مجھے یہ کہتے کہ اس نے شادی کر لی۔

ابن ابی حاتم کی کتاب "الجرح و التعدیل" کے مقدمہ کے صفحہ نمبر ۲۸ اور قاضی عیاض کی "ترتیب المدارک" (۱/۱۳۱-۱۳۲) پر اور فسوی کی "المعرفة والتاریخ" (۱/۶۵۵) پر امام مالک کے تذکرے میں ان کا یہ قول مذکور ہے کہ

میں ابن ھرمز۔ جو کہ فقیہہ مدینہ، عالم زاہد ابوبکر عبداللہ بن یزید بن ھرمز مدنی المعروف "بالاصم" ہیں ان کی وفات سن ۱۴۸ میں ہوئی۔ جلیل القدر علماء میں سے تھے۔ ان کی صحبت میں تیرہ سال تک رہا۔ ہم لوگ مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھا کرتے تھے۔ سردی سے بچنے کے لئے میں نے روئی وغیرہ سے بھرے گدے تیار کئے تھے جن کو شیخ نیچے بچھا کر زمین کی ٹھنڈک سے بچتے تھے، ان تیرہ سالوں میں سے آٹھ سال میں نے شیخ کے ساتھ بغیر کسی دوسرے ساتھی کے تنہا گزارے۔ صبح سویرے میں ان کے گھر میں داخل ہوتا تھا اور رات کو ان کے گھر سے نکلتا تھا۔ اپنی آستین میں، میں چند کھجوریں لے جاتا تھا اور شیخ کے بچوں کو یہ کہہ دیتا تھا کہ شیخ کے بارے میں اگر تم سے کوئی پوچھے تو تم کہنا کہ وہ مشغول ہیں۔

اور ہمارے زمانے میں طلبہ اپنے اساتذہ سے تیس تیس سال تک بھی پڑھتے تھے۔ ذھبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۸/۹۶) پر امام مالک کے تذکرے میں قعنبی کا یہ قول منقول ہے کہ میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمارے زمانے میں طلبہ اپنے اساتذہ کے پاس تحصیل علم کے لئے تیس تیس سال تک آتے جاتے رہتے تھے۔ عبداللہ بن نافع کہتے ہیں کہ میں امام مالک کی صحبت میں پینتیس سال تک رہا۔

امام احمد کی کتاب "العلل و معرفة الرجال" (۱/۳۶۷) میں ان کا یہ قول مذکور ہے کہ ھشیم کے دنیا سے جانے کے بعد ہم اسماعیل بن علیہ کی صحبت میں دس سال تک پابندی کے

ساتھ رہے بغیر کسی ضرورت کے ہم ان سے جدا نہ ہوتے تھے۔ اور ہشیم کی صحبت میں امام احمد چار سال تک رہے۔

یاقوت حموی کی "معجم الادباء" (۲۲۴/۱۲) امام مفسر ادیب نحوی ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری سن وفات ۴۶۸ جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے یکتا اور استاذ تھے۔ ان کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے۔

ابوالحسن واحدی اپنی کتاب "البسیط فی التفسیر" کے مقدمے میں اپنے جلیل القدر اساتذہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"لغت کی تعلیم میں نے شیخ ابوالفضل احمد بن محمد عروضی سے حاصل کی انہوں نے اپنی زندگی کے نوے سال ادب کی خدمت میں گزارے۔ بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں کیں۔ ان سے پڑھا اور ان کے حوالے سے آگے لوگوں کو پڑھایا، ان کی بڑی بڑی تصنیفات اور لغت ونحو کے بڑے بڑے ائمہ کی کتابوں پر ان کے اضافے اور استدراکات ہیں۔

میں ان کی صحبت میں چند سال تک رہا۔ سورج جب نکل رہا ہوتا تھا تو میں ان کے ہاں داخل ہو رہا ہوتا تھا اور سورج کے غروب ہونے کے وقت میں ان کی مجلس سے نکلتا تھا۔

میرا سارا دن سننے پڑھنے کتابوں پر تعلیقات کا اضافہ کرنے، یاد کرنے اور ان کے ساتھیوں سے بحث ومباحثہ کرنے میں گزر جاتا تھا۔

لغت کی بہت سی کتابیں اور دیوان میں نے انہیں سنائے۔ حتیٰ کہ ایک دن انہوں نے کہا تم نے شعر کے ہر دیوان کا حق ادا کر دیا ہے۔ کسی بھی دن میں ان کی صحبت سے محروم نہیں رہا، یہاں تک کہ تقدیر الٰہی ہمارے درمیان حائل ہوگئی۔"

باکمال، لائق اور منفرد شخصیت کے حامل طلبہ اسی طرح اپنے عبقری شخصیات کے مالک اساتذہ کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ صبح سے لے کر شام تک اور کئی کئی سالوں تک۔ پھر وہ صفحہ ہستی پر بڑے بڑے ائمہ بن کر نمودار ہوئے، ان کے جسم تو مر گئے لیکن ان کے ارشادات اور حالات کو حیات جاوداں مل گئی اور ان کا ذکر خیر پھیلی ہوئی عطر کی خوشبو کی طرح قیامت تک باقی رہا۔

ابوالبرکات انباری کی کتاب "نزھۃ الالباء" (ص ۱۲۶) پر اور ابن خلکان کی کتاب "وفیات

تصنیفات

ان کی تصنیفات میں کتاب معانی القرآن، کتاب اللغات، کتاب الامثال، کتاب النوادر الصغیر، کتاب النوادر الکبیر اور معانی الشعر شامل ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ

الاعیان" (۱/۲۰۸) یہ امام ابوزید سعید بن اوس انصاری بصری سن ولادت ۱۱۹ اور سن وفات ۹۶ سال کی عمر میں ۲۱۵۔ یہ لغوی اور ادیب تھے یونس بن حبیب کے شاگرد اور اصمعی کے استاذ تھے۔ ان کا تذکرہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔

ابوعثمان مازنی کہتے ہیں کہ ہم ابوزید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اصمعی آئے۔ انہوں نے جھک کر ابوزید کا بوسہ لیا اور سامنے بیٹھ گئے اور بولے۔

آپ ہمارے تیس سال سے سردار اور استاذ ہیں اور "وفیات الاعیان" میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔

"آپ ہمارے پچاس سال سے استاذ ہیں۔"

شیخ الاسلام ابو علی حسین بن علی جعفی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹ھ تا ۲۰۴ھ)

''ابو علی حسین بن علی جعفی رحمۃ اللہ علیہ'' ان کی ولادت ۱۱۹ھ میں اور وفات ۸۴ سال کی عمر میں ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

ذہبی ''تذکرۃ الحفاظ'' میں اور حافظ ابن حجر ''تہذیب التہذیب'' [1] میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام [2] ابو علی جعفی رحمۃ اللہ علیہ کوفی وہ حافظ مقری زاہد اور امام تھے۔

اساتذہ

حمزہ زیات ابو عمرو بن علاء، اعمش۔ جعفر بن برقان سفیان اور دیگر بہت سے جلیل القدر علماء سے انہوں نے علم حاصل کیا۔

تلامذہ

احمد، اسحاق، یحییٰ، ابن فرات، عبد بن حمید، عباس دوری، محمد بن عاصم اور دیگر حضرات نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

۱۔ ''تذکرۃ الحفاظ'' (۱/۳۴۹)۔ ''تہذیب التہذیب'' (۲/۳۵۸)

۲۔ خلافت عثمانیہ میں اس لفظ کا اطلاق اس عالم پر ہوتا تھا جو دین میں امام ہو اور اسی طرح مسلمانوں کے حاکم کے ہاں اس کا مقام بھی بلند ہو، اس اعتبار سے یہ لقب گویا ایک منصب اور عہدے کے ساتھ خاص ہے لیکن متقدمین کے ہاں اس لقب کا اطلاق ہر اس عالم پر ہوتا تھا جو کتاب و سنت کے علم میں نمایاں حیثیت کا حامل ہو، فضل و صلاح اور رہنمائی میں جس کا کوئی مقام ہو اور علم دین میں وہ لوگوں کا مرجع ہو، محدثین مؤرخین اور رجال و تراجم کی کتابوں میں جب یہ لفظ لکھا جاتا ہے تو وہ اس معنی کے اعتبار سے لکھا جاتا ہے۔

علمی کمال، زہد اور تقویٰ

یحییٰ بن معین وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ محمد بن رافع کہتے ہیں کہ انہیں اہل کوفہ کا راہب کہا جاتا تھا۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ سے کہا گیا کہ حسین آئے ہیں، تو وہ گویا کود کر وہاں پہنچے قریب آکر ان کا ہاتھ چوما[1] اور بولے سب سے بہترین شخص کی تشریف

---

[1] بڑوں کا ہاتھ چومنا جائز اور مشروع ہے اور سلف صالحین کے ہاں اس کا رواج تھا۔ کئی احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اعضاء شریفہ کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے چومنا ثابت ہے جن میں سر مبارک دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں مبارک شامل ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ہمارے شیخ علامہ عبداللہ بن صدیق غماری کا رسالہ "اعلام النبیل بجواز التقبیل" اور حافظ ابوبکر محمد بن ابراہیم ابن المقری کا رسالہ "الرخصة فی تقبیل الید" اور حافظ ابن الاعرابی کا رسالہ "القبل و المعانقة و المصافحة" یہ تمام رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح دیکھئے حافظ ابن حجر کی فتح الباری (۱۱/ ۵۰۔۵۷) کتاب الاستئذان باب الأخذ بالید۔

یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء شریفہ صحابہ کرام یا کبار علماء کے اعضاء کا چومنا جو ثابت ہے یہ کسی خاص مناسبت کی وجہ سے ہوا کرتا تھا، کوئی دائمی اور لازمی عمل نہ تھا کہ جس کو ہر دخول اور خروج کے وقت دہرایا جاتا۔ جن وجوہات سے اس عمل کو دہرایا جاتا تھا ان میں سے چند یہ ہیں کسی کا شکر ادا کرتے وقت تجدید ملاقات کے وقت کسی علمی اور فکری بات کے سیکھنے کے وقت یا اہل صلاح میں سے جب کسی کی کوئی منقبت ظاہر ہوتی تھی۔ تب اس عمل کو دہرایا جاتا، اسی طرح اور بھی وجوہات ہیں جو اس عمل کو باپ اور بیٹے استاذ اور شاگرد نیک و صالح شخص اور اس کے محبت کرنے والے کے درمیان دہرانے کا سبب بنتی تھیں۔ شعر

كأنني إذا أوالي لثم راحته　　　　عجزت عن شكره حتى سددت فمي

جب میں نے اس کی ہتھیلی چومی تو گویا اس کے شکر کی ادائیگی سے عاجز آکر میں نے اپنا منہ بند کر لیا۔ امام ادیب، مختلف فنون کے ماہر شہاب خفاجی اہل فضل کی صلاح اور نجاح کی وجہ سے ان کے ہاتھ چومنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ شعر

آوری ہوئی ہے۔

انہی سفیان بن عیینہ کا کہنا ہے کہ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو کوفہ سے حسین کی پیشانی چومے بغیر لوٹ آئے۔

سفیان ثوری جب حسین کو دیکھتے تو ان سے گلے ملتے تھے۔

یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری کہا کرتے تھے کہ اگر ابدال[1] میں سے کوئی اگر دنیا میں باقی ہے تو وہ حسین جعفی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

حجاج بن حمزہ کا کہنا ہے کہ میں نے حسین کو کبھی ہنستے اور مسکراتے نہیں دیکھا اور نہ میں نے ان سے کبھی کوئی ایسا کلمہ سنا جس سے ان کا دنیا کی طرف میلان ظاہر ہوتا ہو۔

احمد عجلی کہتے ہیں کہ حسین ثقہ تھے ان سے افضل خوبصورت اور عمدہ لباس پہننے والا میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔

حمید بن ربیع خزاز کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے دس ہزار سے زیادہ احادیث لکھیں۔

خطیب بغدادی کی کتاب "تاریخ بغداد"[2] میں وکیع بن جراح کے تذکرہ میں ابراہیم بن شماس کا یہ قول مذکور ہے کہ اگر میں کسی چیز کی آرزو کرتا تو ابن مبارک کی عقل اور تقویٰ کی اور حسین جعفی رحمۃ اللہ علیہ کے صبر کی آرزو کرتا۔ انہوں نے صبر کیا نہ شادی کی اور نہ ہی دنیا کی کسی اور چیز میں رغبت کی۔

قبل يد الخيرة اهل التقى ولا تخف طعن اعاديهم

ريحانة الرحمان عباده وشمها لثم اياديهم

ترجمہ: صلحاء اور اہل تقویٰ کا ہاتھ چوموان کے دشمنوں کی طعن زنی کی پرواہ نہ کرو۔ رحمان کے پھول اس کے عبادت گزار بندے ہیں ان پھولوں کو سونگھنا چاہتے ہو تو ان عبادت گزاروں کے ہاتھ چومو۔

[1] ابدال، بدل کی جمع ہے، سلف کے ہاں یہ عبادت گزاروں کی وہ جماعت ہے جو صلاح، استقامت اور اخلاق عالیہ کی تکمیل میں مشہور ہے۔

[2] ۲۰/۱۳ ۵۰۴

امام اور زاہد حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ تا ۲۲۸ھ)

امام، زاہد، عابد، محدث، فقیہ، علم کا پہاڑ، تقد اپنے زمانے کی لاثانی شخصیت ابونصر بشر بن حارث بن عبدالرحمٰن مروزی بغدادی جو کہ بشر حافی کے نام سے مشہور تھے۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت مرو میں سن ۱۵۰ میں اور وفات ۲۲۸ میں ہوئی۔ بغداد اترے پھر اسی کو وطن بنالیا۔

اساتذہ

اپنے شہر بغداد اور دیگر شہروں میں بہت سے اساتذہ سے حدیث سنی، جن میں حماد بن زید، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، مالک بن انس سے دوران حج اور ابوبکر بن عیاش، فضیل بن عیاض اور دیگر اساتذہ سے حدیث کا سماع کیا۔

تلامذہ

ان سے روایت کرنے والوں میں بڑے بڑے علماء ہیں۔ جن میں امام احمد بن حنبل، ابراہیم حربی، زہیر بن حرب، سری سقطی، عباس بن عبدالعظیم، محمد بن حاتم اور دیگر جلیل القدر حضرات شامل ہیں۔

علمی کمال، زہد و تقویٰ اور عبادت

آپ نے زندگی بھر حدیث سنی اور سنائی، راویوں کی تعدیل و جرح توثیق و تضعیف[1] میں مشغول رہے، آخر میں لوگوں سے کنارہ کش ہو کر عبادت میں مشغول ہو گئے

---

[1] ذہبی کی ''تذکرۃ الحفاظ'' (۲۵۶/۱) میں یزید بن زریع بصری کے تذکرہ میں بشر حافی کا یہ قول مذکور ہے۔ یزید مضبوط علمی شخصیت اور حافظ تھے، ان جیسا میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے زیادہ کسی ورع کا مجھے علم ہے۔

اور حدیث کی مشغولیت ترک کردی۔ زہد عبادت تقویٰ اور ورع میں ایک یادگار بن کر رہ گئے۔ بہت سے ائمہ نے ان کی عبادت، زہد، پھٹے پرانے کپڑے اور تقویٰ کی مدح سرائی کی ہے۔

ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ روٹی کس چیز کے ساتھ کھاتے ہیں تو انہوں نے کہا اللہ کی عطا کردہ عافیت کو یاد کر کے اسی کو سالن بنا لیتا ہوں۔"

۷۷ سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئے...... ... ...

احمد بن دہان کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے تقویٰ سے متعلق کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ استغفر اللہ میں تقویٰ کے متعلق کیسے گفتگو کر سکتا ہوں جب کہ میں بغداد کے غلے سے کھاتا ہوں اگر بشر بن حارث ہوتے تو وہ اس لائق تھے کہ تمہیں جواب دیتے کیونکہ نہ تو وہ بغداد کے غلے سے کھاتے تھے اور نہ ہی عام لوگوں کے کھانے میں سے۔

حسن بن محمد بن امین کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر بشر اور ان کی ہمارے لئے استغفار نہ ہوتی تو ہم بیکار ہوتے۔

حسن بن لیث رازی کہتے ہیں، امام احمد سے کہا گیا کہ بشر بن حارث آپ کی طرف آنا چاہتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ شیخ کو تکلیف نہ دو ہم اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ ہم جائیں۔

ابوبکر مروذی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ کو بشر بن حارث کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ بشر میں ایک انس تھا۔

پھر فرمایا کہ میں کبھی ان سے بات نہیں کر سکا (عبدالفتاح کہتے ہیں کہ) امام احمد کے اس کلام کا معنی یہ ہے کہ وہ بشر سے بات کرنے کے بجائے صرف ان کی صحبت، دیدار اور ان کی مجلس کی خوشبو سونگھنے پر ہی اکتفاء کرتے تھے۔

امام احمد اور بشر حافی ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں شاعر

نے کہا ہے۔

اذا سکتوا رأیت لهم جمالا　　و ان نطقوا سمعت لهم عقولا

ترجمہ: ''خاموشی کے وقت تم ان میں ایک جمال دیکھو گے اور جب وہ گفتگو کریں تو تم عقلمندی کی باتیں سنو گے۔''

امام احمد فرماتے ہیں کہ بشر چونکہ تنہا تھے، ان کی اولاد نہ تھی، اس لئے وہ عبادت، زہد، تقویٰ اور فضائل عالیہ میں اس قدر قوی تھے۔ ورنہ عیال دار اور تنہا مجرد شخص برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر میں ایسا ہوتا تو مجھے بھی اپنے کھانے پینے کی کوئی پرواہ نہ ہوتی، لیکن لوگ اگر شادی کرنا چھوڑ دیں تو دشمن سے دفاع کرنے والا کون ہوگا؟

بچے کا باپ کے سامنے غصے اور رونے کی حالت میں رونی، تکتا کتنے ہی فضائل حاصل کرنے سے بہتر ہے۔

ایسے عیال دار شخص کے ساتھ شادی نہ کرنے والے عبادت گزار کو کیسے جوڑا جا سکتا ہے؟[1]

بشر کی وفات کی خبر سن کر امام احمد نے فرمایا: ایسا شخص ہم سے رخصت ہوا جس کی عامر بن عبد قیس کے علاوہ اس امت میں کوئی نظیر نہ تھی۔ اگر وہ شادی کر لیتے تو کامل اور بعد میں آنے والے لوگوں میں لاثانی ہوتے۔

محمد بن مثنیٰ کہتے ہیں کہ میں امام احمد سے پوچھا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟

انہوں نے پوچھا کون سا شخص؟ میں نے کہا بشر حافی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک ان کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو زمین پر نیزہ گاڑ کر اس کی نوک پر بیٹھ جائے۔ تو کیا اس نے اس میں کسی اور کے لئے بیٹھنے کی کوئی جگہ چھوڑی ہے؟

---

[1] مذکورہ عبارت ابن مفلح کی کتاب ''الآداب الشرعیہ'' (۲/۲۵) اور (۲۵۳-۲۶۰) اور ۲۶۲ سے لی گئی ہے۔

ان پر زہیر بن ابی سلمی کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

سعی بعدھم قوم لکی یدرکوھم   فلم یفعلوا ولم یلاموا ولم یألوا

ان کے بعد کچھ لوگوں نے ان کے مراتب عالیہ کو پانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے، اس ناکامی پر ان کو ملامت نہیں کی گئی اور انہوں نے ان کے مراتب کے پانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی تھی۔

عبدالفتاح کہتے ہیں کہ بشر کے شاگرد امام ابراہیم حربی جو کہ امام احمد کے ہم پلہ تھے۔

اپنے استاذ کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا ہے، میرا خیال نہیں کہ کسی اور عاقل کے بارے میں کہا گیا ہو۔ انہی کا قول ہے کہ بغداد نے بشر حافی سے زیادہ عقلمند اور ان سے زیادہ زبان کی حفاظت کرنے والا کوئی اور نہیں پیدا کیا۔

انہوں نے کبھی کسی مسلمان کی غیبت نہیں کی۔ ان کا بال بال عقلمندی[1] سے معمور تھا۔

ان کی عقل اگر اہل بغداد پر تقسیم کر دی جائے تو وہ سارے عقلمند بن جائیں۔ لیکن ان کی عقل میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ ان کے علم، دینداری اور تقویٰ کی وجہ سے پچاس سال تک لوگ ان کے پیچھے چلتے رہے۔

خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ بشر حافی اپنے معاصرین پر تقویٰ اور زہد میں فائق تھے۔ وفور عقل بہت سے فضائل، اچھی سیرت، مذہب پر استقامت، نفس کی بات نہ ماننے اور لایعنی کاموں سے دور رہنے میں وہ یکتا تھے۔ کثیر الحدیث تھے لیکن روایت کے مسند

---

[1] "تاریخ بغداد" اور "البدایہ والنہایہ" میں یہ عبارت اس طرح ہے، "کان فی کل شعرة منه عقل"۔ رفع کے ساتھ اور خلاصہ "تذھیب الکمال" میں یہ عبارت نصب کے ساتھ ہے "کان فی کل شعرة منه عقلاً"۔ مجازاً دونوں عبارتیں صحیح ہیں۔

نشیں نہ تھے جو کچھ بھی ان سے روایت کے باب میں سنا گیا وہ بطور مذاکرہ کے تھا۔

حافظ دارقطنی فرماتے ہیں کہ بشر بن حارث، زاہد اور علم کے پہاڑ تھے۔ صرف صحیح حدیث روایت کرتے تھے۔ ان کی روایات میں آفت اکثر ان کے اساتذہ سے آئی ہے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ بشر حافی کی جب وفات ہوئی تو بغداد کے تمام لوگ [1]

---

[1] یہاں عربی عبارت میں ہے عن بکرۃ ابیھم۔ یعنی تمام لوگ آئے ایک بھی پیچھے نہ رہا۔ حافظ ابن کثیر کے کلام میں یہ عبارت اس طرح لفظ عن کے ساتھ ہے یہ ایک قدیم عربی ضرب المثل ہے جس کا معنی ہے جاءوا عن آخرھم یہ عبارت اصل میں یوں ہے جاءوا علی بکرۃ ابیھم یعنی کوئی پیچھے نہ رہا سب آئے۔

بھاء الدین عاملی "الکشکول" (۱۵۱/۲) میں اس ضرب المثل کا سبب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جاءوا علی بکرۃ ابیھم عربی میں اس وقت کہا جاتا ہے جب تمام لوگ آئیں اور ایک بھی پیچھے نہ رہے۔ بکرۃ نوجوان اونٹ کو کہتے ہیں۔ اس ضرب المثل کا اصل سبب یہ ہے کہ عرب میں ایک شخص کے دس بیٹے تھے ایک دن وہ شکار کے لئے نکلے تو دشمنوں کی زمین میں داخل ہو گئے۔ دشمنوں نے ان کو قتل کر کے ان کے سروں کو ایک ٹوکری میں رکھ کر اس ٹوکری کو ان کے والد کے اونٹ کے گلے میں لٹکا دیا وہ اونٹ رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد گھر پہنچا۔ ان کا والد گھر سے نکلا تو ٹوکری میں موجود سروں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ وہ شتر مرغ کے انڈے ہیں شاید اس کے بیٹوں نے شتر مرغ شکار کئے ہیں اور یہ ان کے انڈے ہیں لیکن جب اصل حقیقت واضح ہوئی تو لوگوں نے کہا جاء بنو فلان علی بکرۃ ابیھم۔

کتب امثال میں اس ضرب المثل کے اور بھی بہت سے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس مثال کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا۔

زمخشری نے اپنی کتاب "المستقصی فی الامثال" میں اس سبب کی طرف اجمالاً اشارہ کیا۔ لیکن کتب امثال کے دیگر مصنفین نے اس سبب کو بیان نہیں کیا۔

وہ مشہور بات سچ ثابت ہوئی۔ بعض اوقات نہروں میں وہ کچھ مل جاتا ہے جو سمندروں میں نہیں ملتا۔ یہ سب کچھ "کشکول" میں مل گیا لیکن اس موضوع پر جو مستقل کتابیں ہیں ان میں یہ سبب مذکور نہیں ہے۔

ان کے جنازے میں جمع ہو گئے۔ فجر کے بعد ان کا جنازہ اٹھایا گیا لیکن رش کی وجہ سے تدفین عشاء کے بعد ممکن ہو سکی۔ اور وہ دن بھی لمبا اور گرم بھی تھا۔

یحییٰ بن عبدالحمید حمانی کہتے ہیں کہ میں نے ابونصر تمار اور علی بن مدینی کو بشر کے جنازے میں چیختے ہوئے دیکھا وہ کہہ رہے تھے۔ بخدا آخرت کے عزت و اکرام سے پہلے یہ دنیا میں ان کا اکرام ہے۔

ذہبی کہتے ہیں کہ بشر حافی کا جنازہ بہت بڑا تھا۔ ان کا جنازہ گھر سے صبح نکالا گیا اور تدفین اژدھام کی وجہ سے رات کو ہوئی [1]

بشر کے تذکرہ میں میں نے تھوڑی سی طوالت اس لئے کی ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہے کہ بشر حافی ایک صوفی، درویش اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک صالح انسان تھے حالانکہ وہ امت کے بڑے بڑے عقلمند علماء اور صلحاء میں سے ایک تھے [2]

اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمت ہو۔

---

1. سلف میں کسی عالم کے اس قدر بڑے جنازے کو دیکھ کر دیندار لوگ بدعتیوں سے کہا کرتے تھے کہ تمہارے اور ہمارے درمیان جنازے کا دن فیصلہ کرے گا۔ یعنی کسی عالم کے مرنے کا دن اور اس کو رخصت کرنے والے لوگوں کا مجمع یہ بتائے گا کہ کون اہل سنت میں سے ہے اور کون بدعتی ہے؟ بدعتی عالم کو رخصت کرنے سے لوگ پیچھے ہٹیں گے اور دیندار متبع شریعت عالم کو رخصت کرنے میں لوگ جوق در جوق آئیں گے۔ (لیکن ہر دور میں یہ اصول نہیں ہوتا)

2. بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ان کتابوں سے لیا گیا ہے۔ "تاریخ بغداد" مصنفہ خطیب بغدادی (۷/۶۸۔۸۰) وفیات الاعیان مصنفہ ابن خلکان (۱/۹۰) البدایہ والنہایہ (۱۰/۲۹۷) "تہذیب التہذیب" مصنفہ ابن حجر (۱/۴۴۴) "خلاصۃ الخزرجی" (۴۸)

عظیم محدث ھناد بن سری رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۲ھ تا ۲۴۳ھ)

یہ جلیل القدر محدث، کتب ستہ[1] کے مصنفین کے شیخ "ھناد بن سری" ہیں۔ (رحمۃ اللہ علیہ)

ولادت اور وفات

ان کی ولادت سن ۱۵۲ اور وفات سن ۲۴۳ میں ہوئی۔

امام ذہبی "تذکرۃ الحفاظ"[2] میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ عظیم محدث حافظ مقتدا، زاہد، شیخ الکوفہ ابو سری تمیمی داری ہیں۔

اساتذہ

ان کے اساتذہ میں ابو الاحوص سلام، شریک بن عبداللہ، اسماعیل بن عیاش، عبثر ھشیم اور دیگر بہت سے علماء شامل ہیں۔

تلامذہ

ان سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری کے علاوہ ایک بڑی جماعت ہے البتہ امام بخاری نے اپنی کتاب "خلق افعال العباد" میں ان سے روایت کی ہے۔

ابو زرعہ، عبدان، ابو العباس سراج اور بہت سے حضرات ان کے تلامذہ ہیں۔

زہد اور ذوق عبادت

احمد بن سلمہ نیشاپوری کہتے ہیں کہ ھناد راتوں کو بہت زیادہ روتے تھے، ایک دن ہمیں پڑھا کر فارغ ہوئے تو وضو کیا اور مسجد کی طرف چل دیے۔ زوال تک نماز پڑھتے رہے میں بھی ساتھ تھا، پھر وہ گھر گئے وضو کر کے واپس آئے اور ہمارے ساتھ نماز

---

[1] یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ

[2] (۲/۵۰۷)

ظہر ادا کی، پھر کھڑے ہو کر عصر تک نماز پڑھتے رہے، بلند آواز سے قرأت کرتے اور روتے جاتے تھے پھر ہمارے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر قرآن کی تلاوت میں مغرب تک مشغول رہے، میں نے مغرب کی نماز پڑھی تو ان کے ایک پڑوسی سے کہا کہ یہ شخص عبادت پر کس قدر صبر کرنے والا ہے تو اس نے کہا "ستر سال سے ان کی دن کی عبادت کا یہ حال ہے اگر آپ ان کی رات کی عبادت دیکھتے تو پتہ چلتا وہ کیسی ہوتی ہے؟

انہوں نے زندگی بھر شادی نہیں کی اور نہ ہی کبھی کسی لونڈی کے ساتھ شب باشی[1] کی۔

راہب کوفہ کے لقب سے انہیں یاد کیا جاتا تھا۔ ۹۱ سال[2] تک کی عمر میں وفات پائی۔ زہد میں ان کی لکھی ایک بڑی کتاب موجود ہے۔

---

[1] یعنی ان کے پاس شب باشی کے لئے کوئی مملوکہ لونڈی بھی نہ تھی۔

[2] جی ہاں انہوں نے علم اور عبادت کی مشغولیت کی وجہ سے ۹۱ سال بغیر شادی اور لونڈی کے گزارے۔ سبحان اللہ کس قدر ان کے دل میں ان دو چیزوں کی قدر و قیمت تھی؟ اور کس قدر ان کا صبر قوی تھا اور کس قدر وہ سخت جسامت والے تھے۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو۔

امام محمد بن جریر طبری (۲۲۴ھ تا ۳۱۰ھ)

یہ امام مجتہد، محبت، مفسر، محدث، فقیہہ، اصولی، مقری، مورخ، لغوی، نحوی، عروضی، ادیب، عظیم راوی، شاعر، محقق، مدقق، علوم وفضائل کے جامع بہت سی کتابوں کے مصنف، مجتہد مطلق علم ودین، حفظ اور کثرت تالیفات میں دنیا کے اماموں میں سے ایک امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۲۲۴ھ میں اور وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی۔ ان کی شہرت آفاق عالم میں اس طرح پھیلی حتی کہ لفظ "محمد" جب کتب میں حوالے کے لئے لکھا جاتا ہے تو وہی مراد لئے جاتے ہیں۔

علامہ یاقوت حموی کی "معجم الادباء" اور خطیب بغدادی کی "تاریخ بغداد" سے ان کے مراتب عالیہ سے بھرے ہوئے تذکرے میں سے یہاں چند جملے ذکر کرتا ہوں۔[1]

علامہ طبرستان کے شہر "آمل" میں پیدا ہوئے۔

بچپن اور طلب علم میں اسفار

سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور نو سال کی عمر میں حدیث لکھنی شروع کی اور لڑکپن کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی سن ۲۳۶ھ میں بارہ سال کی عمر میں والد سے اجازت لے کر طلب علم میں سفر کے لئے نکل گئے۔

سن ۲۴۱ھ میں امام احمد کی وفات کے بعد بغداد میں قدم رکھا، ان کی امام احمد سے ملاقات نہ ہوسکی۔ علم کی جستجو اور علماء کی ملاقاتوں کے لئے عالم اسلام کے کئی شہروں کا طواف کیا۔ خراسان، عراق، شام، مصر میں گھومتے رہے۔ آخر میں بغداد کو وطن بنا لیا اور

---

[1] "معجم الادباء" (۱۸/۴۰۔۹۴) "تاریخ بغداد" (۲/۱۶۲۔۱۶۹)

وفات تک وہیں مقیم رہے۔ عنفوان شباب میں ہی علم میں امامت کے منصب پر فائز ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایسے امام بن کر صفحۂ ہستی میں نمودار ہوئے جن کا کوئی ثانی نہ تھا، آنے والے ہر زمانے کے لوگوں نے ان کی امامت کی گواہی دی اور ان کی طرف رجوع کیا۔

فضل وکمال

امام حافظ ابوبکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''تاریخ بغداد'' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، علماء کے ائمہ میں سے وہ ایک امام تھے۔ ان کے قول پر فیصلہ کیا جاتا تھا۔ ان کی معرفت اور فضیلت کی وجہ سے ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

ان کی ذات میں وہ علوم جمع تھے جن میں ان کے معاصرین میں سے کوئی بھی ان کا شریک نہ تھا۔ قرآن کے حافظ، مختلف قراتوں کے جاننے والے۔ قرآن کے معانی سے باخبر اور اس کے احکام کے فقیہ۔ اور احادیث اور اس کے مختلف طرق کے بڑے عالم تھے۔ صحیح اور سقیم، ناسخ ومنسوخ تمام احادیث پر ان کی نظر تھی۔ حلال وحرام اور دیگر مسائل و احکام میں صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور بعد والے حضرات کے اقوال ان کی نظر سے اوجھل نہ تھے۔ تاریخ کے ایک بڑے عالم تھے۔

چند تصنیفات

"جامع البیان عن وجوہ تاویل اٰی القرآن" ان کی وہ مشہور تفسیر ہے، جس کے ہم پلہ کوئی اور تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔

"تاریخ الرسل والانبیاء والملوک والامم" ان کی مشہور تاریخ ہے۔ "تھذیب الآثار و تفصیل الثابت عن رسول اللّٰہ من الاخبار" اپنے موضوع پر لاثانی کتاب ہے البتہ اس کتاب کو وہ مکمل نہ کر سکے، فقہ کے اصول وفروع اور فقہاء کے اختیار کردہ اقوال پر ان کی بہت سی تصنیفات ہیں چند مسائل میں وہ منفرد تھے۔

امام ابو حامد احمد بن محمد اسفرائینیؒ[1] کہتے ہیں کہ تفسیر ابن جریر کے حصول میں اگر کسی کو چین جانا پڑے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہوگی۔

امام ابوبکر بن خزیمہ نے ان سے واقف ہونے کے بعد کہا، ان کی زندگی کو میں نے شروع سے آخر تک دیکھا میں نہیں جانتا کہ روئے زمین پر ابن جریر سے کوئی بڑا عالم ہوگا۔

وسعت علم

علی بن عبید اللہ لغوی سمسمی قاضی ابوعمر عبید اللہ بن احمد سمسار اور ابوالقیاس بن عقیل وراق کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابوجعفر طبری نے ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے کہا کیا تم قرآن کی تفسیر کا شوق رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کتنے صفحات کی ہوگی؟ بولے تیس ہزار صفحات کی۔ ساتھیوں نے کہا اس کے مکمل ہونے سے پہلے تو زندگیاں ختم ہو جائیں گی۔ اس پر انہوں نے مختصر کر کے تین ہزار صفحات پر مشتمل سات سالوں میں وہ تفسیر لکھوائی۔ ۸۳ سال کی عمر میں شروع کی اور ۹۰ سال کی عمر میں مکمل کر لی۔

پھر ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ کیا تم آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے زمانے کی تاریخ کا شوق رکھتے ہو؟ ساتھیوں نے کہا کتنے صفحات کی ہوگی وہی تفسیر والا جواب دہرایا۔ ساتھیوں کے سابق اعتراض کے جواب میں بولے۔ انا للہ، ہمتیں مردہ ہوگئی ہیں پھر تفسیر کی طرح تاریخ کو بھی مختصر کیا۔ تاریخ کی تصنیف اور اس کی قرأت سے بروز بدھ ستائیس جمادی الثانی تین سو تین ہجری میں فارغ ہوئے، اپنی تاریخ کو ۳۰۲ کے آخر میں ختم کیا۔

---

[1] اسفرائینی ہمزہ اور راء میں فتحہ اور کسرہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ الف کے بعد یا ہے اس کو ہمزہ سے بدل بھی سکتے ہیں "تاج العروس" (۲۳۵/۹) میں یہ لفظ اسفرائینی الف کے بعد دو یا کے ساتھ مذکور ہے۔

وقت کی قدر و قیمت

خطیب کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو ابن جریر کے بارے میں کہتے ہوئے سنا کہ وہ چالیس سال تک روزانہ چالیس صفحات لکھتے تھے۔ ان کے شاگرد ابو محمد عبداللہ بن احمد بن جعفر فرغانی اپنی مشہور کتاب "الصلہ" جو کہ تاریخ ابن جریر کے ساتھ ملحق ہے۔ اس میں کہتے ہیں کہ ابن جریر کے شاگردوں نے ان کے ہوش سنبھالنے سے لے کر ۸۶ سال کی عمر میں وفات تک دنوں کا حساب لگایا پھر ان ایام پر ان کی تصنیفات کو تقسیم کیا تو معلوم ہوا کہ وہ روزانہ چودہ صفحات لکھتے تھے۔ یہ چیز مخلوق کو صرف خالق کی مہربانی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ ان کے شاگرد ابوبکر بن کامل، احمد بن کامل شجری قاضی کہتے ہیں کہ مجھے ابن جریر نے کہا سات سال کی عمر میں، میں نے قرآن حفظ کیا۔ آٹھ سال کی عمر میں میں نے لوگوں کی امامت کی۔ نو سال کی عمر میں میں نے حدیث لکھنی شروع کی۔

ایک خواب

خواب میں مجھے میرے والد نے دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں، میرے پاس پتھروں سے بھری ایک ٹوکری ہے اور میں ان پتھروں کو آپ ﷺ کے سامنے پھینک رہا ہوں۔ تعبیر بتانے والے نے میرے والد کو بتایا کہ تمہارا بیٹا بڑا ہو کر دین کا خیر خواہ اور آپ ﷺ کی شریعت کا دفاع کرے گا۔ اس لیے بچپن سے ہی میرے والد طلب علم میں میری اعانت پر بے انتہا توجہ دیتے تھے۔

ل رمضان میں نماز تراویح میں اس طرح ہوا کرتا تھا۔ نماز تراویح چونکہ نفل نماز ہے۔ اس لئے مکلف کی اقتداء غیر مکلف کے پیچھے صحیح ہے۔ چھوٹوں کو آگے کرنے میں ایک تو ان کی حوصلہ افزائی ہے۔ دوسرا اس سے لوگوں کے دلوں میں اور چھوٹے بچوں کے دلوں میں قرآن کی عظمت و تکریم پیدا ہوتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ بعض بلاد اسلامیہ میں یہ خصلت رائج رہی ہے۔ اللہ اس مبارک اہتمام کو دوبارہ مساجد میں لوٹا دے تاکہ مسلمانوں کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل خوش ہو جائیں۔

ذوق علم اور بے مثال حافظہ

محمد بن حمید کے پاس ہم حدیث لکھا کرتے تھے۔ رات میں وہ کئی مرتبہ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور ہم نے جو لکھا ہوتا تھا اس کے بارے میں پوچھتے اور پھر خود اس کو پڑھتے۔ رے سے کچھ مسافت پر واقع ایک بستی میں احمد بن حماد دولابی رہتے تھے۔ ان کی مجلس سے فارغ ہو کر ہم ابن حمید کی مجلس کو پانے کے لئے دیوانوں کی طرح دوڑتے تھے۔[1]

کہا جاتا ہے کہ ابن جریر نے ابن حمید سے ایک لاکھ سے زیادہ حدیثیں لکھیں۔ کوفہ کی طرف سفر کیا اور بہت سے محدثین سے حدیثیں لکھیں جن میں ابوکریب محمد بن العلاء ھمدانی بھی ہیں وہ بہت بڑے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ سخت مزاج تھے۔

ابوجعفر کہتے ہیں کہ دیگر طلبہ حدیث کے ساتھ میں بھی ان کے دروازے پر حاضر ہوا، انہوں نے دروازے کی کھڑکی سے جھانکا، باہر طلبہ شور کر رہے تھے اور داخل ہونا چاہتے تھے انہوں نے پوچھا تم نے جو احادیث میرے ہاں لکھی تھیں وہ کس کس کو یاد ہیں؟ تو طلبہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگ گئے پھر طلبہ میری طرف متوجہ ہو کر بولے تم نے جو احادیث لکھی تھیں وہ تمہیں یاد ہیں؟ میں نے کہا ہاں، تو وہ بولے اس کو یاد ہے۔ اس سے پوچھیں تو میں نے کہنا شروع کر دیا، فلاں دن آپ نے ہمیں یہ یہ حدیث سنائی تھی اور فلاں دن یہ یہ ....

ابوجعفر کہتے ہیں کہ میری دھرائی ہوئی حدیثوں میں ابوکریب کا کوئی مسئلہ حل ہو گیا، جس سے میرا مرتبہ ان کے دل میں بڑھ گیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم اندر آجاؤ،

---

[1] محنتی طلبہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ امام ابن جوزی اپنے عمدہ رسالے "لفتة الكبد في نصيحة الولد" جس میں وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں۔ اس میں وہ فرماتے ہیں کہ حدیث سننے کے لئے مشائخ کی طرف دوڑنے کی وجہ سے میرا سانس منقطع ہو جاتا تھا اور یہ دوڑنا اس لیے تھا تاکہ مجھ سے کوئی آگے نہ بڑھ جائے۔

چنانچہ میں داخل ہو گیا۔ ابو کریب ابو جعفر کی عنفوان شباب میں ہی اسقدر قابلیت کو دیکھ کر ان کے مقام کو پہچان گئے اور احادیث سننے کی عام اجازت دے دی۔ بعد میں دوسرے طلبہ ان کی وجہ سے احادیث کا سماع کر لیا کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ابو کریب سے ایک لاکھ سے زیادہ احادیث کا سماع کیا۔

کوفہ سے بغداد کی طرف لوٹے اور وہاں حدیث لکھنا شروع کر دی، ایک عرصہ تک یہیں بغداد میں ہی قیام رہا اسی قیام کے دوران انہوں نے فقہ اور علوم قرآن کی تعلیم حاصل کی۔

شعر و شاعری

انہوں نے شعر و شاعری ثعلب سے سیکھی۔ ابو عمر محمد بن عبدالواحد زاہد کہتے ہیں کہ میں نے ثعلب کو کہتے ہوئے سنا کہ

میرے پاس لوگوں کے جمع ہونے سے بہت پہلے ابو جعفر نے بہت سے شعراء کے اشعار مجھے پڑھ کر سنائے۔

شام اور مصر میں

ابو جعفر اس کے بعد مصر کی طرف نکل گئے۔ راستہ میں شام کے مختلف شہروں، ساحلوں اور سرحدوں پر بہت سے مشائخ سے حدیث لکھی۔ پھر ۲۵۳ میں فسطاط کی طرف کوچ کیا۔ اس شہر میں جو شیوخ اور اہل علم باقی تھے۔ ان سب سے امام مالک شافعی اور ابن وھب کے علوم میں سے خوب لکھا۔

پھر واپس شام کی طرف لوٹے اور وہاں سے ۲۵۶ھ میں مصر کا دوبارہ رخ کیا۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ "میں جب مصر میں داخل ہوا تو اہل علم میں ایک بھی شخص ایسا نہ رہا۔ جس نے مجھ سے ملاقات نہ کی ہو اور اس نے میرا اس علم میں جس میں اس کو تحقیق ہوتی تھی، امتحان نہ لیا ہو۔"

جہالت سے علم تک کا سفر

ایک دن ایک شخص میرے پاس علم عروض کا ایک سوال لے کر آیا۔ اس سے قبل مجھ عروض سے مجھے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا آج میں نے علم عروض کے متعلق گفتگو نہ کرنے کا عزم کیا ہوا ہے، تم کل آجاؤ۔ پھر میں نے اپنے دوست سے خلیل بن احمد کی کتاب ''العروض'' منگوائی۔ وہ لے کر آگیا۔ رات میں نے وہ کتاب دیکھی۔ چنانچہ اس رات تک تو میں علم عروض سے ناواقف تھا اور صبح کو میں علم عروض کا عالم بن گیا تھا۔ (سبحان اللہ)

فقر و فاقہ سے آزمائش

حصول علم میں مختلف شہروں کی خاک چھانتے کے دوران امام طبری کو مختلف مصائب و آلام کا سامنا بھی ہوا، بھوک اور درماندگی نے لاتعداد مرتبہ ان کو چھوا حتی کہ ایک مرتبہ والد کی جانب سے خرچہ بھیجنے میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ان کو اپنی قمیص کے دونوں آستین پھاڑ کر بیچنے پڑے۔ اس قسم کے حالات کا سامنا اکثر ان کو ۲۵۶ھ میں مصر میں ہوا۔

ابو محمد عبدالعزیز بن محمد طبری کہتے ہیں

کہ ابوجعفر کو علم، فضل، حکایت اور قوت یادداشت میں سے جو حظ وافر ملا تھا۔ اس سے ہر وہ شخص واقف ہے جو ان کے نام سے واقف ہے۔ اسلام کے وہ علوم ان کی ذات میں جمع تھے، جو اس امت میں کسی اور کی ذات میں جمع نہیں ہوئے۔ جتنی ان کی تصنیفات کو شہرت ملی، اتنی کسی اور کی تالیفات کو شہرت نہ مل سکی۔ علوم قرآن، علم القرآت، انبیاء، خلفاء، اور بادشاہوں کی تاریخ، فقہاء کے اختلافات اور روایات میں وہ لوگوں کے مرجع تھے۔ جس پر شاہد عدل ان کی تصنیفات البسیط، التہذیب، اور احکام القرآت ہیں۔ ان کتابوں میں وہ روایات اور علماء کے اقوال مشہور سندوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ علم لغت، نحو میں بھی ان کا کمال ظاہر تھا۔ جیسے کہ وہ اپنی کتابیں التفسیر اور التہذیب میں خود اپنا

خاں بیان کرتے ہیں۔ مناظرہ میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہ تھے، ان کی کتابوں میں ذکر کردہ استدلالات پر بعضوں نے اعتراضات کیے۔

امام طبری نے ان کو دیئے گئے جوابات اس دعوے پر گواہ ہیں کہ وہ ایک مناظر بھی تھے۔ جاہلیت اور اسلام کے اشعار ان کو ازبر تھے۔ اس بات سے وہی ناواقف ہوگا جو امام موصوف کے نام سے ناواقف ہو۔ منطق، حساب، جبر ومقابلہ اور دیگر فنون حساب ان کی نظر سے اوجھل نہ تھے۔ وصایا میں ان کی گفتگو بتاتی ہے کہ علم طب میں بھی ان کو حظ وافر نصیب ہوا تھا۔

ان کی کتاب "ادب النفوس الجیدہ والاخلاق النفیسۃ" اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ زہد، تقویٰ، خشوع، امانت، اعمال کی درستگی، صدق نیت اور اعمال کے حقائق جاننے میں وہ کسی سے پیچھے نہ تھے۔ تقویٰ اور اعمال کی درستگی میں وہ شدید احتیاط کرتے تھے۔

قرآن مجید سے شغف

تصنیف وتالیف اور حدیث کے اشتغال کے باوجود قرآن کے ایک حصے کی تلاوت بھی ان کے معمولات میں داخل تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہر رات قرآن کے چوتھائی یا ایک اچھا خاصہ حصہ تلاوت کیا کرتے تھے اور وہ مجود بھی تھے، دور دور سے لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے تاکہ ان کی قرأت اور تجوید سنیں۔ اپنے زمانے کے شیخ القراء ابوبکر بن مجاہد، احمد بن موسیٰ بغدادی کہتے ہیں کہ محراب میں ابوجعفر سے بڑے کسی قاری کی میں نے تلاوت نہیں سنی۔

میرا خیال نہیں تھا کہ اس عمدہ قرأت کرنیوالا انسان بھی اللہ نے پیدا کیا ہوگا

ابو علی طوماری کہتے ہیں کہ ابوبکر بن مجاہد رمضان میں تراویح کے لئے نکلتے تو میں ان کے آگے قندیل لے کر چلتا تھا۔ ایک دفعہ رمضان کے آخری عشرے میں وہ اپنے گھر سے نکلے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا وہ اپنی مسجد کے پاس سے گزرے لیکن اس میں داخل

نہ ہونے پائے۔ جب یہ لوگ شب سوق نخاس کے آخر میں واقع بن حرب کے پھاٹک دروازے پر پہنچے ہوئے تھے۔ وہیں بیٹھ کر سورۂ یٰس کی تلاوت کر رہے تھے۔ کافی دیر تک ان کی تلاوت سنتے رہے پھر واپس مڑے۔ میں نے کہا اے ابو… لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ ان کو چھوڑ کر ان کی تلاوت سننے میں مشغول ہو گئے تو انہوں نے کہا اے ابوعلی اس بات کو چھوڑو۔ میرا خیال نہیں تھا کہ ایسی عمدہ قراءت کرنے والا انسان بھی اللہ نے پیدا کیا ہوگا؟

علم سب کے لئے

ابوجعفر اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ کوئی علمی بات عام طلبہ کو چھوڑ کر کسی ایک کو بتائیں۔ ابوبکر بن مجاہد باوجودیکہ وہ خود ایک بڑے قاری تھے اور ابوجعفر کے ہاں ان کا ایک مقام تھا۔ انہوں نے ابوجعفر سے ورش عن نافع عن یونس بن عبدالاعلیٰ عن ابی جعفر اس سند کی قراءت کا علیحدگی میں سننے کا مطالبہ کیا۔ حالانکہ اس سند کی قراءت سننے کے لئے لوگ خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ لیکن ابوجعفر نے عام مجلس کے علاوہ سنانے سے انکار کر دیا۔ اس بات نے ابوبکر بن مجاہد کے دل کو بہت متاثر کیا۔ ابوجعفر کے سامنے جب کوئی کتاب پڑھی جاتی اور کوئی ایک صاحب علم حاضر نہ ہوتا تو وہ قاری کو پڑھنے سے روک دیتے تھے۔ یہاں تک وہ طالب علم حاضر ہو جاتا۔ ان سے جب کوئی شاگرد یا کوئی اور شخص کوئی سوال کرتا اور پھر غائب ہو جاتا یعنی ان کی مجلس میں حاضر نہ ہوا ہوتا تو وہ اس وقت تک اس کتاب کو نہ پڑھواتے تھے۔ جب تک کہ وہ طالب علم حاضر نہ ہو جاتا۔

زہد و عبادت

دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش تھے۔ خود وہ اس سے آلودہ ہونے سے بچاتے تھے۔ وہ اس قاری کی طرح تھے جو قرآن کے علاوہ کسی اور کو نہ جانتا ہو۔ اس محدث کی طرح جو حدیث کے علاوہ ہر چیز سے ناآشنا ہو۔ اس حساب دان کی طرح تھے جس کو حساب کے علاوہ کسی دوسری چیز سے سروکار نہ ہو۔ وہ عبادات کے عالم اور علوم کے جامع تھے۔

آپ جب ان کی تالیفات کا دوسروں کی تالیفات سے موازنہ کریں گے تو ان کی تالیفات کو دوسروں کی تالیفات سے افضل پائیں گے۔

حسن اخلاق

ابوجعفر ظاہر میں خوش خلق تھے۔ ان کا باطن صاف تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بڑا اچھا رکھ رکھاؤ رکھنے والے انسان تھے۔ ان کے احوال پوچھتے رہتے تھے۔ ہر حال میں وہ مہذب تھے۔ کھانے پینے میں وہ بڑے باذوق تھے اور ساتھیوں کے ساتھ خوش روئی سے پیش آتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات ان سے کوئی ایسا مذاق بھی کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات ان کے سامنے کچھ آ جاتا تو وہ اس میں ایسی گفتگو کرتے جس کا کچھ نہ کچھ تعلق علم فقہ اور مسائل سے ضرور ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ محسوس ہو جاتا تھا کہ وہ بہت ہی باوقار اور بہت اچھے علم والے ہیں۔ جس دن وہ کسی عام دعوت یا ولیمے میں تشریف لے جاتے تو وہ دن ان کی تشریف آوری کی وجہ سے معزز اور قابل تحسین ہوتا تھا۔ بعض اوقات وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحرا کی طرف نکل جاتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کرتے۔

مجلس سے فارغ ہو کر جب وہ گھر میں داخل ہو جاتے تو تصنیف و تالیف میں مشغولیت کی وجہ سے بغیر ضروری کام کے کوئی ان کے گھر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

۱۔ قارئین یہ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے امام طبری کے تذکرہ کو طویل کر دیا ہے اور ان کے اخلاق کا حصہ بہت زیادہ بیان کر دیا ہے۔ یہ میں نے عمداً کیا ہے تاکہ [illegible] امام طبری کے اخلاق عالیہ کا کچھ حصہ ہمارے سامنے آ جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم [illegible] خاص طور پر طالبان علم [illegible] سے مشکل ہی ہوں۔ امام طبری کے یہ اخلاق جو انہوں نے کتاب و سنت اور سلف صالحین کی سیرت سے حاصل کئے تھے، ہم ایسے ہی اخلاق کے محتاج ہیں۔ اسی غرض سے میں نے امام موصوف کے اخلاق حمیدہ کے تذکرہ کو طویل کیا ہے۔ امام طبری کے تذکرہ کو طویل کرنے کی ایک وجہ موصوف کی شخصیت ہے جو اس لائق ہے کہ ان کی مدح سرائی کی حکایت کو دراز کیا جائے۔ ابوالطیب نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا ہے۔

وقد اطال ثنائي طول لابسه ان الثناء على التنبال تنبال

ترجمہ: میری مدح سرائی کا طویل ہونا ان کی قد آوری کی وجہ سے ہے، پست قد کی مدح سرائی بھی پست ہوتی ہے۔

استغناء

ان کی طرف جب کوئی ھدیہ بھیجتا تو اگر اس کا بدلہ دینا ممکن ہوتا۔ تو وہ اس کے ھدیہ کا بدلہ دے کر قبول کر لیتے تھے۔ ورنہ معذرت کے ساتھ واپس کر دیتے تھے۔ سیف الدولہ کے چچا امیر ابوالھیجاء بن حمدان نے ان کی طرف تین ہزار دینار ہدیہ بھیجے تو انہوں نے دیکھ کر بہت تعجب کیا اور پھر فرمایا میں ایسی چیز قبول نہیں کرتا۔ جس کا بدلہ نہ دے سکوں اور اتنی رقم کا میں بدلہ دے بھی کیسے سکتا ہوں۔ ان سے کہا گیا، اس کا ھدیہ دینا ضروری نہیں ہے۔ ھدیہ کرنے والے نے اللہ کے تقرب کی نیت سے بھیجا ہے لیکن پھر بھی قبول نہ کیا اور واپس لوٹا دیا۔ ان کے پڑوسی ابوالحسن محرر نے ان کی طرف دو چوزے ھدیہ بھیجے تو امام نے اس کی طرف ایک کپڑا ھدیہ بھیجا۔ کاتب ابوالفرج اصبہانی جو کہ امام طبری کی کتب ان کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔ اکثر ان کا آنا جانا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ امام طبری کو اپنے چبوترے کے لئے چٹائی کی ضرورت پڑی تو امام ابوالفرج اصبہانی چبوترے کا ناپ لے کر اتنی مقدار کی ایک چٹائی عین موقعہ پر بنا کر لے آئے تا کہ اس کے ذریعے سے امام کی قربت حاصل کر سکیں مگر ان کے جانے کے بعد امام طبری نے ان کے بیٹے کو بلا کر چار دینار دیئے مگر اس نے لینے سے انکار کیا۔ لیکن امام طبری بغیر قیمت ادا کئے چٹائی لینے پر راضی نہ ہوئے۔ ابوبکر بن کامل کہتے ہیں، ابوجعفر ہر اس علم سے بھرے ہوئے تھے، جس کے حصول کا انہوں نے ارادہ کیا۔ وہ موت تک ایسے اخلاق کے قریب نہیں گئے جو اھل علم کے شایان شان نہ ہوں۔ وہ ہر حال میں باوقار رہنے کو ہی پسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ہم سے کہا۔ میں نے کبھی اپنی شلوار نہ حلال پر کھولی اور نہ ہی حرام پر[1]۔

ایک دن کسی شخص نے ان سے نسب کے بارے میں سوال کیا تو جواب میں

---

[1] حافظ ابن حجر کی کتاب "لسان المیزان" (۵/۱۰۲) میں امام طبری کے تذکرہ میں مسلمہ بن قاسم کہتے ہیں۔ محمد بن جریر نکاح سے مستغنی اور عورتوں سے ناواقف تھے۔ بارہ سال کی عمر میں طلب علم کے لئے نکلے۔ پھر موت تک علم کی طلب اور اس کے عشق میں مبتلا رہے۔

انھوں نے فرمایا محمد بن جریر۔ سائل نے کہا مزید آگے نسب بیان کریں تو انھوں نے رؤبہ کا یہ شعر پڑھا:

قد رفع العجاج ذکری فادعنی باسمی اذ الانساب طالت یکفنی

ترجمہ: ''گرد و غبار نے میرا تذکرہ بلند کر دیا ہے۔ مجھے میرے نام سے پکارو۔ طویل نسب جب بیان کیے جائیں تو مجھے میرا نام کافی ہے۔''

وفات کے قریب میں نے حاضر ہو کر یہ درخواست کی کہ آپ اپنے ہر دشمن کو معاف کر دیں۔ یہ درخواست میں نے ابو علی حسن بن حسین صواف کی وجہ سے پیش کی تھی۔ کیونکہ میں نے ان سے قرآن پڑھا تھا تو امام ابن جریر نے کہا۔ میں نے اپنے ہر دشمن کو اور جس نے بھی میرے بارے میں کوئی بات کی ہو، اس کو معاف کر دیا لیکن اس دشمن کو میں معاف نہیں کروں گا جس نے مجھ پر بدعت کا الزام لگایا ہو اور یہ صواف امام ابو جعفر کے ساتھیوں میں سے تھے۔ صحیح تھا لیکن روایات کے ضبط میں کمزور تھے۔ ذیل المذیل کی املاء کے دوران امام ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ کا تذکرہ خوب اچھی تعریف کے ساتھ کیا اور کہا وہ بڑے فقیہ۔ عالم اور متقی شخص تھے۔ امام طبری کی زبان سے امام ابو حنیفہ کی یہ تعریف صواف کو ہضم نہ ہوئی۔ اس وقت سے وہ امام ابن جریر سے علیحدہ ہو گیا اور ان کے بارے میں زبان درازی کرنے لگا۔

حسن ذوق اور نفاست

ابو بکر بن کامل کہتے ہیں کہ مجھے ابو علی محمد بن ادریس جمال جو کہ امام طبری کے ایام بغداد کے شاہد ہیں نے بتایا کہ ہم ایک دن ابو جعفر کے ساتھ ایک ولیمے میں گئے میں ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ گیا یہ جماعت کھانے میں بہترین اور معاشرت میں عمدہ ذوق کی مالک تھی، ابن جریر سے زیادہ عمدہ طریقے سے میں نے کسی اور کو کھاتے نہیں دیکھا، وہ تھال میں ہاتھ ڈالتے اور ایک لقمہ اٹھاتے پھر دوسرا لقمہ جب لیتے تو پہلے اس سے تھال کے ساتھ لگے سالن کو صاف کرتے پھر اس کو کھاتے تو ان کے کھانے کے

دوران تھال ایک ہی جانب سے آلودہ ہوتا تھا۔ لقمہ تناول کرنے سے پہلے وہ بسم اللہ پڑھتے اور بایاں ہاتھ داڑھی پر رکھتے تا کہ آلودہ نہ ہو لقمہ منہ میں جانے کے بعد ہٹاتے مجلس میں نہ وہ کھنکھارتے اور نہ ہی تھوکتے تھے، رومال کا کنارہ پکڑ کر وہ منہ کی دونوں جانب صاف کرتے تھے۔

کاش ہم بھی ان کی طرح ہوتے

ابوبکر بن کامل کہتے ہیں کہ کتنی ہی بار میں نے سوچا کہ میں بھی وہ کروں جو ابن جریر کرتے ہیں لیکن میں ان چیزوں کی عادت نہ ڈال سکا، میں نے انہیں کبھی غلطی کرتے اور قسم کھاتے نہیں سنا اپنے نفس کی وہ خوب نگرانی کیا کرتے تھے۔

گرمیوں میں مکھن، پنیر اور ستو کا حلوہ ان کے دسترخوان پر ہمیشہ دستیاب ہوتا تھا، اس طرح کھڑے پانی میں اگنے والے ریحان اور لینوفر نامی پھول بھی گرمیوں کے موسم میں ان کے دسترخوان سے غائب نہ ہوتے تھے گرمیوں میں کھانے سے فراغت کے بعد وہ چھوٹی آستینوں والی قمیص جس کو صندل نامی خوشبودار لکڑی اور گلاب کے پانی سے رنگا جاتا تھا اس کو پہن کر کتان کے ردی حصے کے تحت دھاگے سے باریک بنے ہوئے کپڑے میں سوجاتے[1]۔

نظام الاوقات

---

[1] اس کپڑے کو عربی میں "خیش" کہتے ہیں ابن جریر اور ان سے قبل خلیفہ منصور کے زمانہ میں اس کپڑے کو مالدار لوگ نیند کے وقت ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے اور گرمی سے بچاؤ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان سے قبل ٹھنڈک حاصل کرنے کے اور بھی وسائل تھے۔ امام طبری اپنی تاریخ "تاریخ الامم والملوک" (۸۲/۸) میں خلیفہ منصور سن ولادت ۹۵ سن وفات ۱۵۸ھ کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ

"علی بن محمد بن سلیمان اپنے والد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ گرمیوں میں شاہان فارس کے سونے کے لئے ان کی گھروں کی چھتوں کو ہر روز لیپا جاتا تھا۔ بانس اور بید کی لکڑی کے لمبے

ان کے روز مرہ کے معمولات کا نظام الاوقات کچھ اس طرح تھا۔ نیند سے بیدار ہو کر گھر میں ظہر کی نماز ادا کرتے ،عصر تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ نماز عصر کے لئے گھر سے نکلتے، پھر مغرب تک پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے۔ مغرب کے بعد عشاء تک فقہ کے درس میں مشغول رہتے۔ درس سے فراغت کے بعد گھر میں داخل ہو جاتے۔ انہوں نے اپنے دن اور رات کو ایسے کاموں میں تقسیم کر رکھا تھا جو ان کی ذات، دین اور عام لوگوں کے لئے نفع بخش ہو۔

ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا حلیہ

ان کا رنگ گندمی، آنکھوں کی پتلیاں بڑی، لاغر جسم اور لانبا قد تھا۔ زبان فصیح اور داڑھی بڑی تھی۔ سفید بالوں کو خضاب نہیں لگاتے تھے۔ ان کی داڑھی اور سر کے بال اکثر کالے تھے۔ استاذ ''کرد علی'' اپنی کتاب ''کنوز الاجداد''[1] میں امام طبری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی افادہ اور استفادہ کے علاوہ

اور سخت گیلے لائے جاتے تھے اور ان کو گھر کے ارد گرد ترتیب سے جوڑ کر ان میں برف کے بڑے بڑے بلاک رکھ دیئے جاتے تھے۔ بنو امیہ بھی اس طرح کرتے تھے۔ مذکورہ بالا خیش نامی کپڑے سب سے پہلے منصور نے بنوائے بعض لوگ کہتے تھے کہ منصور کے لئے بھی ان کی خلافت کے ابتدائی دور میں سونے کے دوران گرمی سے بچنے کے لئے اس کے گھر کی چھت کو لیپا جاتا تھا۔ بعد میں ابو ایوب خوزی نے اس کے لئے موٹے کپڑے بنائے، جن کو تہ کر کے چھت کی لمبی لمبی ٹانگیں جن کے درمیان ٹھنڈی ہوا کے گزرنے کے لئے جگہیں چھوڑی جاتی تھیں۔ ان پر ڈال دیا جاتا تھا جس سے خلیفہ منصور ٹھنڈک حاصل کرتا تھا اور اس نے اس طریقے کو پسند کرتے ہوئے کہا اگر ان کپڑوں کو مزید موٹا کر دیا جائے تو یہ زیادہ پانی برداشت کر کے مزید ٹھنڈک فراہم کریں گے۔ اس کے بعد ان کے لئے مذکورہ بالا خیش نامی کپڑے بنا کر اس کے قبے پر نصب کر دیئے جاتے تھے۔ بعد میں آنے والے خلفاء نے اپنے دروازوں کے آگے سائبان بنا لئے۔ ان کو دیکھ کر عام لوگوں نے بھی انہیں کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

میں ضائع نہیں کیا۔

طلب علم مہد سے لحد تک

معافی بن زکریا ایک با اعتماد شخص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ وہ امام طبری کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے ان کے پاس حاضر تھا۔ ان سے جعفر بن محمد کے حوالہ سے اس [2] دعا کا تذکرہ کیا گیا، تو انہوں نے قلم دوات اور ایک کاغذ مانگا۔ اور وہ دعا فوراً ہی لکھ لی ان سے کہا گیا کہ کیا اس حال میں بھی کتابت علم کی اتنی فکر؟ تو وہ بولے انسان کو چاہیئے کہ مرتے دم تک علم کو لینا نہ چھوڑے۔

میں کہتا ہوں کہ اے ابوجعفر آپ پر اللہ کی رحمت ہو، آپ نے اپنی تمام تر توانائیاں زندگی کے تمام منٹ اور لمحات علم کی خدمت اور اس کی تحصیل اور اس کی نشر و اشاعت میں کھپا دیئے۔ اسی لئے تو آپ اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی امام ہیں۔ آپ پر شاعر کا یہ قول صادق آتا ہے۔

سعدت اعین رأتک و قرّت والعیون اللتی رات من رآکا

ترجمہ: ”تیرا دیدار کرنے والی آنکھیں خوش نصیب اور ٹھنڈی ہوں اور ان آنکھوں کو بھی یہ نعمت ملی جنہوں نے تجھے دیکھنے والوں کا دیدار کیا۔“

وفات

۲۶ شوال ۳۱۰ کو ۸۶ سال کی عمر میں بغیر شادی کئے دنیا سے رخصت ہوئے۔

---

[1] ۱۳۷۰ کی اشاعت اول کے صفحہ نمبر ۱۴۳ پر اور ۱۴۰۳ کی اشاعت دوم کے صفحہ نمبر ۱۱۸ پر۔

[2] اس سے مراد شاید تکلیف دور کرنے کی وہ دعا ہے جو جعفر صادق ؒ کے حوالے سے مشہور ہے۔ ترجمہ: اے اللہ میری حفاظت اس آنکھ سے کیجئے جو سوتی نہیں ہے، دیکھئے اس دعا کو سخاوی کی القول البدیع ص ۳۴۴ پر

اولاد نرینہ نہیں تھی اور نہ اپنے بعد کوئی اولاد چھوڑ کر گئے جو رہتی دنیا تک نا قابل فراموش رہتی۔ ان کی لاتعداد نادر تالیفات ہی ان کی قربانیوں اور ذکر خیر کرنے والی اولاد ہے جو کہ یہ تصنیفات اولاد سے زیادہ لمبے عرصے تک ان کا ذکر خیر کرتی رہیں گی۔ امام جوزی نے سچ کہا عالم کی کتاب ہی ہمیشہ باقی رہنے والی اولاد ہے۔[1]

جنازہ

ابوبکر خطیب کہتے ہیں کہ ان کی وفات کا کسی کو نہیں بتایا گیا۔ پھر بھی ان کے جنازہ میں لوگوں کی اتنی تعداد تھی۔ جس کو اللہ ہی شمار کر سکتا ہے کئی ماہ تک ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی۔

تعزیت

اہل دین وادب میں سے بہت سے لوگوں نے ان کے مرثیے لکھے، امام ادیب

---

[1] خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ تصنیف و تالیف یادداشت کو برقرار رکھتی ہے، دل کو روشن اور طبیعت کو تیز کرتی ہے۔ بیان میں عمدگی اور مصنف کے لئے ذکر خیر کا سبب ہوتی ہے۔ باعث اجر و ثواب اور مصنف کو رہتی دنیا تک دوام بخشتی ہے۔ ماخوذ از "تذکرۃ السامع والمتکلم" مصنفہ ابن جماعہ ص ۳۰

راعی اندلسی کی کتاب "انتصار لعقبر السالک" (ص ۱۹۴) پر کتاب "التحفہ" کے حوالے سے مذکور ہے کہ نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے ابن مبارک کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے کسی اور شخص کو اتنا عالی مقام نہیں پایا جتنا مالک بن انس کو پایا، ان کے پاس کوئی بہت زیادہ نفلی نمازیں اور روزے نہ تھے الا یہ کہ ان کا اللہ کے ہاں کوئی راز ہو۔

راعی اندلسی کہتے ہیں کہ امام مالک نے اپنی زندگی شریعت کے علوم کی نشر و اشاعت اور اس پر عمل کرنے میں گزار دی اور یہ ان کے حق میں بہت سی نفلی نمازوں اور روزوں سے افضل تھا اگر وہ نفلی نمازوں اور روزوں میں زندگی گزارتے تو مرنے کے بعد ان کا ذکر خیر باقی نہ رہتا لیکن علم کی موت سے فنا نہیں ہوا۔

لغوی ابوبکر بن درید محمد بن حسن بصری نے ان کے مرثیے میں ۱۳۵ اشعار کا ایک دردناک قصیدہ لکھا ہے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد[1] میں اس کو مکمل ذکر کیا ہے۔

اسی طرح حافظ ذہبی نے ''تذکرۃ الحفاظ''[2] میں ان کے تذکرے میں اس قصیدے کا ذکر کیا ہے۔ یہ قصیدہ خوشگوار عمدہ سچے اور بہترین اشعار پر مشتمل ہے۔ اس قصیدے میں امام ابن جریر کے اخلاق اور فضائل کو بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

ان کی سوانح عمری پر کتابیں

علماء کی ایک جماعت نے ان کی سوانح عمریاں لکھی ہیں جن میں ان کے شاگرد ابوبکر بن کامل اور عبدالعزیز بن طبری شامل ہیں۔ یاقوت حموی نے ''معجم الادباء''[3] میں امام طبری کے تذکرے کا اکثر حصہ جیسا کہ خود انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا، انہی دونوں کتابوں سے لیا ہے۔ وزیر جمال الدین علی بن یوسف قفطی حلبی (سن وفات ۶۴۶ھ) نے بھی ان کی سوانح حیات ''التحبیر فی اخبار محمد بن جریر'' کے نام سے لکھی ہے جس کا وہ اپنی کتاب ''انباہ الرواۃ''[4] میں ابن جریر کے تذکرے میں ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ یہ ایک مفید کتاب ہے۔

---

۱ (۱۶۹_۱۶۷/۲)

۲ (۷۱۵/۲)

۳ (۹۳/۲۸)

۴ (۹۰/۳)

امام ابن جریر کے مرثیے میں امام ابن درید[1] کا قصیدہ

لن تستطیع لأمر اللّٰہ تعقیبا	فاستنجد الصبر أو استشعر الحوبا[2]
و افزع الی کنف التسلیم وارض بما	قضی المھیمن مکروھا و محبوبا
إن العزاء إذا عزتہ جائحۃ	ذلت عریکتہ فانقاد مجنوبا[3]
فإن قرنت الیہ العزم ایدہ	حتی یعود لدیہ الحزن مغلوبا
فارم الأسی تطفی مواقعھا	جمرا خلال ضلوع الصدر مشبوبا[4]
من صاحب الدھر یعدم مجلجلۃ	یضل منھا طوال العیش منکوبا
ان البلیۃ[5] لاوفر تزعزعہ	أیدی الحوادث تشتیتا و تشذیبا
ولا تفرّق ألاف یفوت بھم	بین یغادر حبل الوصل مقضوبا[6]
لکن فقدان من أضحی بمصرعہ	نور الھدی و بھاء العلم مسلوبا

---

[1] یہ ابوبکر محمد بن حسن بن درید قحطان کے قبیلہ عمان کے ازدی ہیں۔ ۲۲۳ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۱ھ میں ۹۸ سال کی عمر میں بغداد میں وفات پائی۔ لغت اور ادب کے ایک امام تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ علماء میں سب سے بڑا شاعر اور شاعروں میں سب سے زیادہ شعر و شاعری سے واقف تھے۔ ان کی وفات پر کہا گیا کہ آج علم لغت کا انتقال ہو گیا اور ان کے والد مالداروں میں سے ایک رئیس تھے۔ اپنے طبقہ کے علماء لغت کے وہ سرخیل تھے اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ اور علم میں سب سے زیادہ وسیع النظر تھے۔ ۶۰ سال تک وہ علم کی مسند صدارت پر جلوہ فگن رہے۔

[2] حوب کے معنی پریشانی۔ استشعرہ یعنی اس نے اس کو پہن لیا اور وہ ہمیشہ اس پر قائم رہا۔

[3] عزاء بمعنی صبر۔ جائحۃ بمعنی مصیبت۔ عزتہ وہ اس پر غالب آ گئی۔ المجنوب کا معنی ہے نرم۔

[4] أسی ھمزہ کے فتحہ کے ساتھ بمعنی غم اور اسی ھمزہ کے ضمہ کے ساتھ اسوہ کی جمع ہے اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ غمگین شخص غمخواری اور صبر حاصل کرے عربی میں کہا جاتا ہے "ان الأسی تدفع الأسی" یعنی غمخواری اور صبر غم کو دور کرتا ہے۔ دیکھئے زمخشری کی "اساس البلاغہ"۔ المجلجلۃ سے مراد وہ ہولناک مصیبت ہے کیونکہ وہ بھی اپنی شدت کی وجہ سے گرجتے بادل کی طرح گرجتی ہے۔

[5] الوفر بمعنی بہت زیادہ اور وسیع مال۔ تزعزعہ اس نے اس کو جدا کر دیا۔

[6] مقضوب بمعنی کٹا ہوا۔

ترجمہ: (۱) اللہ کے حکم کو تم ہرگز نہیں ٹال سکتے بس اب صبر کر دیا پریشانی وغم کا لباس اوڑھے رہو۔

(۲) رضائے الٰہی کی آغوش میں پناہ لو تمہاں نے جو پسندیدہ یا ناپسندیدہ فیصلہ کر دیا اس پر راضی ہو

(۳) بے شک صبر پر جب مصیبت کی سختی غالب آجائے تو اس صبر کی قوت کمزور اور وہ نرم پڑ جاتا ہے۔

(۴) لیکن اگر آپ اس صبر کے ساتھ مضبوط ارادے کو ملا دیں تو وہ ارادہ اس صبر کو قوت بخشے گا یہاں تک غم و پریشانی اس کے سامنے مغلوب ہو کر لوٹے گی۔

(۵) غم کو غمخواری اور صبر کے ساتھ دفع کر دو گے تو جہاں جہاں وہ پڑے گی سینے کی کی پسلیوں میں جلنے والے انگاروں کو بجھا جائے گی۔

(۶) زمانے کا ساتھی غمناک مصیبتوں سے بچ نہیں سکتا زندگی بھر وہ مصیبت زدہ رہتا ہے۔

(۷) مصیبت کوئی مال کا ڈھیر نہیں ہے کہ جس کو حوادثات کے ہاتھ ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیں۔

(۸) اور نہ ہی مصیبت ان دوستوں کی ایسی جدائی ہے کہ جن کے جانے سے تعلق ختم ہو جاتا ہے لیکن وہ جدائی اپنے پیچھے تعلق کی ٹوٹی رسی چھوڑ جاتی ہے۔

(۹) لیکن ایسے شخص کی جدائی جو اپنی محنت اور لگن کی وجہ سے ہدایت کا نور اور علم کی زینت تھا اور اس راستے میں اس سے ہر چیز چھین لی گئی تھی بہت بڑی مصیبت ہے۔

أودى أبو جعفر والعلم فاصطحبا   أعظم بذا صاحباً إذ ذاك مصحوباً[1]

ان المنية لم تتلف به رجلاً   بل أتلفت علماً للدين منصوباً

---

[1] أودی بمعنی وہ مر گیا۔

أهدى الوّدى للثرى إذ نال مهجته — نجمًا على من يعدى الحق مصدبا

كان الزمان به تصفو مشاربه — فالآن أصبح بالتكدير مقطوبا [١]

كلا و ايامه الغرّ التى جعلت — للعلم نورا و للتقوى محاريبا

لا يبصرى الدهر عن شبه له أبدًا — ما استوقف الحجّ بالانصاب اركوبا [٢]

أو فى بعهدٍ واورى عند مظلمة — زندًا و آكد ابراما و تاديبا

منه وارصن حلما عند مزعجةٍ — تغادر القلبى اللّهن منخوبا [٣]

إذا انتضى الرأى فى ايضاح مشكلةٍ — أعاد منهجها المطموس ملحوبا [٤]

لا يعزب الحلم فى عتب و فى نزق — ولا يجرع ذا الزلّات تثريبا [٥]

لا يولج اللغو والعوراء مسمعه — ولا يقارف ما يغشيه تانيبا [٦]

ان قال قاد زمام الصدق منطقه — أو آثر الصمت أولى النفس تهييبا

لقلبه ناظرا تقوى سمابهما — فأيقظ الفكر ترغيبا و ترهيبا

تجلو مواعظه رين القلوب كما — يجلو ضياءُ سَنَا الصبح الغياهيبا [٧]

سيّان ظاهره البادى و باطنه — فلا تراه على العلات محجوبا [٨]

---

١ مقطوبا بمعنی ملا ہوا۔

٢ لا یبصری الدهر یعنی زمانہ ان کی شبیہ کی رونمائی نہ کر سکے گا۔ ارکوب اور رکب دونوں کا معنی قافلہ لیکن ارکوب میں تعداد زیادہ ہوتی ہے اور رکب دس یا اس سے کچھ زیادہ افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔

٣ القلبی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی ذہانت اور ذکاوت سے مشکل معاملات کو سمجھائے۔ المنخوب مشکل معاملات کے حل میں جو عاجز ہو۔

٤ انتضی الرأی یعنی اس نے رائے کا اظہار کیا۔ ملحوبا کا معنی ہے واضح اور روشن

٥ تثریبا کا معنی ہے ملامت کرنا اور کسی کی لغزش پر اس کو عار دلانا۔

٦ تانیبا یعنی مصیبتوں کے وقت وہ تنگ دل ہونے کے بجائے مضبوط رہتے تھے۔

٧ الغیاهیب غیہب کی جمع ہے بمعنی اندھیرا

٨ محجوبا کے معنی ہے مہمان نوازی سے خالی ہاتھ ہونا۔

لا یأمن العجز والتقصیر مادحه ولا یخاف علی الإطناب تکذیبا
وکان بقاع بلاد اللّٰه لو جعلت قبراً له فحباها جسمه طیبا
کانت حیاتک للدنیا وساکنها نوراً فأصبح عنها النور محجوبا

ترجمہ:

(۱) ابوجعفر دنیا سے چلے گئے اور علم بھی ان کا ہمسفر ہو گیا۔ اس ساتھی کو جب اس کی ہمراہی میسر آئی تو اس کا مرتبہ بلند ہو گیا۔

(۲) موت اس حادثے میں ایک شخص کو نہیں لے گئی بلکہ اس نے دین کے ایک ہراتے ہوئے جھنڈے کو اکھیڑ دیا۔

(۳) زمین نے جب ان کو اپنی آغوش میں لیا تو تباہی نے حق کے دشمن کے خلاف اس کو برستا ہوا ایک ستارہ دیا۔

(۴) گویا کہ زمانہ کے خیالات انہی کے وجود سے صاف و شفاف تھے اب تو اس میں آلودگیاں مل گئی ہیں۔

(۵) ان کے ان تابناک دنوں کی طرف نظر دوڑاؤ جو علم کے لئے نور اور تقویٰ کے محراب تھے۔

(۶) جب تک حج کے لئے قافلے کعبہ کے اردگرد کھڑے رہیں گے اس وقت تک زمانہ ان کی شبیہ نہیں دے سکتا۔

(۷) وعدہ نبھایا اور اندھیروں میں چقماق جلایا اور اس وعدے کو مضبوط کیا اور سنوارا۔

(۸) بردباری کی تکمیل ان کے ہاتھوں ایسی بے راہ روی کے دور میں ہوئی جو ہوشیار ذہن کے مالک کو تنہا کر کے چھوڑ دے۔

(۹) کسی مشکل کے حل میں وہ ایسی رائے دیتے تھے جس سے اس کا مٹا ہوا راستہ واضح ہو جاتا تھا۔

(۱۰) ان کے ساتھ جب کوئی غصے اور حماقت کے ساتھ پیش آتا تو بردباری کا دامن ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹتا اور نہ ہی وہ لغزش والے کو ملامت کے گھونٹ پلاتے۔

(۱۱) بے ہودہ اور ناشائستہ باتیں ان کے کان میں نہ پڑتی تھیں اور مصیبتوں کے وقت تنگ دلی کو وہ اپنے قریب نہ آنے دیتے تھے۔

(۱۲) اگر بات کرتے تو ان کی گفتگو سچ کی قیادت کرتی اور خاموش رہنے سے وہ رعب دار دکھائی دیتے تھے۔

(۱۳) ان کا دل تقویٰ کی وہ دو آنکھیں تھیں جن کے ذریعے وہ بلند ہوئے اور لوگوں کی فکر کو خوشخبری سنا کر اور ڈرا کر جگا دیا۔

(۱۴) ان کے مواعظ دلوں کے زنگ ایسے ہی دور کرتے تھے جیسے صبح کی روشنی رات کے اندھیروں کو ختم کرتی ہے۔

(۱۵) ظاہر اور باطن ان کا برابر تھا۔ پریشانیوں میں تم ان کو خالی ہاتھ پاؤ گے۔

(۱۶) ان کی مدح سرائی کرنے والا عاجزی اور کوتاہی سے بچ نہیں سکتا اور ان کے تذکرے کو طویل کرنے والا جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

(۱۷) اللہ کے شہروں کی زمین یہ آرزو رکھتی تھیں کہ ان کو ان کی قبر بنا دیا جائے تاکہ وہ ان کے جسم کی عطر بیزی سے مستفید ہو سکیں۔

(۱۸) ابوجعفر آپ کی زندگی دنیا اور اس میں رہنے والوں کے لئے ایک نور تھا جو آپ کے رخصت ہو جانے کے بعد پردے میں چلا گیا۔

لو تعلم الارض ماوارت لقد خشعت أقطارها لك إجلالا و ترحيبا

كنت المقوّم من زيغ و من ظلع وفّاك نصحا و تسديدًا و تأديبا[۱]

و كنت جامع أخلاق مطهرة مهذبا من قراف الجهل تهذيبا[۲]

---

۱ ظلع لام کے فتحہ کے ساتھ بمعنی حق سے کنارہ کشی۔ وفاک نصحا کا معنی ہے اللہ نے آپ کو خیر خواہی سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

۲ قراف الجھل کا معنی ہے جہالت کی قربت۔

فإن تنلك من الأقدار طالبة — لم يثنها العجز عما عز مطلوبا
فإن للموت وردا ممقرا فظعا — على كراهته لا بد مشروبا ؎۳
إن يندبوك فقد ثلت عروشهم — وأصبح العلم مرثيا و مندوبا ؎۴
و من أعاجيب ما جاء الزمان به — و قد يبين لنا الدهر الاعاجيبا
أن قد طوتك غموض الارض في لحف — و كنت تملأ منها السهل و اللوبا ؎۵

ترجمہ:

(۱۹) زمین اگر اس کی قدر جان لے جس کو اس نے اپنی آغوش میں لیا ہے تو اس کے اطراف اے ابوجعفر آپ کی تعظیم اور ترحیب میں جھک جائیں۔

(۲۰) آپ کج روی اور حق سے کنارہ کشی کرنے والوں کو سیدھا راستہ دکھانے والے تھے۔ اللہ نے آپ کو خیر خواہی رائے کی درستی اور ادب سکھانے سے وافر حصہ عطا کیا تھا۔

(۲۱) پاکیزہ اخلاق کے آپ جامع تھے اور جہالت کی قربت سے کوسوں دور تھے۔

(۲۲) تقدیر الٰہی نے اگر آپ کو لیا ہے اور عاجزی نے اس کو اس سے نہیں موڑا جو لوگوں میں نایاب تھا تو یہ اس لئے کہ۔

(۲۳) موت کی تلخ اور دردناک آمد یقینی ہے۔ ناپسندیدگی کے باوجود اس کا جام پینا ضروری ہے۔

؎۳ ممقرا: شدید کڑوا۔

؎۴ ثلت کے معنی منہدم ہوگئی۔ عروش، عرش کی جمع ہے یہاں پر اس سے مراد علم کے ارکان ہیں۔ یندبوک میں ضمیر علماء کی طرف راجع ہے جو کہ سیاق کلام سے جن کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

؎۵ غموض الارض جمع غمض کی ہے بمعنی ہموار زمین۔ لحف کسرہ لام اور فتح حاء کے ساتھ لحف کسرہ لام اور ضم حاء کے ساتھ کی جمع ہے بمعنی دامن کوہ "معجم وسیط" میں اس لفظ کو کسرہ لام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو کہ غلط ہے کسرہ لام کے ساتھ قاموس اور اس کی شرح میں ہے یہی صحیح ہے۔ اللوب ضمہ لام کے ساتھ بمعنی سخت۔

(۴۴) علماء اگر آپ کے رخصت ہونے پر روئیں تو بجا ہے کیونکہ ان کے عرش منہدم ہو چکے ہیں اور علم لائق تعزیت اور قابل رحم ہو گیا۔

(۴۵) عجائبات زمانہ میں سے ایک یہ بھی ہے اور زمانہ اپنے عجائبات اکثر ہمارے سامنے لاتا رہتا ہے۔

(۴۶) کہ اس نے زمین کی ہموار جگہوں کو آپ کے لئے ایک دامن کو میں سمیٹ دیا تو آپ اس سے آسان اور مشکل باتوں کو اپنے دامن میں سمیٹتے رہے۔

امام درید کا ابن جریر کی تعزیت میں کہا ہوا قصیدہ مکمل ہوا۔

امام جریر کے بارے میں جو باتیں میں نے گذشتہ صفحات میں عرض کیں وہ اس قصیدے کی مصداق ہیں تدوین علم اور اس کی کتابت میں خود کو کھپانے کی وجہ سے وہ علامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل خولانی نحوی (سن وفات ۳۲۶ھ) کے اس شعر کے مصداق تھے جو انہوں نے اپنے شیخ، مصر کے مؤرخ اور محدث ابوسعید عبدالرحمان بن احمد بن یونس مصری سن ولادت ۲۸۱ سن وفات ۳۴۸ھ کے مرثیے میں کہا، شعر

ما زلت تلهج بالتاريخ تكتبه   حتى رأيناك في التاريخ مكتوبا

آپ ہمیشہ تاریخ کی آشفتہ سری اور اس کو زیب قرطاس کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے آپ کو بھی تاریخ میں مکتوب پایا۔

دیکھئے "وفیات الاعیان" مصنفہ ابن خلکان تذکرہ ابوسعید عبدالرحمٰن۔

علامہ عبدالرحمان کا وہ قصیدہ جس سے اس شعر کو لیا گیا اپنی عمدگی ابن درید کے قصیدے سے مشابہت اور قاری کی دلچسپی کے لئے اس کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے لیکن ابن درید کا قصیدہ زیادہ بلیغ ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل کا قصیدہ

بثثت علمک تشریقا و تغریبا — وعدت بعد لذیذا لعیش مندوبا
ابا سعید وما نالوک أن نشرت — عنک الدواوین تصدیقا و تصویبا
مازلت تلهج بالتاریخ تکتبه — حتی رأیناک فی التاریخ مکتوبا
أرّخت موتک فی ذکری و فی صحفی — لمن یُؤرّخنی إذ کنت منسوبا
نشرت عن محر من سکانها علما — مبجلا بجمال القوم منصوبا
کشفت عن فخرهم للناس ما سجمت — ورق الحمام علی الاغصان تطریبا
اعربت عن عرب، نقبت عن نخب — سارت مناقبهم فی الناس تنقیبا
أنشرت میتهم حبا بنسبته — حتی کأن لم یمت إذ کان منسوبا
إن المکارم للاحسان موجبة — و فیک قد رکبت یا عبد ترکیبا
حجبت عنا وما الدنیا بمظهرة — شخصا وإن جلّ الآعاد محجوبا
کذلک الموت لایبقی علی احد — مدی اللیالی. من الأحباب محبوبا

ترجمہ:

(۱) اپنے علم کو آپ نے مشرق و مغرب میں پھیلایا، عمدہ زندگی گزارنے کے بعد آپ لائق تعزیت ہو گئے۔

(۲) ابوسعید لوگ اگر آپ کے بارے میں تصدیق وتصویب کے لئے بہت سے دیوان بھی شائع کریں تب بھی وہ آپ کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

(۳) آپ ہمیشہ تاریخ کی آشفتہ سری اور اس کو زیب قرطاس کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے آپ کو بھی تاریخ میں مکتوب پایا۔

(۴) آپ کا سانحہ ارتحال میں نے اپنی یادداشت اور صحیفے میں نوٹ کر لیا ہے۔ اس شخص کے لئے جو میرے باحیثیت ہونے کے بعد میری تذکرہ نویسی کرے گا۔

(۵) مصر اور اس کے رہنے والوں کی طرف سے آپ نے قوم کی عزت کا جھنڈا

اطراف عالم میں لہرا دیا۔

(۶) اہل مصر کے فخر کو آپ نے لوگوں کے سامنے ایسے بیان کیا جیسے کبوتر کے بچے ٹہنیوں پر جھوم کر نغمہ سرائی کرتے ہیں۔

(۷) عرب کے شرف کو آپ نے آشکارا کیا اور ان کی خصوصیات کا آپ نے سراغ لگایا حتی کہ ان کی خصوصیات لوگوں میں سراغ لگاتے لگاتے پھیل گئیں۔

(۸) ان کی نسبت عالی سے محبت کی بنا پر آپ نے ان کے مردہ جسم کو حیات نو بخشی۔

(۹) باحیثیت ہونے کے بعد وہ ایسے ہو گئے جیسا کہ ان پر کبھی موت چھائی ہی نہیں، بلند اخلاق باعث خیر خواہی ہوتے ہیں آپ میں تو اے عبدالرحمن ان کو جوڑ دیا گیا تھا۔

(۱۰) ہماری نظروں سے آپ اوجھل ہو گئے اور دنیا تو ہر شخص کو چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو نمودار ہونے کے بعد نظروں سے اوجھل کر ہی دیتی ہے۔

(۱۱) اس طرح موت رہتی دنیا تک دوستوں میں سے کسی کے لئے کسی محبوب دوست کو باقی نہیں رکھتی۔

امام ابوبکر بن انباری رحمۃ اللہ علیہ (۲۷۱ھ تا ۳۲۸ھ)

یہ ایک بڑے نحوی، مفسر، ادیب، ایک عظیم راوی، یادداشت کے سمندر، عالم ابن عالم امام ابوبکر محمد بن قاسم بن محمد انباری بغدادی ہیں۔

ولادت اور وفات

آپ کی ولادت سن ۲۷۱ھ میں اور وفات سن ۳۲۸ھ میں ہوئی۔

زہد، تقویٰ اور وسعت علم

اپنی یادداشت کو برقرار رکھنے کے لئے وہ ساری زندگی عمدہ کھانوں سے دور رہے حالانکہ وہ عمدہ کھانے بادشاہوں کے دسترخوانوں پر ان کے سامنے پیش کیے جاتے تھے۔ علم کی مشغولیت کی وجہ سے وہ عورتوں سے کنارہ کش رہے حالانکہ ایک خوبصورت اور حلال عورت ان کے گھر میں آئی تھی۔

اپنی یادداشت، علم، عورتوں سے لاتعلقی، اور زہد میں وہ ایک عجوبہ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی کوئی نسل اور اولاد نہ تھی سوائے پچاس ہزار صفحات پر مشتمل تیس تصنیفات کے۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے ان کے دل میں علم کی کیا وقعت تھی؟ لیجئے ان کا کچھ تذکرہ پیش خدمت ہے۔

خطیب کی "تاریخ بغداد" قفطی کی "انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ" ابن خلکان کی "وفیات الاعیان" اور ذہبی کی "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے۔[1]

---

[1] "تاریخ بغداد" (۳/۱۸۱-۱۸۶) "انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ" (۳/۲۰۲-۲۰۷) وفیات الاعیان (۱/۵۰۳)، تذکرۃ الحفاظ (۳/۵۰۳)

وسعت علم اور بے نظیر حافظہ

حافظ علامہ شیخ الادب اپنی سند سے بیان کرنے اور اپنی یادداشت سے لکھوانے والے عالم، جو قوت یادداشت میں یکتائے زمانہ، صدق دینداری، زہد اور تواضع کے پیکر، نحو اور ادب کے سب سے بڑے عالم اور اس کو سب سے زیادہ یاد رکھنے والے اپنے زمانے کے ایک امام تھے۔ ایک دنیا ان کی استاذ بھی اور واسطے ہی ان کے شاگرد تھے۔ اہل سنت میں سے تھے اور سچے، فاضل، دیندار اور پسندیدہ شخص تھے۔ علوم قرآن، حدیث کے مشکل اور غریب الفاظ کے حل اور وقف و ابتداء کے بارے میں انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

مشہور ہے کہ قرآن کی تفسیر میں بطور شاہد کے ان کو تین لاکھ سے زیادہ اشعار یاد تھے۔ وہ اپنی یادداشت سے لکھواتے تھے۔ لغت، نحو، تفسیر اور شعر میں جو بھی ان کی تصنیف یا اقوال ملتے ہیں وہ سب انہوں نے اپنے حافظے سے لکھوائے ہیں۔ کتاب سے دیکھ کر انہوں نے کبھی بھی نہیں لکھوایا۔

ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو ان کے ساتھی ان کی عیادت کے لئے آئے، ان کے والد کو دیکھا کہ وہ ان پر پریشان اور غمگین بیٹھے ہیں۔ ساتھیوں نے ان کے والد کو دلاسہ دیا اور عافیت کی امید دلائی تو وہ بولے۔ اس شخص کی بیماری سے میں غمگین کیوں نہ ہوں جس کو یہ سب کچھ یاد ہے اور اشارہ قریب پڑے بہت بڑے خیری[1] مٹکے کی طرف کیا .....

[1] خیری: یہ لفظ حب بمعنی بہت بڑا مٹکا جو کہ عبارت میں مذکور ہے۔
اس کی صفت ہے خیری کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو کوفہ سے تین میل کی مسافت پر واقع عراق کے شہر حیرہ میں تیار کیا جاتا تھا۔ یہ شہر اس صنعت میں قدیم زمانہ سے مشہور تھا اور یہ شہر شاہان عرب کا مسکن تھا۔ مختلف ثقافتیں اس شہر میں جمتی تھیں۔ اس شہر نے زمانہ جاہلیت اور بعد کے زمانہ کی مختلف ایجادات میں بہت ترقی کی ان ایجادات میں سے پانی اور شراب کے مٹکے اس شہر میں خوب چلے۔ اس لئے ان مٹکوں کو حب خیری کہا جانے لگا۔ اور کبھی کبھی خلاف قیاس حب حاری

لغت، نحو، شعر اور تفسیر کے وہ سب سے بڑے حافظ تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کو ۱۲۰ تفسیریں سندوں کے ساتھ یاد تھیں ان کے شاگرد ابوالعباس بن یونس کہتے ہیں کہ ابوبکر بن

بقیہ حاشیہ --

بھی کہہ دیتے ہیں۔ پھر جب یہ لفظ مشہور ہو گیا تو اس کی صفت حذف کر دی گئی اور حیری و حاری کہا جانے لگا اور یہ حب قلہ اور دن دونوں سے بڑا ہوتا ہے اور قلہ حب سے چھوٹا اور دن سے بڑا ہوتا ہے۔

دیکھئے ابن سیدہ کی "المخصص" (۱۱/۸۳) حب یہ کسی چیز کی حفاظت کے لئے ان کا سب سے بڑا برتن ہوا کرتا تھا۔ اس کی جمع حباب ہے۔ قدیم زمانہ میں علماء کتب اور اوراق وغیرہ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے ان مٹکوں میں محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ زمانہ جیسے جیسے گزرتا گیا اور زندگی میں استعمال ہونے والے وسائل میں تبدیلی آئی تو بہت سے متاخرین اس لفظ کے مقصد سے ناواقف ہو گئے اور بہت سے اہل علم اور محققین اس لفظ کی تفسیر میں غلطی کر گئے اور اس غلطی کی وجہ یہ تھی کہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ لفظ حذف شدہ لفظ حب کی صفت ہے۔

اس لفظ کی تفسیر میں غلطی کرنے والوں میں سے ایک خطیب بغدادی کی ''تاریخ بغداد'' کی تصحیح کرنے والے شیخ محمد حامد الفقی ہیں۔

جلد ۳ ص ۱۸۲ پر "واشار الی حیری مملوء کتبا" اس جملے کی تعلیق میں وہ کہتے ہیں قاموس میں ہے کہ الحیر یہ جانوروں کے باڑے کی طرح ایک جگہ ہوتی ہے اس تفسیر میں کتنی ہی غلطیاں ہیں۔

جس لفظ کی انہوں نے تفسیر بیان کی وہ کسی چیز کی طرف منسوب ہے اور الحیر یہ منسوب نہیں ہے لفظ حیری صفت ہے اور الحیر ایک جگہ کو کہتے ہیں یہ کسی کی صفت نہیں ہے۔

''حیری'' کسرہ حا کے ساتھ ہے اور ''والحیر یہ'' فتحہ حاء کے ساتھ ہے۔ الحیر جانوروں کے باڑے کی طرح ایک جگہ ہوتی ہے اور حیری یہ کتابیں رکھنے کی جگہ ہے تو اس تشریح میں اوپر نیچے کتنی غلطیاں ہیں۔ اس میں وہی پھنسے گا جو دوسری کتب دیکھنے کی بجائے صرف شیخ الفقی کی ''تاریخ بغداد'' پر تعلیق کو دیکھے گا۔

اس لفظ کی تشریح میں غلطی کرنے والوں میں سے دوسرا نام ابوالبرکات عبدالرحمان بن انباری کی "نزھۃ الالباء فی طبقات الادباء" کی تحقیق کرنے والے ڈاکٹر ابراہیم سامرائی عراقی کا ہے۔

انباری یادداشت میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ آپؒ کے ایک اور شاگرد مشہور امام وادیب ابو علی قالی کہتے ہیں کہ ابوبکر بن انباری کو قرآن کی تفسیر میں بطور شاہد

بقیہ حاشیہ ---

جامعہ بغداد کی معاونت سے ۱۹۷۰ء میں بیروت سے اس کتاب کی جو اشاعت وام ہوئی اس کے ص ۲۰۳ پر "واشار لهم الی حیری مملوء کبا" کی تحقیق کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں یہ عبارت "تاریخ بغداد" اور "انباہ الرواۃ" میں اسی طرح مذکور ہے۔ قاموس میں ہے کہ انجیر یہ باڑے کی طرح ایک جگہ ہوتی ہے، قاموس کے نسخہ "ق" اور "د" میں یہ لفظ حاری ہے۔ اس تفسیر میں بھی کتنی ہی غلطیاں ہیں۔

کذا فی "تاریخ بغداد" و انباہ الرواۃ کہہ کر یہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ "حیری" غلط لفظ ہے اور اس میں تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔ پھر انہوں نے بھی "تاریخ بغداد" کی تصحیح کرنے والے کی تفسیر نقل کی ہے اور قاموس کے نسخہ "ق" "د" کے حوالے سے حاری نقل کر کے لفظ حیری کی تغلیط کی ہے۔ حالانکہ جس لفظ کو وہ غلط کہہ رہے ہیں وہی صحیح ہے۔

ان غلطی کرنے والوں میں سے ایک "نزهة الالباء" کے محقق استاذ ابوالفضل ابراہیم بھی ہیں۔ ۹۶۸ء میں دار نہضۃ مصر سے ان کی تحقیق کے ساتھ شائع ہونے والی اس کتاب کے صفحہ نمبر ۲۰۱ پر "واشار الی حاری مملوء کتبا" اس عبارت کی تعلیق میں وہ کہتے ہیں۔ اصل کتاب "انباہ الرواۃ" اور "تاریخ بغداد" میں یہ لفظ اسی طرح ہے۔ قاموس میں ہے کہ انجیر باڑے کی طرح ایک جگہ ہوتی ہے اور قاموس کے نسخہ "ط" میں یہ لفظ حاری ہے۔

"لسان العرب" میں ہے کہ یہ حیرہ میں بنائے جانے والا وہ اونی کپڑا ہے جس سے کجاوے کو مزین کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں پہلی تفسیروں سے بھی زیادہ غلطیاں ہیں۔

انہوں نے اپنے کلام میں اس لفظ کو حاری ذکر کیا ہے اور بقول ان کے یہ لفظ اصل میں حیری ہے اسی لئے تو انہوں نے کہا یہ لفظ اصل کتاب اور "انباہ الرواۃ" اور تاریخ بغداد میں لفظ "حاری" ہے اور قاموس کے نسخہ ط میں بھی حاری مذکور ہے پھر قاموس کی عبارت نقل کی کہ انجیر وہ باڑے کی طرح ایک جگہ ہوتی ہے پھر "لسان العرب" کے حوالہ سے اس کی تفسیر نقل کر کے قاری کے ذہن پر مصیبت پر مصیبت ڈال دی کہ یہ حیرہ میں بنائے جانے والا ایک سوتی کپڑا ہے جس سے

کے تین لاکھ اشعار یاد تھے وہ ایک ثقہ دیندار اور سچے انسان تھے۔ محمد بن اسحاق ندیم اپنی کتاب میں کہتے ہیں کہ وہ ذکاوت، سمجھداری اور علم میں پختگی اور سرعت یادداشت میں اپنے والد سے افضل اور زیادہ جاننے والے تھے، اس کے ساتھ وہ ایک بڑے متقی انسان

بقیہ حاشیہ ---------------------------------

کجاوے کی آرائش ہوتی ہے۔

دیکھئے آپ نے کیسے موضوع کا سرے سے موڑ دیا ہے۔ کتابوں کی حفاظت میں جو چیز استعمال ہوتی ہے اس کے لفظ کو کجاوے کے کپڑے میں استعمال کر دیا۔ بھلا ان دونوں میں کیا مطابقت ہے۔

قفطی کی "انباہ الرواۃ" دار الکتب المصریہ سے انکی استاد ابو الفضل ابراہیم کی تحقیق سے شائع ہوئی جلد نمبر ۳ ص ۲۰۲ میں "واشار لھم الی حیری مملوۃ کتبا: اس عبارت کے تحت وہ کہتے ہیں۔ اصل کتاب اور "تاریخ بغداد" میں یہ لفظ اسی طرح ہے اور قاموس میں ہے الخیر یہ باڑے کی طرح ایک جگہ ہوتی ہے۔ اس میں بھی وہی غلطیاں ہیں جو گزر گئیں۔

ابن ابی یعلی کی "طبقات الحنابلہ" شیخ حامد الفقی کی تحقیق سے شائع ہوئی ج ۲ ص ۷۰ پر ابو القاسم ابن الانباری کے تذکرہ میں وہ کہتے ہیں واشار لھم الی خیبری مملوۃ کتبا. انہوں نے لفظ حیری کو خیبری بنا دیا۔

اس لفظ الخیر کی یا الخاری میں اور بہت سی تحریفات ہوئی ہیں یاقوت حموی کی "معجم الادباء" جس کی اشاعت دوم ۱۹۳۰ء میں قاہرہ سے ڈاکٹر مرجلیوث کے ہاتھوں سے ہوئی اس کے جلد ۲ ص ۴۳۳ میں ہے جن لوگوں کو ہم نے دیکھا ان میں فقیہ ابو الحسن بن مغلس علم کی سمجھ اور اس کی مشغولیت میں سب سے افضل تھے۔ ان کی کتابیں ان کے مکتبے میں ترتیب سے پڑی ہوتی تھیں وہ ایک ایک کو لے کر پڑھتے جاتے اور اس کو دوسری جانب رکھتے جاتے جب سب پڑھ لیتے تو پھر دوبارہ ان کو دہراتے اور اپنی اپنی جگہوں پر رکھ دیتے۔ اس عبارت میں ایک لفظ "فی جانب حادثہ" ہے یہ غلط ہے صحیح اس طرح ہے فی جانب حادق لہ یا یہ لفظ فی جانب حادثہ ہے۔

یہی "معجم الادباء" قاہرہ کے مطبعہ دار المامون سے ڈاکٹر احمد فرید رفاعی کے ہاتھوں استاذ عبد الخالق کی تصحیح کے ساتھ شائع ہوئی۔ اس کی جلد ۱۸ ص ۹۸ پر امام ابن جریر ہی کے تذکرہ میں

تھے، کبھی نہیں سنا گیا کہ ان سے لغزش سرزد ہوئی ہو وہ حاضر جوابی میں بھی ضرب المثل تھے۔

ایک ہی کتاب پڑھنے سے تعبیر الرؤیا کے عالم ہو گئے.....

ابوالحسن عروضی کہتے ہیں کہ ابن الانباری عباسی خلیفہ راضی باللہ احمد بن معتدر ۳۲۲ھ میں خلیفہ ہوئے اور ۳۲۹ھ میں وفات پائی، کی اولاد کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک دن ایک لونڈی نے ان سے خواب کی تعبیر پوچھی تو وہ قضائے حاجت کا کہہ کر چلے گئے اور کرمانی کی خوابوں کی تعبیر میں لکھی ہوئی کتاب پڑھ کر اگلے دن تعبیر الرؤیا کے عالم بن کر آئے اور اس لونڈی کو جواب دیا۔

بقیہ حاشیہ --

مذکور بالا عبارت ان الفاظ میں آئی ہے تعبی کتبه فی جانب حائر، ثم يتندى فيلرس الاول فالاول اس عبارت کی تعلیق میں استاد عبدالخالق کہتے ہیں۔

الحائر ہموار جگہ کو کہتے ہیں یہ سب عجائبات غرائب اور غلط تشریحات اس وجہ سے پیدا ہوئیں کہ لفظ حب جو کہ اس لفظ کا موصوف ہے اس کو محذوف نہیں مانا گیا۔ موصوف سے ناواقفیت کی بنا پر صفت میں غلطی کرنے کی ایک اور دلچسپ مثال سنیں۔

"کشف الظنون" (۲/۱۲۱۱) میں لفظ بین کے تحت امام حافظ حسن بن عبدالرحمان رامہرمزی بن وفات ۳۶۰ھ کی کتاب المحدث الفاصل بین الراوی والواعی کا نام "الفاصل" للبین الراوی والواعی" آیا ہے اس میں دیکھیں موصوف یعنی لفظ المحدث کے حذف سے الفاصل فا اور صاد کے ساتھ اس کو الفاضل یعنی اور ضاد کے ساتھ بنا دیا اور کتاب کا نام بھی بگڑ گیا۔

لفظ الحیر کی تصویب میں بات لمبی ہونے سے میں معذرت خواہ ہوں اور یہ طوالت میں نے اس لئے اختیار کی ہے کہ اہل علم کے سامنے اس کلمے کے معنی میں واقع اضطراب ختم ہو جائے اور صحیح معنی سامنے آ جائے اللہ ان تمام کی دعاؤں سے مجھے نفع دے۔

حمزہ بن محمد دقاق کہتے ہیں کہ بے نظیر حافظے کے ساتھ وہ ایک زاہد اور متواضع انسان تھے۔

ابو الحسن دار قطنی کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو حدیث کی سند لکھوانے کے دوران انہوں نے ایک نام میں غلطی کی۔ انہوں نے حیان کو حبان یا حبان کو حیان لکھوایا میں نے اس بات کو بڑا سمجھا کہ اتنے بڑے جلیل القدر شخص سے یہ غلطی نقل کی جائے لیکن ان کے رعب کی وجہ سے میں ان کو بتا نہ سکا۔ جب ان کی مجلس ختم ہوئی تو میں مستملی کی طرف گیا اور میں نے ان سے اس غلطی کا تذکرہ کیا اور صحیح قول بتا کر میں آگیا۔ آئندہ جمعہ میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا تو ابوبکر نے مستملی سے کہا کہ ”حاضرین کو بتا دو کہ ہم نے گزشتہ جمعہ فلاں حدیث کی سند لکھواتے وقت فلاں نام میں غلطی کی تھی اور اس نوجوان نے ہمیں غلطی پر متنبہ کیا ہے اور اس نوجوان کو بھی بتا دو کہ ہم نے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا تو جیسا اس نے کہا تھا ویسا ہی پایا۔“ (سبحان اللہ کیا شان تواضع ہے)

حافظہ برقرار رکھنے کے لئے ....

ابو الحسن عروضی کہتے ہیں کہ راضی باللہ کے دستر خوان پر میں اور ابوبکر بن انباری جمع ہوئے۔ ابوبکر نے باورچی کو اپنا کھانا بتایا ہوا تھا تو وہ ان کے لئے خشک گوشت بھون دیتا تھا، ہم دستر خوان پر لگے عمدہ کھانے کھا رہے تھے لیکن ابوبکر وہی بھونا ہوا خشک گوشت کھاتے رہے کھانے کے بعد عمدہ حلوہ لایا گیا تو اس سے بھی انہوں نے نہیں کھایا۔ دستر خوان سے اٹھ کر ہم لوگ خیش نامی ٹھنڈے کپڑوں میں جو گرمیوں میں پسند کئے جاتے ہیں سو گئے لیکن وہ ان کپڑوں کے سامنے سوئے۔ اس کے بعد عصر تک انہوں نے پانی تک نہیں پیا۔ عصر کے بعد انہوں نے غلام کو بلا کر پانی منگوایا تو برف کے پانی کی بجائے مٹکے کا پانی پیا اس پر مجھے غصہ آیا تو میں نے چیخ کر کہا اے امیر المومنین۔ مجھے ان کے سامنے حاضر کیا گیا تو امیر المومنین نے کہا کیا مسئلہ ہے؟ میں نے کہا اے امیر المومنین یہ

شخص اس بات کا محتاج ہے کہ اس کے اور اس کے نفس کے درمیان کوئی شخص حائل ہو ورنہ جیسا وہ اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے اس سے تو لگتا ہے کہ وہ اس کو مار دے گا۔ اس پر امیر المؤمنین ہنس کر بولے اس کو اسی میں لذت ملتی ہے اور یہ اس کی عادت ہو گئی ہے اور اس طرز زندگی سے مانوس ہونے کی وجہ سے اب یہ ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ پھر میں نے خود ان سے بات کی اور کہا اے ابو بکر تم اپنے نفس کے ساتھ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو ان کا جواب تھا کہ اپنی قوت یادداشت کو برقرار رکھنے کے لئے۔ میں نے کہا لوگوں میں تمہارے حافظے کا بڑا چرچا ہے..... تمہیں کتنا یاد ہے؟ تو انہوں نے کہا تیرہ صندوق کتابوں کے محمد بن جعفر تمیمی نحوی کہتے ہیں کہ اتنی مقدار نہ ان سے پہلے کسی کو یاد تھی اور نہ ان کے بعد کسی کو۔ کھجوروں کو لے کر وہ سونگھتے اور پھر کہتے تم عمدہ ہو لیکن اللہ نے جو مجھے علم یاد کرایا ہے، وہ تم سے زیادہ مجھے عزیز ہے۔ موت کے قریب جب بیمار پڑے تو دل نے جو چاہا وہی کھایا اور فرمایا یہ مجھے مرض الموت لگتا ہے۔"

علم کی قدر

ایک دن وہ غلام اور لونڈیوں کے فروخت کرنے والوں کی طرف نکل گئے تو ایک خوبصورت اور باکمال لونڈی کو بکتے دیکھا۔

ان کا کہنا ہے کہ وہ مجھے اچھی لگی۔ تھوڑی دیر وہاں رک کر میں امیر المؤمنین راضی باللہ کے پاس آیا تو انہوں نے مجھے کہا کہ ابھی تک آپ کہاں تھے؟ تو میں نے اپنی پوری آپ بیتی سنا دی، تو امیر المؤمنین نے اپنے ایک غلام کو بھیجا جو اس کو خرید کر لے آیا اور میری غیر موجودگی میں اس کو میرے گھر چھوڑ آیا، میں جب گھر آیا تو میں نے اس کو اپنے گھر میں پایا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ امیر المؤمنین نے بھیجی ہے۔ میں نے اس لونڈی کو کہا کہ استبراء ہونے (یعنی پیٹ کے حمل سے خالی ہونے) کا یقین ہونے تک اوپر چلی جاؤ، پیٹ کا حمل سے خالی ہونے کا حیض آنے سے معلوم ہوتا ہے۔

ان دنوں میں ایک مشکل مسئلے کی تحقیق و جستجو میں تھا لونڈی کے آنے سے میرا

دل علم سے پھرنے لگا تو میں نے خادم سے کہا، اس لونڈی کو غلام اور باندی بیچنے والوں کے پاس لے جاؤ اس کی اتنی حیثیت نہیں ہے کہ یہ مجھے علم سے روک دے۔ غلام نے اس کو پکڑنا چاہا تو وہ بولی مجھے چھوڑو میں ان سے صرف دو حرف کہنا چاہتی ہوں، اس نے کہا اے ابوبکر آپ ایک باحیثیت اور سمجھدار آدمی ہو آپ مجھے میرا جرم بتائے بغیر گھر سے کیوں نکال رہے ہیں؟ نکالنے سے پہلے آپ مجھے میرا جرم بتا دیں تاکہ لوگ میرے بارے میں غلط خیال نہ کریں؟ اس پر ابوبکر نے کہا تم نے مجھے علم سے روک دیا ہے اس کے علاوہ تم میں اور کوئی عیب نہیں ہے تو وہ بولی پھر کوئی بات نہیں۔ راضی باللہ کو جب اس کا پتہ چلا تو وہ بولے علم کی جتنی مٹھاس اس شخص کے سینے میں ہے اتنی کسی اور کے سینے میں نہیں ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے یہ پورا واقعہ اپنی کتاب "ذم الھوی" میں ذکر کیا ہے اور اس کے لئے یہ تمہید باندھی ہے:

> "انسان جب کسی کے عشق میں مبتلا ہو جائے تو اسے یہ سوچنا چاہئے کہ معشوق کے ساتھ مشغول ہونے سے اس سے کتنے فضائل فوت ہو رہے ہیں۔ بیدار مغز لوگوں کو علم، عفت، بزرگی اور دیگر فضائل سے جتنا عشق ہوتا ہے اتنا ان حسی شہوتوں کی طرف ان کا میلان نہیں ہوتا کیونکہ ان حسی شہوتوں سے نفس کو تسکین ملتی ہے اور ان فضائل سے عقل تسکین پاتی ہے اور نفس انسانی اس وقت عقل کی بات کو ترجیح دیتا ہے کہ جب طبیعت اس کو حسی شہوتوں کی طرف کھینچ رہی ہو۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دلچسپ قصہ علامہ ابوبکر بن انباری رحمہ اللہ کا ہے پھر مذکورہ بالا قصہ نقل کیا ہے۔"

اللہ تمہارا نگہبان ہو، دیکھئے کہ عقل انسان کو کس طرح حسی شہوتوں سے ہٹا کر فضائل اور اخلاق عالیہ کی طرف لے جاتی ہے۔ پھر ان فضائل سے انسان کا ذکر خیر باقی رہتا ہے اور ہمتیں اور ارادے ان فضائل کو سننے کے لئے دوڑتے ہیں، اللہ بھلا کرے ان

علماء کا کہ جنہوں نے اپنی سیرت سے لوگوں کو زندگی میں بھی نفع دیا اور وفات کے بعد بھی دے رہے ہیں۔ (یعنی ان کی تصنیفات اور عمدہ اخلاق سے) اللہ ان کو علم، اسلام اور دین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

جمال ذی الارض کانوا فی الحیاۃ وھم　　بعد الممات جمال الکتب والسیر

ترجمہ: اہل زمین کے لئے اپنی زندگیوں میں وہ باعث زینت تھے
اور مرنے کے بعد وہ کتابوں اور تذکروں کی زینت ہیں۔

امام ابو علی فارسی رحمۃ اللہ علیہ (۲۸۸ھ تا ۳۷۷ھ)

یہ اپنے زمانہ کے ائمہ عربیہ کے امام ابو علی حسن بن احمد فارسی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی سن ولادت ۲۸۸ھ اور ۸۹ سال کی عمر میں ۳۷۷ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

فارس کے شہر فسا میں پیدا ہوئے۔ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں فارسی اور فسوی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے شہر میں ہی طالب علمانہ زندگی کی ابتداء کی۔

طلب علم میں اسفار

۳۰۷ھ میں بغداد کا سفر کیا اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اس کے بعد وہ مختلف شہروں میں گئے۔ شام میں داخل ہونے کے بعد حلب طرابلس ''معرۃ النعمان'' میں رہے۔ ۳۴۱ھ سے وہ امیر سیف الدولہ بن حمدان کے پاس تقریباً سات سال تک مقیم رہے۔ اس دوران ان کے اور متنبی کے درمیان بہت سی مجالس ہوئیں۔ حلب میں قیام کے دوران ان کا ابن خالویہ نحوی سے ''جو کہ سیف الدولہ کے خواص میں سے تھے'' جھگڑا ہو گیا اس کے بعد ابو علی نے وہاں قیام نامناسب سمجھ کر واپس فارس کا رخ کیا اور پھر ۳۴۸ء میں انہوں نے شیراز میں قدم رکھا اور اس شہر میں بیس سال تک رہے، اس دوران ملک عضد الدولہ بن بویہ کے یہاں آنے جانے سے اس کے دل میں ان کا مقام بلند ہو گیا۔ ابو علی نے ان کو نحو سکھائی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نحو میں ابو علی کا غلام ہوں۔ ابو علی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لئے دو کتابیں ''الایضاح'' اور ''التکملہ'' لکھی۔ عضد الدولہ کے والی بغداد بننے کے بعد ابو علی دوبارہ بغداد آ گئے اور اپنے انتقال تک وہیں مقیم رہے۔

تصنیفات

اپنے ان اسفار کے دوران وہ علماء اور طلبہ کے ساتھ بیٹھتے اور جو مشکل سوالات ان سے پوچھے جاتے ان کا جواب دیتے، ان سوالات اور دیگر علمی سوالات میں وہ کتابیں تصنیف کرتے۔ بڑے بڑے علماء نے ان سے حلب، شیراز، بغداد، بصرہ اور دیگر شہروں میں بہت سے سوالات کئے۔ انہوں نے ان کے جوابات میں کتابیں لکھیں اور جس جس شہر میں وہ کتابیں لکھی گئیں آپ نے اسی طرف اس کتاب کو منسوب کیا، "البغدادیات"، "البصریات"، "الحلبیات"، "الشیرازیات" وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر میں برکت عطا فرمائی اور یہ ۹۰ سال تک علم اور اہل علم کی خدمت اور علوم قرآن اور علوم عربیہ میں تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ پوری عمر انہوں نے نہ شادی کی، اس لئے آپ نے کوئی نسبی اولاد نہیں چھوڑی البتہ ان کی اولاد روحانی ان کی پچیس تصنیفات ہیں جو آج تک زندہ و تابندہ ہیں۔ ان کتابوں میں سے چھ جلدوں پر مشتمل "الحجة فی علل القرأت السبع"، نحو میں "الایضاح" اور "شرح ابیات الایضاح" اور "المسائل القصریہ، المسائل العسکریہ"، "الاھوازیات"، "المسائل الکرمانیہ"، "العوامل المئة"، "المسائل الذھبیات"، "المسائل المجنسیات"، سیبویہ کی کتاب پر تعلیق "جواہر النحو"، "الھیثمیات" اور دیگر تصنیفات ہیں۔

امام ابن جنی ان کے بارے میں کہتے ہیں

امام ابن جنی ان کے تلمیذ خاص اور عاشق تھے ان کی کتابیں ان کے تذکرے مدح سرائی اور ان کے علوم و معارف سے بھری پڑی ہیں، قریب تھا کہ وہ ان کے پورے علم کا احاطہ کر لیتے، ابن جنی رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں ان کی بے نکاحی اور علم و تالیف اور قواعد کی تاسیس کے لئے خود کو فارغ کرنے کی طرف کئی جگہ اشارہ کیا ہے۔

اپنی کتاب "الخصائص[1]" میں ابوعلی کی لغت میں قیاس کی معرفت اور اس میں پختگی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ستر سال تک اس مشغولیت میں رہے، لغت کی علتوں کو واضح اور اس سے کلفتوں کو دور کرتے رہے اور انہوں نے اس کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ ان کی کوئی اولاد تھی جوان کو اس مقصد سے دور کر سکتی۔

ابن جنی نے اپنی کتاب "المحتسب" کے مقدمہ میں ان کی علم میں بلند حیثیت اور کثرت معارف کا سبب ان کی بے نکاحی کو قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں ابوعلی فارسی علم ومعرفت میں جو آگے بڑھے تو اس کی وجہ ان کی فارغ البالی، بے فکری اور تنہائی تھی۔[2]

---

[1] (۲۷۷/۱)

[2] ابوعلی فارسی کا تذکرہ ان کتابوں سے لیا گیا، ابن خلکان کی "وفیات الاعیان" (۱۳۱/۱) زرکلی کی "الاعلام" (۱۹۳/۲) اور ان کی کتاب "الحجۃ" کا مقدمہ جس کی تحقیق استاذ علی نجدی، ڈاکٹر عبدالحلیم نجار اور ڈاکٹر عبدالفتاح شلبی نے کی اور استاذ محمد علی نجار نے مراجعت کی۔ اس کتاب "الحجۃ" کے سامع امام ابوالیمن کندی زید بن حسن (متوفی ۶۱۳) نے کی۔
ان کی کنیت میں ان جلیل القدر فضلاء سے تحریف ہوگئی ہے ایک مخطوطہ نسخے میں ان کی کنیت ابوالیمین ہے اسی کنیت کو ان فضلاء نے اپنے مقدمہ کے صفحہ ۳۷۔۳۸۔۳۹ پر نقل کر دیا ہے۔
ان کی عبارت یہ ہے، زید بن حسن بن زید ابوالیمین کندی نے ۶۰۲ھ میں اس کتاب کو لکھا۔
اس پورے مقدمے اور ان محققین کے کلام میں یہ کنیت اسی طرح میم کے بعد یا کے ساتھ پانچ جگہ پر آئی ہے حالانکہ یہ واضح تحریف ہے جس کو انہوں نے بڑے اطمینان سے ذکر کیا ہے پھر اپنی اس تحریف پر ایک ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔
ص ۳۹ میں ہے "أبی الیمین زید بن حسن بن زید کندی" اس عبارت پر تعلیق کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں۔ "طبقات القراء" (۲۹۷/۱) اور "بغیۃ الوعاۃ" ۲۴۹ پر ان کا تذکرہ اس طرح ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ ان دو کتابوں میں بھی ان کی کنیت ابوالیمین ہوگی حالانکہ ان کتابوں میں ان کی کنیت ابوالیمن یاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ آئی ہے۔

امام ابونصر سجزی رحمۃ اللہ علیہ

یہ اپنے زمانہ کے بڑے محدث اور حدیث کے امام ابونصر سجزی ہیں۔ "تذکرۃ الحفاظ" میں ذہبی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔[1]

حافظ امام عالم ثقہ عبداللہ بن سعید بن حاتم بن احمد وائلی بکری نزیل حرم اور مصر، مسئلہ قرآن میں "الابانۃ الکبریٰ" جو کہ اپنے موضوع پر طویل کتاب ہے، مصنف کی امامت اور ان کی رجال اور اسناد پر نظر عمیق پر دلالت کرتی ہے۔

اساتذہ

ان کے اساتذہ میں احمد بن فراس عبقسی، ابوعبداللہ حاکم، ابواحمد فرضی، حمزہ مہلبی، محمد بن محمد بن محمد بن بکر ہزانی، ابوعمر بن مہدی، علی بن عبدالرحیم سوسی، ابوالحسین احمد بن محمد مجبر، ابومحمد بن نحاس، ابوعبدالرحمٰن سلمی، عبدالصمد بن زہیر بن ابوجرادہ حلبی، صاحب ابن اعرابی اور دیگر علماء شامل ہیں۔

علمی اسفار

چوتھی صدی کے بعد انہوں نے خراسان، حجاز، شام، عراق اور مصر کے سفر کیے۔

تلامذہ

ان کے شاگردوں میں ابواسحاق حبال، سہل بن بشر اسفرائینی، ابومعشر مقری طبری، اسماعیل بن حسن علوی، احمد بن عبدالقادر یوسفی، جعفر بن یحییٰ حکاک، جعفر بن احمد سراج اور دیگر بہت سے لوگ ہیں وہ حدیث مسلسل بالاولیت کے بھی راوی ہیں۔

---

[1] (۱۱۱۸/۳)

علمی کمال اور زہد

ابن طاہر مقدسی کہتے ہیں میں نے ابو اسحاق حبال سے ابونصر سجزی اور حافظ علامہ یکتائے زمانہ شخصیت ابو عبداللہ محمد بن علی ساحلی صوری کے بارے میں پوچھا کہ ان دونوں میں سے کون بڑا حافظ تھا؟ تو انہوں نے کہا پچاس صوری ہوں تب بھی سجزی ان سے بڑے حافظ تھے۔ پھر حبال نے کہا میں ایک دن ابونصر سجزی کے پاس بیٹھا تھا کہ دروازہ کھٹکا میں نے اٹھ کر کھولا تو ایک عورت اندر آئی اور ایک ہزار دینار کی تھیلی شیخ کے آگے ڈال کر بولی اس کو جیسے چاہو خرچ کرو، انہوں نے کہا تمہارا مقصد کیا ہے؟ وہ بولی آپ مجھ سے شادی کر لیں اگرچہ مجھے شادی کی کوئی حاجت نہیں ہے لیکن اس طرح میں آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں مگر شیخ نے کہا

تھیلی اٹھاؤ اور چلی جاؤ، اس کے جانے کے بعد شیخ نے کہا بجستان سے طلب علم کی نیت سے میں نکلا اگر میں شادی کر لیتا تو مجھ سے طلب علم کا اعزاز فوت ہو جاتا اور میں طلب علم کے ثواب پر کسی چیز کو ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ ۴۴۴ھ میں مکہ میں وفات پائی۔

امام اسماعیل بن علی رازی رحمۃ اللہ علیہ (۳۷۱ھ تا ۴۴۵ھ)

یہ حافظ فقیہ زاہد ابو سعد سمان اسماعیل بن علی رازی بصری ہیں۔

ولادت اور وفات

ولادت ۳۷۱ھ میں اور وفات ۴۴۵ھ میں ہوئی۔

وہ انساب کے جاننے والے ایک محدث، فرائض کے جاننے والے ایک فقیہ، تفسیر کے جاننے والے ایک مفسر اور قاری اور مضبوط علمی شخصیت تھے۔

مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کا سفر کیا اور علماء وشیوخ سے ملاقاتیں کیں۔

۷۴ سال کی عمر میں بغیر شادی کیے علم اور تالیفات سے آنکھیں ٹھنڈی کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

علمی کمال

حافظ عبدالقادر ''الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیۃ'' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ابو سعد سمان اسماعیل بن علی بن حسین بن زنجویہ رازی جو کہ حافظ، زاہد، معتزلہ کے شیخ، عالم، فقیہ، متکلم اور ان کے محدث تھے۔ وہ قراءات حدیث، رجال، انساب، فرائض، حساب، شروط اور مقدرات کے بے نظیر امام تھے۔ اسی طرح وہ فقہ امام ابو حنیفہ میں اور امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مسائل شرعیہ میں اختلافات کے بھی وہ امام تھے۔ فقہ زیدیہ اور علم کلام پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ وہ ابوالحسن بصری اور شیخ ابو ہاشم کے مذہب کے پیروکار تھے۔ حج بیت اللہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت سے بھی وہ مشرف ہوئے۔

علمی اسفار اور اساتذہ

عراق، شام، حجاز اور بلاد مغرب کا انہوں نے سفر کیا اور اپنے زمانہ کے تقریباً تین ہزار شیوخ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔[۱]

۱ "تذکرۃ الحفاظ" (۱۱۴۱/۴) میں حافظ ذھبی ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ابو القاسم عساکر کا قول ہے کہ "رے" میں میں نے ابو منصور بن عبد الرحیم بن مظفر سے ابو سعد سمان کے بارے میں پوچھا تو ان کا کہنا تھا کہ وہ معتزلی تھے اور انہوں نے تین ہزار چھ سو اساتذہ سے پڑھا تھا۔ ذھبی کہتے ہیں کہ ان کے اساتذہ کرام کی اتنی بڑی تعداد ہونے کا مجھے یقین نہیں ہے۔"
عبد الفتاح کہتے ہیں کہ ذھبیؒ کو ابو سعد کے اساتذہ کی اتنی تعداد کا یقین نہیں ہے حالانکہ "تذکرۃ الحفاظ" (۱۴۱۶/۴) پر امام ابن نجار محمد بن محمود کے تذکرہ میں وہ خود کہتے ہیں کہ "ابن الساعی کا کہنا ہے کہ ابن نجار ۲۷ سال تک سفر کرتے رہے اور ان کے اساتذہ کی تعداد تقریباً تین ہزار ہے۔ اسی طرح "تذکرۃ الحفاظ" (۱۳۱۶/۴) پر امام ابو سعد عبد الکریم بن محمد سمعانی کے تذکرہ میں وہ کہتے ہیں، ابن نجار کا کہنا ہے کہ میں نے سنا ہے کہ ان کے شیوخ کی تعداد تقریباً سات ہزار تھی اور اتنی بڑی تعداد کسی اور کے اساتذہ کی نہیں ہے۔ ذھبیؒ نے اس تعداد پر کوئی اعتراض نہیں کیا حالانکہ ابو سعد السمان کے اساتذہ کی تعداد سے یہ دوگنی تعداد ہے یہ تعداد ابو سعد سمان کے اساتذہ کی تعداد کی بہ نسبت اعتراض کی زیادہ مستحق ہے۔

۲ "لسان المیزان" (۳۲۲/۱) میں حافظ ابن حجر ابو سعد اسماعیل بن علی سمان کے تذکرے میں کہتے ہیں، ان کے اساتذہ کی تعداد تقریباً تین ہزار ہے جیسا کہ حافظ ذھبی نے ذکر کیا ہے اور اس سے قبل اتنی ہی تعداد کا حافظ ابو القاسم بن عساکر اقرار کر چکے ہیں۔ حافظ ذھبیؒ نے انہی کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کو حافظ داؤدی نے "طبقات المفسرین" (۱۱۰/۱) میں ذکر کیا ہے۔

"شرح الفیہ" (۲۳۳/۲) میں حافظ عراقی "آداب طالب الحدیث" کے اشعار کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں جو علماء کثرت شیوخ میں مشہور ہیں ان میں سفیان ثوری، ابو داؤد طیالسی، یونس بن محمد موذب، محمد بن یونس کریمی، ابو عبد اللہ بن مندہ، قاسم بن داؤد بغدادی شامل ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے چھ ہزار شیوخ سے حدیث لکھی ہے۔ حافظ عراقی کی یہ عبارت بھی ابو سعد

ابوالحسن مطہر بن علی مرتضی کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعد سمان کو کہتے ہوئے سنا کہ جس نے حدیث کبھی نہ لکھی ہو وہ اسلام کی حلاوت سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ان کی مدح سرائی میں کہا جاتا تھا کہ انہوں نے خود اپنی نظیر نہیں دیکھی تھی۔

سمانی کے شیوخ کی تعداد کی تصدیق کرتی ہے۔ ان علماء میں قاسم بن داؤد بغدادی کے اساتذہ کی تعداد تو ابوسعد سمان کے اساتذہ کی تعداد سے دگنی ہے۔

ابوسعد سمعانی کی کتاب "الانساب" پر علامہ عبدالرحمان معلمی اپنے مقدمہ (۲۱/۱) میں ابوسعد سمانی کے اساتذہ کی تعداد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ابن خلکان وغیرہ کا کہنا ہے کہ ابوسعد سمعانی کے اساتذہ کی تعداد سات ہزار تھی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے معلمی کہتے ہیں جس سعد سے بھی ابوسعد نے کچھ سنا ہو اگر ہم اس کو ان کے اساتذہ میں شمار کریں گے تو یہ تعداد کوئی ناممکن نہیں ہے۔ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ علماء جب اپنی کتابوں میں کسی کے شیوخ کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کی مراد میں ہر وہ شخص ہوتا ہے جس سے صاحب تذکرہ کی ملاقات ہوئی ہو، یہ ضروری نہیں ہے کہ اس نے اس سے کچھ پڑھا بھی ہو۔ حافظ ذھبیؒ نے ابوسعد سمان کے اساتذہ کی تعداد کو اپنے زمانہ پر قیاس کیا ورنہ اگر وہ پچھلے زمانے کے لوگوں کے حالات دیکھ لیتے تو وہ اس خبر پر پے در پے بہت سی گواہیاں پا لیتے۔ وہ خود اپنی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" (۳۹۴/۱) میں حافظ مسند مسلم بن ابراہیم فراہیدی بصری سن وفات ۲۲۲ھ کے تذکرہ میں کہتے ہیں کہ ابواسماعیل حافظ محمد بن اسماعیل جو ابوعیسیٰ ترمذی کے استاد ہیں، میں نے آٹھ سو اساتذہ سے حدیث لکھی ہے اور میں نے اپنے شہر کا پل عبور نہیں کیا۔

اور امام خزرجی اپنی کتاب "الخلاصۃ" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں انہوں نے ستر خواتین سے حدیث لکھی"۔

اس شخص کو دیکھئے جس نے اپنے چھوٹے سے شہر بصرہ سے باہر قدم نہیں رکھا جب اس کے اساتذہ آٹھ سو ہیں اور ان میں سے ستر عورتیں ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ جیسا کہ ان کے شاگرد امام ابوداؤد صاحب سنن کا کہنا ہے، مسلم بن ابراہیم نے ایک ہزار علماء سے حدیث کی سماعت کی اور انہوں نے کسی اور شہر کی طرف سفر بھی نہیں کیا۔

زہد اور عبادت

ان فضائل علیہ کے ساتھ وہ زاہد متقی رات کو مصلے پر کھڑے ہونے والے، دن کو روزہ رکھنے والے اور اللہ کے دیئے ہوئے پر راضی رہنے والے انسان تھے۔

دیکھئے "تہذیب التہذیب" (۱۲۲/۱) تو وہ شخص جس نے ۴۷ سال تک دنیا کا طواف کیا اور مشرق ومغرب تک کی خاک چھانی، کیا اس کے تین ہزار چھ سو اساتذہ نہیں ہو سکتے؟ (واللہ اعلم) بلکہ ہو سکتے ہیں اور یہ کوئی انجانی بات نہیں ہے یہ دیکھئے امام ذہبی کے استاد اور ان کے ساتھی اور یہ ابو سعد سمان سے کتنے زمانہ بعد کے شخص ہیں۔ امام حافظ علم الدین ابو محمد قاسم بن محمد برزالی سن ولادت ۶۶۵ھ سن وفات ۷۳۹ھ ہے۔ ان کے اساتذہ کی تعداد تین ہزار تھی اور برزالی نے اپنے اساتذہ کے نام پر مشتمل ایک "کتاب معجم الشیوخ" بھی لکھی ہے جیسا کہ ذہبیؒ نے خود اپنی کتاب "معجم الشیوخ" میں اس کو تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

شعر

ان رمت تفعیش الخزائن کلھا و ظھور أجزاء حوت وعوالی

و نعوت اشیاخ الوجود وما رووا طالع او اسمع معجم البرزالی

ترجمہ: اگر تم تمام خزینوں کی تفتیش چاہتے ہو اور اعلیٰ باتوں پر مشتمل کتابوں کی رونمائی چاہتے ہو اور موجودہ اشیاخ اور ان کی مرویات کے تفاصیل دیکھنا چاہتے ہو تو برزالی کی معجم کا مطالعہ کرو یا اس کو سنو۔

ڈاکٹر بشار عواد معروف نے ذہبیؒ کی کتاب "سیر أعلام النبلاء" کے مقدمہ کے صفحہ نمبر ۳۶ پر ان اشعار کو نقل کیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں بہت سے علماء کے تذکروں میں ان کے اساتذہ کی اتنی یا اس سے زیادہ تعداد ذکر کی ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے جیسا کہ آپ نے گزشتہ صفحات میں دو مثالیں دیکھیں۔ شاید ابو سعد سمان کے اساتذہ کی تعداد پر ان کے اعتراض کی وجہ ان کا معتزلی ہونا ہے کیوں کہ وہ اپنے زمانہ کے شیخ المعتزلہ تھے۔

زندگی کے ۹۰ سال تک انہوں نے کبھی کسی انسان کی پلیٹ میں ہاتھ نہیں ڈالا۔[1]

سفر و حضر میں ان پر کسی کا کوئی احسان نہ تھا دنیا سے جانے کے بعد ان پر کسی کا کوئی حق نہ تھا۔ انہوں نے نہ کسی کو کبھی مال میں تکلیف دی اور نہ اپنی زبان سے۔

انہوں نے اپنی زندگی کے اوقات تلاوت قرآن، تدریس، حدیث، لوگوں کی اصلاح اور عبادت کے لئے وقف کر دیئے تھے۔

زندگی بھر جو کتابیں جمع کی تھیں وہ کتابیں مرنے کے بعد تمام مسلمانوں کے لئے وقف کر دیں۔ ان کی شخصیت تاریخ ساز تھی وہ شیخ الاسلام اور بقیۃ السلف والخلف تھے۔ مرض الموت کے ایام میں ان سے نماز وغیرہ میں سے کوئی فرض اور واجب فوت نہیں ہوا۔ مرتے وقت منہ سے نہ لعاب نکلا اور نہ کپڑے گندے ہوئے اور نہ ہی ان کا رنگ بدلا۔

توبہ استغفار، تلاوت قرآن دائمی مشغلہ تھا۔ بہت سی تالیفات اپنے پیچھے چھوڑ گئے اور شادی کبھی نہ کی۔ دنیا سے وہ مسکراتے ہوئے گئے جیسے مسافر اپنے گھر لوٹتا ہے یا فرمانبردار نوکر اپنے مالک کی طرف لوٹتا ہے۔

تدفین

سن ۹۴۵ھ شعبان کی ۲۴ تاریخ کو رے میں انتقال کیا اور امام محمد بن حسن شیبانی کے قریب مدفون ہوئے۔ رحمہما اللہ تعالیٰ

---

[1] ۹۰ سال تک انہوں نے کسی کی پلیٹ میں ہاتھ نہیں ڈالا۔ اس عبارت سے میں نے ان کی سن ولادت معلوم کی ہے۔ علامہ زرکلی اپنی کتاب "الاعلام" میں اس عبارت سے یہ فائدہ حاصل نہ کر سکے اس لئے انہوں نے ان کی سن ولادت ذکر نہیں کی۔

امام عبدالوھاب بن مبارک

حافظ ابوالبرکات عبدالوھاب بن مبارک بن احمد بغدادی "تذکرۃ الحفاظ" میں حافظ ذھبیؒ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں وہ حافظ عالم اور محدث بغداد تھے۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۴۶۲ میں اور ۷۶ سال کی عمر میں سن ۵۳۸ میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

اساتذہ

انہوں نے ابو محمد بن ھزار صریفینی، ابوالحسین بن نقور، ابوالقاسم عبدالعزیز بن علی انماطی، علی بن احمد بندار اور ان کے بعد کے لوگوں سے حدیث سنی۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ اعلیٰ اور کم مرتبہ کی حدیثیں سنیں، یہاں تک کہ علی بن طیوری کا تمام علم اپنے سینے میں منتقل کر لیا۔

تلامذہ

ان کے شاگردوں میں ابن ناصر سلفی، ابن عساکر، ابوموسیٰ مدینی، ابوسعد سمعانی، ابوالفرج بن جوزی، ابواحمد بن سکینہ، عبدالعزیز بن الاخضر، احمد ازھر، عبدالعزیز بن منینا، احمد بن دیبقی، عبدالوھاب بن ھدبہ اور یہ ان کے آخری شاگرد ہیں۔

علمی کمال اور زہد

سمعانی کہتے ہیں کہ وہ حافظ، ثقہ، با اعتماد، روایات میں وسیع النظر، ہمیشہ خوش رہنے والے، وعظ و نصیحت کے وقت جلد رونے والے، اچھی معاشرت والے تھے۔ کہتے

ل ۱۲۸۲/۱

ہی فوائد کو انہوں نے جمع کیا اور کتنی ہی کتابوں کی تخریج کی۔ شاید کوئی ایسی کتاب ہوگی جس کو انہوں نے پڑھا نہ ہو اور اس کا نسخہ ان کے پاس نہ ہو بہت سی کتابوں کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا جن میں 'طبقات ابن سعد' اور ''تاریخ خطیب'' بھی ہیں۔ ان کے اوقات کتابت یا اس سے نقل کرنے میں گزرتے تھے۔ اجازت پر اجازت دینے کو وہ صحیح نہیں سمجھتے تھے اس میں ان کی ایک تصنیف بھی ہے۔

میں نے ان کے سامنے ''الجعدیات''، ''مسند یعقوب الفسوی''، ''مسند یعقوب سدوسی اور مخلص پر'' انتقاء البقال'' پڑھیں۔

سلفی کہتے ہیں ہمارے ساتھی عبدالوھاب حافظ ثقہ اور اچھے باخبر تھے۔ ابن ناصر کہتے ہیں کہ وہ بقیۃ الشیوخ تھے انہوں نے بہت سے علماء سے خوب سمجھ کر سنا وہ ثقہ تھے۔ دنیا میں مستور ہو کر رہے کبھی شادی نہ کی۔

کثرت بکاء

ابن جوزی کہتے ہیں میں ان کے سامنے پڑھتا تھا وہ روتے تھے مجھے ان کے درس سے اتنا فائدہ نہیں ہوا جتنا ان کے رونے سے ہوا۔ سلف صالحین کے طریقے پر انہوں نے زندگی گزاری مجھے جتنا ان سے نفع ہوا اتنا کسی اور سے نہیں ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ

امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۷ھ تا ۵۳۸ھ)

یہ امام ابو القاسم محمود بن عمر زمخشری خوارزمی ہیں ان کو فخر خوارزم اور ایک زمانہ تک مکہ میں رہنے کی وجہ سے "جار اللہ" کہا جاتا تھا۔

ولادت اور وفات

وہ خوارزم کی بستی زمخشر میں ۲۷ رجب سن ۴۶۷ میں پیدا ہوئے اور ۷۱ سال کی عمر میں عرفہ کی رات سن ۵۳۸ میں خوارزم کی شہر "جرجانیہ" میں وفات پائی۔

ابن الانباری کی "نزہۃ الالباء" یاقوت حموی کی "معجم الادباء"، قفطی کی "انباہ الرواۃ" ابن خلکان کی "وفیات الاعیان"، ابن حجر کی "لسان المیزان" سیوطی کی "طبقات المفسرین"، مقری کی "ازھار الریاض فی اخبار عیاض" اور ڈاکٹر احمد حوفی کی "الزمخشری" میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے:[1]

> "نیکی اور تقویٰ میں وہ مشہور تھے اپنے شہر اور دوسرے شہروں میں بہت سے جلیل القدر علماء سے ملاقاتیں کیں اور خراسان کا سفر بھی کیا۔"

بغداد میں لاتعداد مرتبہ داخل ہوئے اور وہاں کے جلیل القدر علماء فضلاء اور ائمہ سے ملے۔

---

[1] "نزہۃ الالباء" ۳۹۱_۳۹۳، "معجم الادباء" ۱۹/۱۲۶_۱۳۵۔ "انباہ الرواۃ"، ۳/۲۶۵_۲۷۲، "الوفیات" (۲/۸۱_۸۲)، "لسان المیزان" (۶/۴)، "طبقات المفسرین" (۱۲۰_۱۲۱)، "الزمخشری" مصنفہ ڈاکٹر محمد حوفی، "ازھار الریاض فی اخبار عیاض" (۳/۲۸۳_۳۰۵) اس کی اس کتاب میں ان کا مکمل تذکرہ ہے۔

اپنے استاذ ابو مضر محمود بن جریر ضبی کی خدمت میں

لغت نحو ادب کی تعلیم خوارزم میں شیخ ابو مضر محمود بن جریر ضبی اصبہانی جن کو لاثانی عصر کہا جاتا تھا سے حاصل کی۔ امام زمخشری کے یہ استاد اپنے زمانہ میں لغت نحو ادب اور طب میں لاثانی شخصیت تھے۔ اس کے علاوہ دیگر علوم و فضائل میں بھی وہ ضرب المثل تھے۔ موصوف ایک عرصہ تک خوارزم میں رہے اور لوگوں کو اپنے علوم واخلاق سے مستفید کرتے رہے۔

اس عرصہ قیام کے دوران علماء کی ایک جماعت نے لغت، نحو، ادب میں ان سے سند کمال حاصل کی۔ جن میں ایک زمخشری بھی ہیں۔ اسی ابو مضر نے خوارزم میں معتزلہ کے مذہب کو رواج دیا۔ ان کی جلالت شان دیکھتے ہوئے اچھے خاصے لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے اور ان کا مذہب اختیار کر لیا جن میں ایک ان کے ساتھ رہنے والے ان کے شاگرد علامہ زمخشری بھی شامل ہیں۔

ابو مضر نے اپنی ذکاوت محنت اور لائق مندی کے نقوش اپنے شاگرد زمخشری کے دل و دماغ پر نقش کر دیئے تاکہ ان کے جانے کے بعد وہ ان کے جانشین بن کر ان کے علوم کا خیال رکھیں اور ان کے سرمایہ کی حفاظت کرتے رہیں اس پر بطور دلیل کے زمخشری کے نظام الملک کے نام یہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔

الیک نظام الملک شکوای فاستمع الی بث مجذوذ المعائش ضنکها

ولو لم یدمتن الضبی عنی عراکها لنالت یدا البلوی ادیمی بعرکها

ترجمہ: ''نظام الملک آپ کی خدمت میں ہی میری درخواست ہے تنگ اور ٹوٹی ہوئی زندگی کو آسودہ کرنے کی طرف توجہ فرمائیں ضبی کی پشت پناہی اگر زندگی کی تلخیاں مجھ سے نہ ہٹاتی تو مصائب اپنی تمام تر تلخیوں کے ساتھ میرے جسم پر ڈیرہ ڈال دیتے۔''

زمخشری اپنے استاذ سے محبت کرنے والے اور وفادار شخص تھے سن ۵۰۷ھ میں

جب ان کا انتقال ہوا تو زمخشری نے کہا۔ شعر

فقلت لطبعي هات كل ذخيرة	فمن اجله ما ذلت ادخر الذخرا

وابرز كريمات القوافي و غرّها	فمنه استفدنا العلم و النظم والنثرا

ترجمہ: ”میں نے اپنی طبیعت سے کہا تمام جمع کردہ ذخیرے لے آؤ عمر بھر انہی کی وجہ سے میں یہ ذخیرے جمع کرتا رہا عمدہ اور بہترین اشعار ان کے آستانہ عالیہ پر پیش کرو۔ یہ علم نظم نثر سب انہی کا دیا ہوا ہے۔“

یہ عمدہ شعر بھی ان کے مرثیے کا ہے:

وقائلة ما هذه الدرر التي	تساقط من عينيك سمطين سمطين؟

فقلت هو الدر الذي كان قد حشا	ابو مضر اذني تساقط من عيني

ترجمہ: ”کسی نے پوچھا موتیوں کی جو یہ دو لڑیاں تمہاری آنکھوں سے گر رہی ہیں کیا ہیں؟ میں نے کہا موتی کی یہ لڑیاں وہی ہیں جو ابو مضر نے میرے کان میں ڈالی تھیں جواب میری آنکھوں سے گر رہی ہیں۔“

اساتذہ

علامہ زمخشری نے ادب کی تعلیم ابو الحسن علی بن مظفر نیشاپوری[1] سے بھی حاصل

---

[1] یہ نام ”معجم الادباء“ (۹/۱۲۷) میں امام زمخشری کے تذکرہ میں اسی طرح ہے ڈاکٹر احمد حوفی نے اپنی کتاب ”الزمخشری“ صفحہ نمبر ۵۰ پر اس کو غلط کہا ہے ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ابو علی حسن بن مظفر اصبہانی جیسا کہ ”معجم الادباء“ (۹/۱۹۱) پر ہے۔ ڈاکٹر حوفی کہتے ہیں کہ یہ ابو مضر سے پہلے امام زمخشری کے استاذ تھے لیکن ڈاکٹر احمد حوفی یہاں بہت بڑی غفلت کا شکار ہو گئے ہیں۔ ”معجم الادباء“ (۹/۱۹۱) پر ابو علی حسن بن مظفر نیشاپوری کی سن وفات کے الفاظ یہ ہیں ”چار رمضان ۴۴۲ میں ان کا انتقال ہوا اور زمخشری کی ولادت ابو علی کے انتقال کے ۲۵ سال بعد ۴۶۷ میں

کی اور حدیث کی تعلیم بغداد میں شیخ الاسلام ابو منصور نصر حارثی، ابو سعد شقانی نیشاپوری اور محدث ابو الخطاب نصر بن احمد بن عبداللہ بن البطر[1] (متوفی ٤٩٤ھ) سے حاصل کی۔

بغداد میں ان کی ملاقات امام فقیہ ابو الحسین احمد بن علی دامغانی حنفی سے ہوئی۔[2] وفات ٥٤٠ سے ہوئی۔

ہوئی" تو امام زمخشری ان کے شاگرد کیسے ہو سکتے ہیں! ہاں ابن مظفر کا تذکرہ اس کتاب میں یوں ہے۔ "اپنے زمانہ میں اہل خوارزم کے وہ مؤدب، استاذ شاعر اور سب سے آگے تھے اور سب علم و فضل میں ان کی طرف اشارہ کرتے تھے اور وہ ابو مضر سے قبل ابو القاسم زمخشری کے استاد تھے۔

اس عبارت کی وجہ سے ڈاکٹر حوفی سے وہ غلطی سرزد ہوئی اور اس آخری جملے کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ کتاب پر کام کرنے والوں سے سہو ہو گیا ہے۔

کیونکہ ابن مظفر کی سن وفات ٤٢٢ یقینی ہونے پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابن مظفر نے ابن سینا کی طرف ایک رقعہ لکھ کر ان کی مدح سرائی کی ہے دیکھئے "معجم الادباء" (١٩٣/٩) ابن سینا کی سن وفات ٤٢٨ ہے خلاصہ یہ ہوا کہ زمخشری ابن مظفر کے دنیا سے جانے کے ٤٥ سال بعد پیدا ہوئے تو وہ ان کے شاگرد کیسے ہو سکتے ہیں تو صحیح نام وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

[1] "البطر کتف" کے وزن پر ہے دیکھئے قاموس، مادہ بطر قاموس کے شارح علامہ زبیدی نے "تاج العروس" (٥٣/٣) میں ان کا تذکرہ یوں کیا ہے کہا جاتا ہے کہ ان کی سن ولادت ٣٩٨ اور سن وفات ١٢ ربیع الاول ٤٩٤ میں ہوئی۔

ڈاکٹر حوفی اپنی کتاب "الزمخشری" کے صفحہ نمبر ٤٩ پر کہتے ہیں زمخشری نے ابو الخطاب بن ابو البطر سے سماع کیا ہے جیسا کہ سیوطی کی "طبقات المفسرین" کے صفحہ ٤١ پر ہے۔ میں نے ان کا تذکرہ تراجم اور طبقات کی دیگر کتابوں میں نہیں پایا۔ یہاں بھی ابو الخطاب کے نسب میں تحریف ہو گئی ہے وہ بغیر لفظ "ابو" کے ابن البطر ہیں۔ دیکھئے "طبقات المفسرین"، "تاج العروس" میں زبیدی نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ وہ قاری اور محدث تھے انہوں نے ان کی اور ان کے بھائی کی سن ولادت اور سن وفات بھی ذکر کی ہے۔

[2] دیکھئے قفطی کی "انباہ الرواۃ" (٢٦٨/٣) پر استاذ ابو الفضل ابراہیم کی تعلیق قرشی کی "الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ" (٨٢٠/١) میں اس دامغانی کا تذکرہ موجود ہے۔ ڈاکٹر حوفی اپنی

امام ابو الیمن زید بن حسن کندی بغدادی دمشقی کہتے ہیں کہ امام زمخشری اپنے زمانہ میں عجم میں سے عربیت کے سب سے بڑے عالم تھے اور اہل عجم میں سے عربیت کی کتب پر سب سے زیادہ ان کی نظر تھی وہ اہل عجم کے ''خاتمۃ الفضلاء'' تھے۔

۵۳۳ھ میں وہ ہمارے پاس بغداد آئے۔[1]

کتاب ''الزمخشری'' صفحہ نمبر ۵۰ پر کہتے ہیں۔ دامغانی یہ قاضی القضاۃ ابو عبداللہ محمد بن علی دامغانی ہیں۔ ایک عرصہ تک والی بغداد رہے۔ قضا اور ریاست انہی سے وابستہ تھی۔ وہ فقیہ تھے بغداد میں ۴۹۸ھ میں وفات پائی۔ دیکھئے سمعانی کی ''الانساب'' ڈاکٹر صاحب کی اس عبارت میں ایک تحریف اور ایک غلطی ہے، دامغانی کی وفات ۴۷۸ھ میں ہوئی نہ کہ ۴۹۸ھ میں، دیکھئے سمعانی کی ''الانساب'' (۵/۲۹۰) اور ''الجواہر المضیئہ'' (۲/۹۷) یہ تو تحریف ہے رہی غلطی تو وہ یہ ہے کہ اس دامغانی کی ولادت ۳۹۸ اور وفات ۴۷۸ میں ہوئی اور اس دامغانی کی وفات کے وقت زمخشری کی عمر گیارہ سال تھی اور وہ اپنے شہر خوارزم میں ایام طفولیت گزار رہے تھے تو وہ اس دامغانی کے کیسے شاگرد ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا زمخشری کے استاد دامغانی وہ نہیں ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا۔

[1] ڈاکٹر حوفی اپنی کتاب ''الزمخشری'' کے صفحہ نمبر ۵۰ پر کہتے ہیں ''انباہ الرواۃ'' (۳/۲۷۰) میں قفطی کہتے ہیں ۵۳۳ میں زمخشری ہمارے پاس بغداد آئے میں نے ان کو اپنے شیخ ابو منصور جوالیقی کے پاس بعض کتابوں کا ابتدائی حصہ پڑھتے اور ان کی اجازت لیتے دیکھا۔ اس عبارت میں ایک بہت بڑی غلطی ہے وہ یہ کہ قفطی ۵۶۸ میں پیدا ہوئے اور ۶۴۶ھ میں فوت ہوئے تو وہ ایسے شخص کی مجلس میں کیسے ہو سکتے ہیں جو سن ۵۳۳ھ میں تھا۔ اصل میں یہ غلطی استاد محمد ابو الفضل ابراہیم جو کہ قفطی کی ''انباہ الرواۃ'' کے محقق ہیں ان سے سرزد ہوئی ہے۔ زمخشری کی جوالیقی سے ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے لفظ قلت میں نے کہا۔ لکھ دیا۔ جس سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ اس کا قائل قفطی ہیں اگر وہ یہاں۔ قال۔ اس نے کہا لکھتے جیسا کہ نسخہ۔ ب۔ میں ہے۔ تو یہ ضمیر ابو الیمن کندی کی طرف لوٹتی جیسا کہ ہم نے ابن خلکان کے حوالے سے بیان کیا اور یہ غلطی پیدا نہ ہوتی یہاں استاذ ابو الفضل کی غلطی نے ڈاکٹر حوفی کو غلطی میں ڈالا ہے۔

میں نے اپنے شیخ ابو منصور جوالیقی کے پاس ان کو لغت کی بعض کتابوں کو پڑھتے اوران کی اجازت لیتے ہوئے دو مرتبہ دیکھا۔

اجازت وہ اس لئے لیتے تھے کہ ان کے پاس اپنے علم پر کسی شیخ کی ملاقات اور روایت نہ تھی (دیکھئے ابن خلکان کی ''وفیات الاعیان'' میں انہی ابوالیمن کندی کا تذکرہ)

ل ''وفیات الاعیان'' (۱/۱۹۶) یہ واقعہ امام زمخشری کی وفات سے پانچ سال پہلے کا ہے اس وقت موصوف کی عمر ۶۶ سال تھی۔ اس وقت وہ دنیا کے شہرہ آفاق امام تھے اوران کے کثیر تلامذہ دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود وہ استفادہ کی غرض سے امام جوالیقی کے آگے بیٹھنے سے شرمائے نہیں۔ اس سے امام زمخشری کی علم سے وابستگی اوراس کو بڑے علماء سے حاصل کرنے کی تڑپ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے حالانکہ امام زمخشری ان سے بلند پایہ عالم تھے اور ان علماء کا استفادہ کی ان مجالس میں بیٹھنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے اس لئے کہ ان کے ہاں علم کی قیمت لوگوں کے ہاں اپنے مقام کی قیمت سے زیادہ تھی۔ اس لیے وہ خود جلیل القدر علماء ہونے کے باوجود شاگردوں کی طرح علمی مجالس میں بیٹھے۔

امام ذھبی ''تذکرۃ الحفاظ'' (۴/۱۳۴۲۔۱۳۴۶) میں امام ابن جوزی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، ابن جوزی جو کہ امام علامہ حافظ عراق کے عالم اور شہرہ آفاق واعظ ہیں، اپنے ہاتھ سے انہوں نے اتنا کچھ لکھا ہے جو کہ نا قابل بیان ہے جتنی تالیفات اس شخص کی ہیں شاید ہی اتنی کسی اور کی ہوں۔

عراق کے شہر واسط میں انہوں نے اسی سال کی عمر میں ابن باقلانی سے قرأت عشرہ پڑھی ہیں ان کے ساتھ ان کا بیٹا یوسف بھی پڑھتا تھا (پڑھو اور تعجب کرو)۔

اس سے بھی عجیب وغریب ایک اور مثال سنیئے ایک بہت بڑا عالم اپنے ایک ادنیٰ طالب علم کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھتا ہے، خود استفادہ کی غرض سے طالب علم بن کر بیٹھتا ہے اور شاگرد کو استاذ کی مسند پر بٹھاتا ہے اوراس سے عاجزی کے ساتھ انساب کے متعلق دریافت کرتا ہے، یہ شاگرد امام فخر الدین رازی ہیں جن کی شہرت پوری دنیا میں پھیلی اور رہتی دنیا تک جلیل القدر علماء نے ان کی امارت کو تسلیم کیا۔ سن ۵۴۴ھ میں پیدا ہوئے ۶۰۶ میں افغانستان کے شہر ہرات میں

اپنے مدرسہ کے قریب مدفون ہیں۔ (۲۰۱۴ / ۱۴۳۵ھ) میں میں نے ان کی قبر کی زیارت کی ہے۔

اس عظیم امام کی ۶۰۰ ہجری کے قریب وفات سے دو سال قبل ساٹھ سال کی عمر میں مرو شہر میں تشریف آوری ہوئی ان کی امامت اور عظیم مرتبے کے مطابق ان کا فقید المثال استقبال ہوا۔ علامہ یاقوت حموی "معجم الادباء" (۶/ ۱۴۸) اور اشاعت جدیدہ (۴/ ۲۵۴۳) ان کے دوست عزیز الدین ابو طالب اسماعیل بن حسین مروزی جو کہ انساب کے ماہر علوی اور حسنی ہیں ان کی ولادت ۵۷۲ھ میں اور سن وفات ۶۱۴ھ ہے ان کے تذکرہ میں کہتے ہیں مجھے عزیز الدین نے بیان کیا ہے فخر الدین رازی مرو تشریف لائے۔ ان کی جلالت بلند مقام اور ہیبت کی وجہ سے نہ ان کے سامنے کوئی بات کرتا اور نہ سانس لے سکتا تھا۔ جیسا کہ مشہور ہے ایک دن میں ان کے پاس گیا انہوں نے مجھے اس وقت عزیز الدین کی عمر ۳۰ سال کے قریب تھی کہا کہ تم میرے لئے آل ابو طالب کے انساب کے بارے میں ایک عمدہ کتاب لکھو تاکہ میں اس کو پڑھوں میں نہیں چاہتا کہ میں اس سے ناواقف رہوں، میں نے کہا آپ شعری صورت میں چاہتے ہیں یا نثر میں؟ انہوں نے کہا شعر کا یاد کرنا مشکل ہے اور میں اسے یاد کرنا چاہتا ہوں تو میں نے کہا جیسے آپ کا حکم۔ پھر میں چلا گیا اور تھوڑے عرصے بعد "الفخری" کے نام سے ایک کتاب لے کر ان کے پاس آگیا، کتاب کو دیکھنے کے بعد وہ اپنی مسند سے اٹھ کر چٹائی پر بیٹھ گئے اور مجھے کہا تم اس پر بیٹھو، مجھے یہ بات بہت بڑی لگی تو میں نے ان کو دعا دیتے ہوئے کہا۔ حضرت میں تو آپ کا خادم ہوں، آپ کی مسند پر بیٹھنا میری شان کے لائق نہیں تو انہوں نے مجھے سخت ڈانٹا اور مجھے اوپر بیٹھنے پر مجبور کیا اور کہا جہاں میں کہہ رہا ہوں اسی جگہ بیٹھو۔ اللہ جانتا ہے کہ اس وقت مجھ پر ان کی اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ مجبوراً مجھے ان کی جگہ پر بیٹھنا پڑا۔ پھر انہوں نے میرے سامنے وہ کتاب پڑھنی شروع کی جو بات ان کو مشکل لگی اس کے بارے میں مجھ سے استفسار کرتے یہاں تک کہ میں نے ان کو پڑھنے سے روکا، پڑھنے سے جب وہ فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے کہا اب تمہاری مرضی جہاں بیٹھو، کیونکہ اس علم میں تم میرے استاذ ہو اور میں تمہارا شاگرد اور ادب کا تقاضا یہی ہے کہ شاگرد استاذ کے سامنے بیٹھے۔ اس کے بعد میں اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ اپنی مسند پر بیٹھے پھر میں نے ان کے سامنے ایسے ہی بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا جیسے وہ بیٹھے تھے بجائے

بہترین ادب ہے خاص کر کے ایسے عظیم المرتبت انسان کی جانب سے۔

ان جلیل القدر علماء کے ہاں علم کی قیمت دیکھو اور ان عظیم لوگوں کے ہاں بہترین تواضع کا عجیب منظر دیکھو۔ اس تواضع نے ان کے مقام عالی اور محامد و فضائل میں اضافہ کیا ہے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔ شعر

تواضع تكن كالنجم لاح لناظر — على صفحات الماء وهو رفيع

ولا تكن كالدخان يعلو بنفسه — الى طبقات الجو وهو وضيع!

ترجمہ: تواضع اختیار کرو ستارے کی طرح ہو جاؤ گے جو دیکھنے والے کو پانی کی سطح پر دکھائی دیتا ہے حالانکہ ہوتا وہ بلند ہے۔

دھوئیں کی طرح نہ ہو جاؤ جو خود کو فضاؤں میں بلند کرتا ہے حالانکہ ہوتا گھٹیا ہے۔

ان کبار ائمہ کا اپنے شاگردوں کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھنے سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاں علم کی قدر و قیمت لوگوں کے ہاں اپنے مقام و مرتبہ کی قیمت سے زیادہ تھی۔ اس لئے تو وہ لوگوں کے سامنے اپنے شاگردوں سے پڑھنے لگے اور اس میں کوئی عار و شرم محسوس نہیں کی بلکہ اس کے ذریعے سے تو ان کا ذکر خیر تو شیخ اور لوگوں کے ہاں ان کا مرتبہ اور بڑھ گیا اپنی اس خصلت حسنہ سے وہ بعد کے لوگوں کو یہ پیغام بھی دے گئے کہ وہ بھی تحصیل علم میں ایسا ہی کریں جیسا انہوں نے کیا۔ جلیل القدر علماء کے اپنے شاگردوں سے پڑھنے کی چوتھی مثال سنیں۔ صفدی کی کتاب "الوافی بالوفیات" (۱۹۶/۷) پر حافظ ابوبکر خطیب بغدادی ان کی ولادت بغداد میں سن ۳۹۳ میں اور بغداد ہی میں ہی وفات سن ۴۶۳ میں ہوئی کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے، ابوبکر خطیب شیخ ابو اسحاق شیرازی درس میں حاضر ہوئے تو شیخ نے "بحر بن کنیز سقاء" کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی پھر خطیب سے کہا تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ خطیب نے کہا اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اس کا حال عرض کروں؟ اتنا کہنا تھا کہ ابو اسحاق نے اپنی پیٹھ دیوار سے الگ کر لی اور شاگرد بن کر بیٹھ گئے اور خطیب کا کلام سننے لگے خطیب نے ان کے احوال بیان کرنا شروع کئے اور عمدہ طریقے سے اس کے تمام احوال بیان کر دیئے۔ ائمہ کے جو اقوال جرح و تعدیل میں ان کے بارے میں تھے سب عرض کر دیئے جب وہ فارغ ہوئے تو ابو اسحاق نے خطیب کے بارے میں اچھے کلمات کہے اور فرمایا کہ یہ ہمارے زمانہ کا دار قطنی ہے اس قسم کی اور

علمی کمال اور تواضع

ابوالبرکات بن انباری اپنی کتاب "نزھۃ الالباء" میں امام زمخشری کے تذکرہ میں کہتے ہیں سفر حج کے دوران وہ بغداد تشریف لائے تو ہمارے شیخ شریف بن شجری ان کو خوش آمدید کہنے کے لئے ان کے پاس آئے، ان کو ملنے کے بعد شیخ شریف نے کہا، شعر

كانت مساءلة الركبان تخبرني عن أحمد بن داود أطيب الخبر
حتى التقينا فلا والله ما سمعت أذني بأحسن مما قد رأى بصري[1]

ترجمہ: "قافلوں کا آپس میں سوالات پوچھنا مجھے احمد بن داؤد کے بارے میں عمدہ خبریں دے رہا تھا یہاں تک کہ ہماری ان سے ملاقات ہوئی تو بخدا میری آنکھوں نے اس سے کم کا مشاہدہ نہیں کیا جتنا میرے کانوں نے سنا تھا۔"

اور یہ بھی کہا۔ شعر

واستكبر الأخبار قبل لقائه فلما التقينا صغّر الخبرَ الخُبْرُ[2]

ترجمہ: "ملاقات سے قبل میں ان کے بارے میں آنے والی خبروں

بھی مثالیں ہیں جن میں سے بعض میں نے اپنی کتاب "صفحات من صبر العلماء" میں ذکر کی ہیں (ص ۷۰-۷۳) پر ابو الفتیان عمر بن عبدالکریم دھستانی رواسی کا تذکرہ نمبر ۳۸ دیکھو، ان سے ان کے اساتذہ خطیب بغدادی، امام غزالی اور دیگر ان کے اساتذہ نے ان سے پڑھا ہے اور صفحہ نمبر ۱۳۴-۱۳۵ پر امام حرمین عبدالملک بن عبداللہ جوینی کا تذکرہ نمبر ۱۰۸ دیکھو اس شہرہ آفاق امام نے اپنے شاگرد ابوالحسن مجاشعی قیروانی سے نحو پڑھی ہے۔

[1] قاضی ابن خلکان نے "وفیات الاعیان" (۱/۱۳۶) پر ابوعلی جعفر بن فلاح کتامی کے تذکرہ میں ان اشعار کے متعلق گفتگو کی ہے۔

[2] یہ شعر متنبی کا ہے، دیکھئے اس کا دیوان (۲/۱۵۵)

سنا ہوا تھا تھا لیکن ملاقات کے بعد دیکھنے سے ان کے بارے میں
خبروں کو کم جانا۔"

اور اس کے علاوہ اور بھی مدح سرائی کی شیخ شریف کے خاموش رہنے تک زمخشری کچھ نہ بولے جب وہ خاموش ہوئے تو زمخشری نے ان کا شکریہ ادا کیا اور خوب تعظیم کی اور خود کو ان کے سامنے کمتر سمجھا اور فرمایا۔ حضرت زید ؓ آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو دیکھنے کے بعد بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے زید جس شخص کی بھی میرے سامنے تعریف کی گئی میں نے اس کو اس تعریف سے کم پایا سوائے تمہارے کہ جتنی تعریف تمہاری میرے سامنے کی گئی میں نے تم کو اس سے بڑھ کر پایا۔ زمخشری نے شریف کو کہا آپ بھی اسی طرح ہیں۔ حاضرین ان دو جلیل القدر علماء کے کلام سے حیران ہوئے کیونکہ زمخشری کی باتیں واقعی شریف کے لائق تھیں اور شریف کے اشعار کے واقعۃً زمخشری مصداق تھے۔ ادیب مقری اپنی کتاب "ازہار الریاض فی اخبار عیاض" میں کہتے ہیں شیخ ابو حیان باب قسم میں کہتے ہیں زمخشری نے سن ٥٢٠ سے قبل ہمارے ایک اندلسی ساتھی ابو بکر عبداللہ بن طلحہ یابری اشبیلی اندلسی جو کہ مکہ کے مجاور اور کتاب نحو وغیرہ کے عالم تھے خود ان کی بھی بہت سی تصنیفات ہیں، ان سے کتاب سیبویہ پڑھنے کے لئے خوارزم سے مکہ کا سفر کیا۔ واخشری کہتے ہیں کہ یابری "فقہ اصول فقہ کے عالم تھے نحو کے ماہر اور تفسیر کے حافظ اور ذہین تھے۔ تفسیر، فقہ اور اصول فقہ میں ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ ایک عرصے تک مصر میں رہے پھر مکے کا سفر کیا پھر وفات تک بیت اللہ کے مجاور رہے سن ٥١٢ھ میں وہ زندہ تھے۔

---

١ (٣:٧٧)

٢ ابن جنی کہتے ہیں عرب کی یہ عادت ہے کہ جب کسی چیز کو معنی سے متعلق کرنا چاہتے ہوں تو اسی کو اسی کی جنس کا نام دے دیتے ہیں جیسے عبد کو بیت اور سیبویہ کی کتاب کو کتاب کہا جاتا ہے۔ دیکھئے مقدمہ طیبی کی "التبیان فی علم المعانی والبدیع والبیان" (١:٢)

سیبویہ کی کتاب پر ان کو مکمل عبور حاصل تھا اسی لئے زمخشری ان سے اس کتاب کو پڑھنے کے لئے خوارزم سے ان کے پاس سفر کر کے گئے۔[1]

زمخشری جب خوارزم میں تھے دور دور سے قافلے ان کی طرف آتے تھے اور لوگوں کا جم غفیر ان کے صحن میں ڈیرے ڈالے رکھتا تھا۔

اور امیروں کی سواریوں پر ان کے نام کی حدی خوانی کی جاتی تھی۔ لاتعداد علماء نے ان سے پڑھا اور ان سے ان کے علوم کی اجازت طلب کی ان اجازت طلب کرنے

---

[1] زمخشری نے امام ابو عبد اللہ بن طلحہ یابری، حصہ باء کے رہنے والے (دیکھئے "معجم البلدان") سے کتاب سیبویہ پڑھنے کے لئے جب خوارزم سے مکہ کا سفر کیا اس وقت ان کی عمر تقریباً پچاس سال تھی اور وہ اس وقت علوم عربیت میں امام اور استاذ تھے۔ دور دور سے لوگ ان سے وہ علوم پڑھنے کے لئے آتے تھے اس کے باوجود کتاب سیبویہ پڑھنے کے لئے ان کا یہ طویل سفر علم کی زیادتی اور اس کو کبار علماء سے حاصل کرنے کے لئے تھا اور یہ ایک بڑے امام کا دوسرے بڑے امام کے سامنے شاگرد بن کر بیٹھنے کا دلکش منظر ہے۔ بہت کم ایسا منظر دیکھنے میں آتا ہے ابن مالک کی کتاب "التسہیل" کے شارح شیخ محمد بن سلسیلی مصری متوفی ۷۷۰ھ اپنی کتاب "شفاء العلیل فی ایضاح التسہیل" (۲/ ۲۸۸) پر قسم کی بحث میں کہتے ہیں۔ زمخشری نے کتاب سیبویہ تدبر اور تحقیق کے ساتھ نہیں پڑھی صرف اس پر سرسری نظر ہی ڈالی ہے لیکن اس کے باوجود وہ کس قدر قابل فخر اور کس قدر ان کی رائے غالب ہوا کرتی تھی (عفا اللہ عنہ) وہ شخص جو شرق اقصیٰ سے مکہ کا سفر صرف علوم عربیت کے ایک امام سے کتاب سیبویہ پڑھنے کے لئے کرے اس کے بارے میں ایسی بات کرنا اچھا نہیں ہے۔ زمخشری کتاب سیبویہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں شعر:

الا صلى الالٰه صلاة حق ۔۔۔ على عمرو بن عثمان بن قنبر

فان كتابه لم يغن عنه ۔۔۔ بنو قلم ولا ابناء منبر

ترجمہ: عمرو بن عثمان بن قنبر پر اللہ کامل رحمت نازل کرے کیونکہ ان کی کتاب سے کوئی صاحب قلم و منبر مستغنی نہیں ہے۔"

والوں میں سے ایک حافظ سلفی بھی ہیں۔ زمخشری کی ان کو اجازت ان کے کمال تواضع اور علماء کے ساتھ بلند پایہ اخلاق کی نشاندہی کرتی ہے۔ دیکھئے ''ازھار الریاض'' میں سلفی کی پہلی اور دوسری اجازت طلب کرنے کا طریقہ اور زمخشری کی اجازت دینے کا سلیقہ آپ کے سامنے آداب اور معارف کے کئی دریچے وا ہوں گے۔ قفطی ''انباہ الرواۃ'' میں امام زمخشری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں وہ علم ادب نحو لغت میں ضرب المثل تھے۔ تفسیر حدیث کے مشکل الفاظ کے حل اور نحو وغیرہ میں ان کی بہت سی تالیفات ہیں۔ خراسان و عراق میں وہ داخل ہوئے جس شہر میں بھی وہ گئے لوگ ان کے اردگرد جمع ہو گئے اور شاگرد بن کر استفادہ کرنے لگے وہ ادب کے علامہ اور عجمی ہونے کے باوجود عرب کے انساب کے ماہر تھے۔ خوارزم میں ایک عرصہ رہنے کے بعد حج کے لئے سفر کیا تھوڑا عرصہ حجاز میں رہے یہاں تک کہ شہروں اور دیہاتوں میں ان کی شہرت پھیل گئی پھر وہ خوارزم واپس لوٹے۔

اپنے زمانہ کے علماء میں وہ علامہ کے نام سے شہرہ آفاق تھے علامہ جب بولا جاتا تو وہی مراد لئے جاتے ابو طاہر سلفی نے جب ان سے دو مرتبہ اجازت طلب کی تو ان کو نام کی بجائے صرف علامہ لکھا تو زمخشری نے بلند تواضع اور عمدہ ادب کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی طرف لکھا جلیل القدر علماء کی صف میں میں ایسا ہی ہوں جیسے ''سہا'' نامی معمولی ستارہ آسمان کے باقی ستاروں میں حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ کا لقب میرے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے علامت کا تعلق کتابت کے ساتھ بعض عرب کا کہنا ہے کہ کسی سے پوچھا گیا کہ تمہیں نعامہ (شتر مرغ زینت میں ضرب المثل ہے) کیوں کہا جاتا ہے تو اس نے کہا نام صرف علامت ہوتے ہیں، اچھا نام رکھنے سے کوئی بزرگ نہیں بن جاتا، اچھا نام رکھنے سے اگر کوئی بزرگ بنتا تو تمام لوگ ایک ہی نام رکھتے اور میری جائے پیدائش خوارزم کی بستیوں میں سے ایک گمنا بستی زمخشر ہے (عبدالفتاح کہتے ہیں کہ) دیکھئے کہ ان کبار علماء کا عمدہ تواضع اور خود کو کمتر سمجھنا۔ زمخشری کو دیکھئے کیسے انہوں نے اپنی ذات اور اپنے مقام کو

کرا کر اپنے لقب علامہ کو مدت تک برابر قرار دیا اور اپنی بستی زمخشر کو ایک گمنام بستی قرار دیا ہے ان کا وہ تواضع جس سے لوگوں میں ان کا مقام بلند ہوا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اکثر کبار علماء کی جائے پیدائش گمنام بستیاں ہی ہیں، پھر جب اللہ نے ان علماء کو علم سے شہرت دی تو ان کی بستیاں اپنے علماء کی وجہ سے دنیا کے بڑے بڑے شہروں اور آبادیوں میں شمار ہونے لگیں۔ مصر کے مختلف شہروں اور بستیوں کی طرف منسوب علماء کے احوال خود بھی دیکھئے اور دوسروں کو بھی دکھائیے۔

زمخشری کی وجہ سے زمخشر کی قدر بڑھی

زمخشر کی بستی کے بارے میں بھی بہت سے لوگوں نے اشعار اور قصیدے لکھے ہیں اور یہ صرف امام زمخشری کی وجہ سے ہے ورنہ زمخشر تو خوارزم کی ایک گمنام سی بستی ہے۔

شریف ابوالحسن علی بن حمزہ بن وھاس حسنی مدنی کا زمخشر کے بارے میں قصیدہ سنیئے۔ شعر

جمیع قری الدنیا سوی القریة التی تبواھا دارا فداء زمخشرا

و أحر بأن تزھی زمخشر بامرئ اذا عد فی اسد الشری زمخ الشری

فلولاہ ما طن البلاد بذکرھا ولا طار فیھا منجدا و مغوّر

فلیس ثناھا بالعراق واھلہ بأعرف منہ فی الحجاز وأشھرا

ترجمہ: ”سوائے اس بستی کے جس کو زمخشری نے جائے مسکن بنایا، دنیا کی تمام بستیاں زمخشر پر قربان ہوں جس شخص کو اگر شری نامی مقام کے شیروں میں شمار کیا جائے تو وہ مقام بھی فخر کرے۔ اگر ایسے شخص کے وجود سے بھی زمخشر کو مزین کیا جائے تو اس کو کم سمجھو۔ اگر امام زمخشری نہ ہوتے تو زمخشر کی بستی بھی شہرہ آفاق نہ ہوتی اور نہ ہی اس میں کوئی بلند اور کمتر پرواز کرتا۔“

عراق اور اہل عراق جتنے اس کی مدح میں رطب اللسان ہیں حجاز اور اہل حجاز اس

سے کم نہیں ہیں۔

غیری کی حد سے زیادہ مبالغہ آمیزی بھی سنیئے۔

ولو وازن الدنیا تراب زمخشر لانک منہا زانہا اللّٰہ رجحانا

ترجمہ۔ ”اے زمخشری چونکہ آپ زمخشر میں رہتے ہیں اس لئے پوری دنیا کا موازنہ اگر اس کی مٹی سے کیا جائے تو اللہ زمخشر کی مٹی کے پلڑے کو جھکا دے گا۔“

مختلف علوم میں امامت:

وہ تفسیر نحو، لغت، ادب اور بیان میں امام تھے علم میں وسیع اور بہت سے فضائل والے تھے۔ ذکاوت اور فطرت کی عمدگی میں بے نظیر تھے مختلف علوم کے وہ ماہر تھے۔

ابو القاسم معتزلی دروازے پر حاضر ہے

وہ حنفی المذہب اور معتزلی تھے اور اپنے معتزلی ہونے کا وہ اعلانیہ اظہار بھی کیا کرتے تھے وہ جب کسی کے ہاں جاتے تو دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے ”ابو القاسم معتزلی“ دروازے پر حاضر ہے۔

عربی زبان سے لگاؤ

عرب اور عربی سے انہیں دلی لگاؤ تھا۔ انہوں نے اپنی زبان اور قلم کو عرب اور عربی کے دشمن فرقہ شعوبیہ[1] کے خلاف خوب چلایا۔

---

[1] شعوبیہ شین کے ضمہ کے ساتھ یہ وہ لوگ تھے جو عرب کی تحقیر کیا کرتے تھے اور یہ لفظ شعب کی جمع شعوب بمعنی قبائل کی طرف منسوب ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے 'بنائے ناریں' کو 'بناوی' کہا جاتا ہے۔ وجعلنکم شعوبا و قبائل: (اور ہم نے رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے) اس آیت کے ظاہر سے استدلال کر کے ان لوگوں نے خود کو شعوبیہ کہلوایا۔ ابن سیدہ اپنی کتاب المحکم میں کہتے ہیں کہ عجم کے ایک قبیلے پر شعوبیہ کے لفظ کا استعمال غالب ہے لیکن جو بھی عرب کی تحقیر کرے اس

نحو میں ان کی کتاب "المفصل" عربی کی خدمت کے اعتبار سے اس لائق ہے کہ اسے عربیت کی خادم اور نگہبان کہا جائے۔

المفصل کا مقدمہ

اس کتاب کے مقدمے میں وہ کہتے ہیں۔ میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اس نے مجھے علماء عربیت میں سے بنایا اور مجھے عرب کی حمایت میں اس کے دشمنوں کے خلاف غضبناک پیدا کیا اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں عرب کے مخلص مددگاروں سے علیحدہ ہونے سے انکار کروں اور فرقہ شعوبیہ کے ساتھ ملنے سے دور رہوں اور مجھے ایسے مذہب سے بچایا جس کی حمایت میں ملعونوں کی زبانوں کے ہذیان کے سوا کچھ نہیں اور طعنہ زنوں کی نیزہ بازی کے سوا اس کو کسی کی پشت پناہی حاصل نہیں اور سب سے اعلیٰ درود وسلام کا نذرانہ عقیدت میں پیش کرتا ہوں۔

آگے بڑھنے اور پیچھے رہنے والوں میں سے سب سے افضل ذات کی دربار عالیہ میں یعنی محمد ﷺ جو بنی عدنان کی سرداری کی وجہ سے معزز اور قریش کے اعلیٰ خاندان میں سے تھے۔

جو روشن کتاب کے ساتھ ہر سیاہ وسفید کی طرف مبعوث ہوئے اور میں ان کی پاکیزہ آل کے لئے رضامندی کی دعا کرتا ہوں اور ان کے دشمنوں کے خلاف بددعا کرتا ہوں۔

وہ لوگ جو عربیت کو حقیر سمجھتے ہیں اور اسے اس کے مقام عالی سے گرانا چاہتے ہیں۔

اور اس وجہ سے کہ اللہ نے اپنے افضل رسول اور افضل کتاب کو عجم کے بجائے

کو شعوبی کہہ دیا جاتا ہے اگرچہ اس کا تعلق اس فرقے سے نہ ہو اور جمع کے صیغے کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرقہ ایک زمانہ تک غالب رہا جیسے انصاری کہا جاتا ہے۔ دیکھئے امام ابن یعیش کی شرح "المفصل" (۵/۱)

عرب سے بنا یا وہ عربی کے بلند میناروں کو پست کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ روشن نور کو چھپانے اور سیدھے راستے سے کنارہ کشی میں فرقہ شعوبیہ سے کم نہیں ہیں۔

قلت انصاف اور حد سے زیادہ ظلم میں ان کا حال قابل تعجب ہے اس لئے کہ فقہ، علم کلام، تفسیر، تاریخ اور دیگر تمام علوم اسلامیہ کا جو احتیاج عربی کی طرف ہے وہ ناقابل تردید اور بالکل عیاں ہے۔ فقہ کے اصول اور اس کے اکثر مسائل کی عبارتیں علم النحو پر مبنی ہیں۔ تفاسیر اٹھا کر دیکھئے جو سیبویہ، اخفش، کسائی، فراء، بصری اور کوفی نحویوں کے اقوال سے بھری ہوئی ہیں۔ نصوص میں ان کے اقوال سے استدلال اور ان کی تاویلات کو مضبوطی سے پکڑا گیا ہے۔ علماء کی علمی گفتگو ان کی تدریس اور مناظرہ اسی زبان میں ہوا کرتا تھا۔ کا تغذیہ ان علماء کا قلم اسی زبان میں چلتا تھا حکمران چیک اور دوسری دستاویزات اسی زبان میں لکھا کرتے تھے وہ جس راستے پر جس طرف بھی چلتے تھے اس زبان کا دامن نہ چھوڑتے تھے۔ عربی کی اس اہمیت کے باوجود مذکورہ بالا کم عقل عربیت کے شرف کا انکار کرتے ہیں اس کی برتری کو ختم کرنے کے درپے ہیں اور اس کی تعظیم و توقیر کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی تعلیم و تعلم سے روکتے ہیں اور اس کی جلد کو ریزہ ریزہ اور اس کے گوشت کو چبانا چاہتے ہیں۔ وہ اس مشہور مثال کے مصداق ہیں جو کہ کھایا بھی جاتا ہے اور اس کو برا بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عربی کی کوئی ضرورت نہیں اور ہمارا عربی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر یہ لوگ صحیح راستے پر ہیں تو پھر یہ لوگ عربی زبان اور اس کی گرامر نحو کو بالکل چھوڑتے کیوں نہیں۔ عربی کی طرف احتیاج کے اسباب ان کے اور عربی و نحو کے درمیان قطع تعلق کیوں نہیں کر دیتے تاکہ یہ لوگ تفسیر قرآن پر عربی اور نحو کے آثار مٹائیں اور اصول فقہ سے ان دونوں کا غبار ہٹائیں۔ استثناء کی بحث کو ندیکھیں کیونکہ وہ نحو ہے معرفہ اور نکرہ میں جو فرق ہے اس کی طرف نظر نہ کریں کیونکہ وہ بھی نحو ہے۔ الف لام جنس اور عہدی کے فرق کو نہ پہچانیں کیونکہ وہ نحو ہے۔ واؤ، فاء، ثم، لام ملک اور لام تعلیل وغیرہ ان حروف سے بحث نہ کریں کیونکہ یہ بھی نحو ہے۔ کسی کلمے کے اختصار و تکرار حذف اظہار اور

مصدر یا اسم فاعل کے صیغے سے طلاق دینے وغیرہ کی مباحث کے اوراق کتابوں سے پھاڑ دیں۔ اِذْ، اِنْ، اِذَا، متی، کلما اور دیگر حروف کے درمیان فرق کو معلوم نہ کریں کیونکہ یہ سب نحو ہیں اور نحو ان کو پسند نہیں ہے۔ "کتاب الایمان" میں امام محمد بن حسن شیبانی نے جو کچھ لکھا ہے یہ لوگ اس کو بے وقوفی کیوں نہیں کہتے۔ ان لوگوں کو چاہئے کہ تدریس کی مجالس اور مناظرہ کے حلقوں میں عجمی زبان بولیں۔

پھر دیکھیں انہوں نے علم کے چہرے پر کوئی جمال اور زینت چھوڑی؟ کیا خواص عوام کے ساتھ مشابہ ہوئے یا نہیں؟ اور دیکھیں مذاق کرنے والے ان کا مذاق اڑاتے ہیں یا نہیں اور دیکھنے والے ان کو اسیف بناتے ہیں یا نہیں۔ اس لئے ان متفرق راستوں میں سب سے بہتر علم النحو کا راستہ ہے اور اس کے اچھے آثار اپنے اندر بہت سی خوبیاں رکھتے ہیں جو شخص قرآن کے بارے میں اللہ سے نہ ڈرتا ہو، عربی نہ جاننے کے باوجود قرآن کی تفسیر و تاویل کرنے لگ جائے تو ایسا شخص اندھے راستے پر چلے گا اور بغیر دیکھے اول فول بکے گا اور کتاب اللہ پر خالص جھوٹ اور افتراء باندھے گا، جس سے کلام اللہ بری ہوگا وہ علم بیان جو الفاظ قرآنی کے نکتے بتلاتا ہے اس کے محاسن کی رونمائی کا کفیل اور اس کے خزینوں کو منظر عام پر لانے کا وکیل ہے۔

کج روی کو اس سے ہٹا کر بھلائی کے راستوں کو سیدھا کرتا ہے تاکہ اس کے چشموں کا ارادہ کرنے والا کسی قسم کی کوئی کراہت محسوس کر کے اس کو چھوڑ نہ بیٹھے۔ اس علم بیان تک رسائی کے لئے جو سیڑھی ہے وہ علم النحو ہے۔ مسلمانوں کے عربی کی طرف احتیاج اور میرے ادبی دوستوں پر میری شفقت اور ان سے میرے تعلق نے مجھے اس طرف متوجہ کیا کہ میں نحو میں ایک ایسی کتاب لکھوں۔ جس میں نحو سے متعلق تمام ابواب آجائیں اس کی ترتیب ایسی ہو کہ اس میں تھوڑی سی کوشش قدری و لمبا فاصلے طے کرا دے اور تھوڑی سی محنت اس کے ڈول کو بھر دے۔

اس لئے علم النحو میں میں نے یہ کتاب "المفصل" لکھی۔ اس کتاب میں میں

نے بہت سے فوائد جمع کر دیے ہیں اور بہت سے بکھرے موتیوں کو ایک لڑی میں ایسے اختصار اور اجمال کے ساتھ پرو دیا ہے جو نہ قاری کے فہم میں خلل انداز ہوگا اور نہ ہی قاری اس سے اکتاہٹ محسوس کرے گا۔

قارئین کے ساتھ خیر خواہی کے ارادے سے اپنے اس بانچے سے میں پر امید ہوں کہ یہ مجھے مقبول دعا اور ذکر خیر کا پھل دے گا۔

مضبوط اقتدار کا مالک اللہ ہی ہے وہی ہر خیر کے کام پر مددگار ہے اسی سے خیر کی توفیق اور ثواب کی امید ہے۔

طوالت کے باوجود میں نے زمخشری کا یہ خطبہ جو انہوں نے المفصل کے شروع میں لکھا ہے یہاں نقل کر دیا کیونکہ یہ خطبہ حقیقت میں ایک ایک مقالہ، رسالہ اور عقیدہ ہے جو انہوں نے عرب اور عربی کے دفاع اور فرقہ شعوبیہ کے خلاف لکھا ہے۔ رحمہ اللہ

عربی کی خدمت اور عجمی علماء

اہل عجم میں سے ان کبار علماء نے عربی کے اصلی مفردات کی نشاندہی ان مفردات کے معانی ان کی تراکیب کے ضبط اور عربی میں دخیل عجمی الفاظ کی تحقیق پر بڑی متوسط اور چھوٹی کتابیں لکھیں ہیں ان سے ان کا مقصد عربی زبان کی حفاظت اور اس کی صحیح نشر و اشاعت کرنا تھا۔

اس لئے کہ وہ قرآن مجید، نبی عربی ﷺ اور دین اسلام کی زبان ہے۔ ان علماء نے اپنی آبائی اور مادری زبانوں کو عربی پر غالب آنے سے روکا اور اس میں عجمیت کی آمیزش نہ ہونے دی۔ اس مبارک دفاع کی ابتداء سیبویہ اور ان سے پہلے کے لوگوں سے ہوئی۔ درمیان میں زمخشری اور ان کے ساتھیوں نے اس فریضے کو انجام دیا۔ آخر میں اس کی قیادت فیروز آبادی، مرتضی زبیدی گجراتی ہندی اور بعد کے لوگوں کے ہاتھ میں آئی۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

اور دین اسلام اور قرآن و حدیث کی زبان کے دفاع کے سلسلے میں ان کی محنت

اور کوشش کو شرف قبولیت بخشے۔ بے شک اللہ نیکیوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

ادب اور زمخشری

زمخشری عظیم انشاء پرداز شخصیت تھے۔ ان کا مقفی کلام منفرد حیثیت کا مالک ہے۔ دیکھئے ان کی کتابیں "اطواق الذهب"، "نوابغ الكلم" اور "اساس البلاغة" وغیرہ آپ کو ان کتابوں میں عمدہ اور خوشنما کلام ملے گا۔ اشعار میں بھی ان کا بڑا دیوان ہے ان کے اشعار میں آپ کو فصاحت، بلاغت اور حقیقت کے ساتھ انوکھے معانی دیکھنے کو ملیں گے۔

شیخ ابومضر کے مرثیے میں ان کے بعض اشعار تو آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ مقام کی مناسبت سے ان کا یہ شعر بھی پڑھتے جایئے:

العلم للرحمن جل جلاله ۔۔۔ وسواه في جهلاته يتقمقم

ما للتراب وللعلوم وانما ۔۔۔ يسعى ليعلم انه لا يعلم[1]

ترجمہ: "علم وہی ہے جو رحمان کے لئے ہو اس کے علاوہ کا طلب

---

[1] ہمارے شیخ امام یوسف وجوی رحمہ اللہ نے اپنے کسی مقالے میں یہ اشعار اسی طرح پڑھے تھے اور شاید میں نے ان سے اسی طرح سنے تھے "معجم الادباء" (۱۹/۱۳۹ اور ط/۲۶۸۹) میں یہ اشعار اسی طرح ہیں

العلم للرحمان جلاله ۔۔۔ وسواه في جهلاته يتغمغم

ما للتراب وللعلوم وانما ۔۔۔ يسعى ليعلم انه لا يعلم

امام وجوی کے حوالے سے جو روایت میں نے ذکر کی ہے اس میں فعل لفظ تقمقم قاف پھر میم پھر قاف ہے القاموس المحیط میں فیروز آبادی قمم کے مادہ میں اس لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ تقمقم کے معنی ہے وہ پانی میں گیا اور ڈوب کر غرق ہو گیا اسی طرح اس روایت میں لفظ یسعی کے بجائے لفظ یحیی آیا ہے جو بلا شبہ یسعی کے لفظ سے بہتر ہے "معجم الادباء" کی روایت میں فعل لفظ یتغمغم غین پھر میم پھر غین کے ساتھ ہے "تاج العروس" (۸/۹) میں زبیدی غمم کے مادہ میں اس لفظ کا معنی بیان کرتے ہوئے

کا راپنی جہالتوں میں غوطے کھا رہا ہے۔
خاک کو علوم سے کیا مناسبت؟ انسان تو اس لئے جیتا ہے کہ وہ اس
بات کو جان لے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔"

یہ اشعار بھی ان کے ہیں: شعر

اذا التصقت بالبحث في العلم ركبتي   بركبة نحرير على الجدّ دائب
فان دام لي عون الاله على الذي   اعانيه من فضل و برّ و آداب
وان نظرت عيني على الودّ و الصفا   مع البرّ و التقوى نواظر أحباب
فقل لملوك الأرض يلهوا و يلعبوا   فذلك لهوي ما حييت و تلعابي

ترجمہ: "علمی بحث میں محنت اور لگن کے ساتھ جب میرا گھٹنا ماہر و
حاذق عالم کے گھٹنے سے مل جائے پھر فضل نیکی اور آداب کے حصول
میں مولی کی نصرت میری ہمراہی بن جائے اور میری آنکھیں محبت
خلوص نیکی اور تقوی کے ساتھ دوستوں کے چہرے دیکھے۔
تو پھر شاہان ارض سے کہہ دو کہ وہ اپنے کھیل کود میں
مشغول رہیں میرا کھیل کود تو تا حیات یہی ہے۔

کہتے ہیں: تغمغم الغریق تحت الماء کا معنی غرق ہونے والے نے پانی کے نیچے سے آواز
نکالی۔ "التھذیب" (۱۶/۱۲۰) میں اس لفظ کا معنی یوں ذکر کیا گیا ہے۔ تغمغم
الغریق کا معنی ہے غرق ہونے والے پر موجیں چڑھ آئیں جیسا کہ اس شعر میں
ہے۔

کما هوى فرعون اذ تغمغما   تحت خلال الموج اذ تدأما

جیسے فرعون نے سمندر کے اندر موجوں کے تلاطم میں چاہا۔ الحاصل شیخ یوسف کی روایت "معجم
الادباء" کی روایت سے مختصر ہے۔

شادی نہ کرنے کی وجہ

شادی نہ کرنے کا عذر وہ اپنے ان اشعار میں بیان کرتے ہیں۔

تصفحت أولاد الرجال فلم أكد ... أصادف من لا يفضح الأم والأبا

رأيت أبا يشقى لتربية ابنه ... ويسعى لكي يدعى مكيسا ومنجبا

اراد به النشء الاغر فما درى ... أيوليه حجراً ام يعليه منكبا

أخو شقوة مازال مركب طفله ... فأصبح ذاك الطفل للشر مركبا[1]

لذاك تركت النسل واخترت سيرة ... مسيحية أحسن بذلك مذهبا[2]

ترجمہ: ''لوگوں کی اولادیں دیکھنے سے کہ مجھے بہت کم ایسے ملے ہیں جنہوں نے اپنے والدین کو رسوا نہ کیا ہو، والد کو میں نے دیکھا کہ وہ بیٹے کی تربیت میں ہر قسم کی مشقت برداشت کر رہا ہے اور اس کوشش میں لگا ہے کہ اسے سمجھدار اور ہونہار اولاد کا باپ پکارا جائے اس طرح اس محنت سے اس کا مقصد روشن مستقبل ہے لیکن اس کو خبر نہیں کہ مستقبل میں یہ بیٹا اس کو مایوس کرے گا یا اس کو اپنے کندھے پر سوار کرے گا، بدبختی ہمیشہ اس کے بچے کی سواری بنا

---

۱ اصل کتاب میں للشر کی جگہ للناس ہے لیکن یہ غلط ہے صحیح وہ ہے جو میں نے لکھ دیا ہے۔

۲ امام ادیب لغوی عمر بن خلف صقلی مازری سن وفات ۵۰۱ھ جو کہ ''تثقیف اللسان وتلقیح الجنان'' کے مصنف ہیں۔ انہوں نے شادی نہ کرنے کا جو عذر بیان کیا ہے وہ زمخشری کے عذر سے بھی دلچسپ ہے۔ یعنی شعر

من كان منفردا في ذا الزمان فقد ... نجا من الذل والأحزان والقلق

تزوجنا كركوب البحر ثم اذا ... صرنا الى ولد صرنا الى الغرق

ترجمہ: جو تنہا زندگی گزارے گا وہ ذلت، غم اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا۔ ہمارا شادی کرنا سمندر کی سفر کی ابتداء کرنے کی طرح ہے پھر جب اولاد ہو جائے تو غرق ہونے لگتے ہیں۔ دیکھئے انعرب فی صقلیہ ص ۱۹۵ مصنف ڈاکٹر احسان عباس۔

رہا لیکن وہ بچہ بڑا ہو کر برائی کی سواری بن گیا اس لئے میں اولاد
وغیرہ سے دور رہا اور میں نے تنہا زندگی کو اپنایا جنہوں نے اپنا
راستہ بنا کر بہت اچھا کیا۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ زمخشری کا یہ بیان کردہ عذر انتہائی ناقابل قبول ہے، شاید وہ ایسی بات اس لئے کر رہے ہیں کہ ان کا واسطہ کسی کی ایسی نکمی اولاد سے پڑا ہوگا جو اپنے والدین کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے۔ لیکن کسی ایک واقعے کو دیکھ کر اولاد کو منحوس سمجھنا اور ان کے وجود کو مکروہ جاننا صحیح بات نہیں ہے۔

اولاد تو باغیچہ زندگی کے پھول، دین کے مددگار، انسان کے جانے کے بعد اس کی دینی حیثیت کے علمبردار اور نوع انسانی کی بقا کا ستون ہوتی ہے[1]

اور زمخشری کا اپنی زندگی کو تنہا کہنا تو انتہائی بھونڈی بات ہے۔

---

[1] بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمخشری نے شادی کی تھی۔ (واللہ اعلم)
خوانساری شیعی اصبہانی اپنی کتاب "روضات الجنات" (۸/۱۲۸) پر زمخشری کے تذکرے کے آخر میں لکھتے ہیں زمخشری کی طرف جن اشعار کی نسبت کی گئی ہے ان میں سے یہ شعر بھی ہیں۔
شعر

تزوجت لم اعلم و اخطات لم اصب فیا لیتنی قدمت قبل التزوج
فواللہ ما ابکی علی ساکنی الثری ولکننی ابکی علی المتزوج

ترجمہ: بغیر سوچے سمجھے شادی کر کے میں نے غلطی کی اور کوئی اچھا نہیں کیا، کاش کہ شادی سے پہلے میں مر جاتا تحت الثری میں رہنے والوں پر مجھے اتنا رونا نہیں آتا جتنا شادی کرنے والوں پر رونا آتا ہے۔

پس خوانساری کا خیال ہے کہ زمخشری شیعہ تھے جو دلیل کے اس نے زمخشری سے کچھ اشعار بھی ذکر کئے ہیں جن سے ان کا شیعہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

مفسر محمود شکری آلوسی کی کتاب "غرائب الاغتراب و نزھۃ الالباب" ص ۹۴ پر بھی زمخشری کی شادی کے متعلق اس طرح کی بات مذکور ہے۔ ابن مستوفی راوی مبارک بن احمد ان کی

زمخشری اور اولاد

کأنکم لم تسمعوا أن من له عیال شقیٌ دھرہ لیس یفلح

قبیح بمثلی والبنون کما أری جنود فساد لیس فی الألف مصلح

اذا ارتکب الابن المخلیع فضیحة فذاک لعمر اللہ للأب أفضح

وکلّ ضیع لیس للمنفع جالباً وجدُ وجوہ الخلد، فالترک أروح

ترجمہ: ''تم نے نہیں سنا کہ جس کے بچے ہوتے ہیں وہ ناکام اور
اپنے زمانے کا بدبخت ہوتا ہے۔

میرے جیسے شخص کے لیے تو صاحب اولاد ہونا قبیح ہے، اس لیے کہ
میرے خیال میں بیٹے فساد کے لشکر ہیں، ہزار میں ان میں سے ایک
بھی اصلاح پسند نہیں ہوتا۔

بے حیا بیٹا جب کوئی رسوائی کا کام کرتا ہے تو بخدا باپ کی اس میں
بیٹے سے زیادہ رسوائی ہوتی ہے۔

ہر وہ کام جو نفع کے بجائے تکلیفیں لے کر آئے اس کو چھوڑنا ہی
زیادہ راحت بخش ہے۔''

زمخشری اپنی تصنیفات و تالیفات کو اولاد سے زیادہ دنیا و آخرت میں راحت
بخش قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان کی تصنیفات فرمانبردار اولاد سے زیادہ ان کے

ولادت ۶۲۳ھ اور سن وفات ۶۳۷ھ ہے، اپنی کتاب ''تاریخ اربل'' (۱/۲۰۰) پر محمود بن علی بن
عثمان خوارزمی صوفی غازی (ان کی ولادت ۵۷۵ھ میں اور وفات ۶۲۵ کے بعد ہوئی) کے تذکرہ
میں کہتے ہیں کہ محمود بن علی بن عثمان خوارزمی صوفی غازی ۶۲۵ھ میں سفر کے آخر میں حج سے واپسی
پر اربل آئے اور دارالحدیث میں قیام فرمایا، میں نے ان سے ان کی جائے پیدائش کے بارے
میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا میں ۵۷۵ھ میں عیدالفطر کی رات خوارزم میں پیدا ہوا اور یہ بھی کہا
کہ میں ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری کا نواسہ ہوں۔

ساتھ بھلائی کرنے والی ہیں۔

حسبی تصانیفی و حسبی رواتها … بنین بهم سبقت الی مطالبی

اذا الاب لم یامن من ابن عقوقه … ولا ان یعق الابن بعض النوائب

فانی منهم آمن و علیهم … و اعقابهم ارجوهم للنوائب

ترجمہ: "بیٹوں کی جگہ میری تصنیفات اور ان کے راوی میرے لئے کافی ہیں انہی کی وجہ سے میرے مقاصد پورے ہوتے ہیں۔
جب باپ کو اپنے بیٹے سے نافرمانی کا اندیشہ رہتا ہے اسی طرح بعض آزمائشوں سے اس کو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ وہ اس سے اس کے بیٹے کو جدا کر دیں گے۔
البتہ میں اپنی فکری اولاد سے اور ان کے بارے میں پر امن ہوں اور کڑی آزمائشوں میں ان کے انجام خیر کا امید وار ہوں۔"

اسی خیال کو وہ دوسرے اسلوب اور قافیہ میں پیش کرتے ہیں۔ شعر

بنی فاعلم بنات فکری … حصانهم أمه الدراسة[1]

ابناء صدق لهم نفوس … و صفن بالفضل والنفاسه

حماة عرضی محققوه … فی کنف الصون والحراسه

بر صدیح بلا عقوق … خلق صحیح بلا شکاسه

ما تسل قلبی کنسل علبی … من فاس رکله قیاسه

کم بین ذی مسلک طهور … و سالک مسلک الخساسه

من سماس ابناءه … فانا لهولاء البنین ساسه

---

[1] ڈاکٹر حوفی نے اپنی کتاب "الزمخشری" صفحہ نمبر ۷۵ پر اس شعر کو یوں ذکر کیا ہے۔

بنی فاعلم بنات فکری … حصانهم امة الدراسة

لیکن صحیح وہ ہے جو میں نے ذکر کر دیا۔ واللہ اعلم

ترجمہ ''میرے فکری جواہر پارے ہی میری اولاد ہیں، پڑھنا پڑھانا ان کے لئے آغوش مادر ہے افضل اور نفاست سے موصوف نفوس والے۔

میری یہ بچی اولاد ہے میری آبرو کی پاسبان اور حفاظت و پاسبانی کے سائبان میں اس کی حفاظت کرنے والی ہے۔ نافرمانی کے اندیشے کے بغیر ان کی جانب سے خالص نیکی کی ہی امید ہے۔

اور ترش روئی کے بغیر صحیح اخلاق کی ہی امید ہے، میرے دل کی یہ نسل میری صلبی نسل کے برابر نہیں ہوسکتی۔

جس نے میری اس نسل کو صلبی نسل پر قیاس کیا اس کا قیاس مردود ہے پاکیزہ مسلک اور گھٹیا مسلک پر چلنے والے کے درمیان کتنے ہی فاصلے ہیں جس کو اپنی اولاد کی تربیت پر فخر ہو تو وہ سن لے کہ ہمیں تو اپنی فکری اولاد کی تربیت پر فخر ہے۔''

تصنیفات

زمخشری کے فکری اور قلمی جواہر پارے تقریباً پچاس تک ہیں۔ ان میں سے چند اہم کتابوں کا ہم یہاں تذکرہ کرتے ہیں۔ کتنے ہی جلیل القدر والد ہیں جن کی بڑی بڑی نسلیں ختم ہوگئیں لیکن زمخشری کی قلمی اور فکری باقیات آج بھی زندہ و تابندہ ہیں۔

''الکشاف'' فی تفسیر القرآن، ''الفائق فی غریب الحدیث''، ''نکت الأعراب فی غریب الاعراب''، اعراب القرآن ''متشابہ أسماء الرواۃ''، ''مختصر الموافقۃ بین اھل البیت والصحابۃ''، ''الکلم النوابغ یا نوابغ الکلم''، فی الاداب والاخلاق، ''اطواق الذھب''، ''نصائح اکبار''، ''النصائح الصغار''، ''المقامات الادبیہ''، ''نزھۃ المستأنس''، ''الرسالۃ الناصحۃ''، ''رسالۃ المسامۃ''، ''الرائض فی الفرائض''، فقہ میں ''معجم الحدود'' اصول میں ''المنھاج''، ''ضالۃ الناشد''، نحو میں ''الانموذج''، نحو میں ''المفصل''، نحو میں ''المفرد

والمؤتلف" "ضمیر العربیۃ" نحو میں "الأمالی" لغت میں "أساس البلاغۃ" "جواہر اللغۃ" "کتاب الأجناس" لغت میں "مقدمۃ الأدب" لغت میں "کتاب الأسماء" عروض میں "القسطاس" "شرح مقامات" "سوائر الأمثال" امثال میں "المستقصی"

ادب اور معاصرات میں "ربیع الأبرار" "تسلیۃ الضریر" "رسالۃ الأسرار" شرح امیر عرب میں "أعجب العجب" "شرح المفصل" "دیوان التمثیل" "دیوان خطب" "دیوان رسائل" "دیوان شعر" "شرح شواہد کتاب سیبویہ" "کتاب الجبال والأمکنۃ" "شافی العیّ من کلام الشافعی" "شقائق النعمان فی حقائق النعمان" یہ امام ابی حنیفہ کے مناقب میں ہے "الأحاجی النحویۃ" وغیرہ

خبردار رہو

شیخ امام ابن ابی جمرہ معتزلہ کی مکاریوں سے واقف اور ناواقف دونوں کو زمخشری کی کتابیں پڑھنے سے ڈراتے تھے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ واقف کار غفلت میں اور ناواقف نا سمجھی میں ان مکاریوں کا شکار ہو کر معتزلی ہو جائے گا۔

فنون بلاغت اور زمخشری

لسان المیزان میں زمخشری کے تذکرے میں حافظ ابن حجر ابن ابی جمرہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ زمخشری فنون بلاغت اور تصرف کلام کی معرفت کے آخری درجے پر فائز تھے۔ اس سلسلے میں "اساس البلاغۃ" ان کی عمدہ ترین کتاب ہے

الفاظ مستعملہ میں مفرد اور مرکب ہونے کے اعتبار سے حقیقت اور مجاز کو انہوں نے بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔

ان کی کتاب "الفائق فی غریب الحدیث" اپنے موضوع میں بہترین کتاب ہے۔ اس میں صحت نقل اور عمدہ اختصار کے ساتھ انہوں نے موضوع سے متعلقہ مختلف مباحث کو یکجا کر دیا ہے۔

آٹھ سال تک ایک کتاب سے استفادہ؟

شیخ خلیل خالدی اپنے ایک مقالے میں کہتے ہیں زمخشری ازھری کی کتاب ''تہذیب اللغۃ'' پر مرو میں آٹھ سال تک جھکے رہے، انہوں نے اپنی کتاب ''الفائق'' کا مواد اسی سے لیا ہے لیکن اس کی تصریح نہیں کی۔

نحو میں ''المفصل'' ان کی مشہور ہے۔

مشتبہ الفاظ کے بیان میں ان کی ایک کتاب میری نظر سے گزری ایک جلد پر مشتمل ان کی یہ کتاب اپنے اندر بہت سے فوائد سمیٹے ہوئے ہے۔

تفسیر کشاف

ان کی تفسیر کشاف کے تو لوگ دیوانے ہیں بہت سے لوگوں نے ان کی تفسیر سے بحث کی اور اس میں ذکر کردہ معتزلی افکار پر مشتمل تصنیفیں لکھیں۔ سنت میں جس کا قدم مضبوط ہو اور اس نے طرفین کے اختلاف پر مشتمل کچھ مقالات پڑھے ہوں تو اس کو یہ تفسیر کسی قسم کا نقصان دیئے بغیر نفع ہی دے گی۔ (عفا اللہ عنہ)

اگر وہ نہ ہوتے تو

میں نے اپنے شیخ علامہ محمد ناشد حلبی کو بلاغت کے سبق میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر اعرج اور کوسج نہ ہوتے تو قرآن کی بلاغت مکمل طور پر منصۂ شہود پر نہ آتی۔

اعرج سے مراد علامہ زمخشری ہیں خوارزم کے کسی سفر میں سخت سردی اور برفباری کی وجہ سے ان کی ایک ٹانگ ضائع ہوگئی تھی تو انہوں نے لکڑی کی ایک ٹانگ استعمال کرنا شروع کردی اسی سے انہیں لنگڑا کہہ دیا جاتا تھا دیکھئے ابن خلکان کی کتاب ''وفیات الاعیان''۔[1]

تذکرہ زمخشری میں ''وفیات الاعیان'' کے حوالہ سے میں نے یہ واقعہ اپنی

---

[1] ۹۲/۲ طبعہ میمنیہ اور طبعۃ محققۃ (۵/ ۱۶۹)

کتاب "صفحات من صبر العلماء"[۱] میں بھی بیان کیا ہے۔

امام سکاکی

اور کوسج سے مراد امام سراج الدین ابو یعقوب یوسف بن ابی بکر بن محمد سکاکی خوارزمی حنفی ہیں۔ ان کی ولادت سن ۵۵۵ھ میں اور وفات سن ۶۲۶ میں ہوئی۔ ہمارے شیخ علامہ ناشد حلبی کہتے ہیں کہ ان کی رخساروں پر بال نہ ہونے کی وجہ سے ان کو کوسج کہا جاتا تھا اور یہ سکاکی "مفتاح العلوم" کے مصنف ہیں۔ جس میں انہوں نے بارہ علوم کو جمع کیا وہ ان بارہ اور دیگر علوم میں امامت کے درجے پر فائز تھے۔ علوم عربی کے بڑے بڑے ائمہ جیسے ابو حیان اندلسی وغیرہ اور ان کے معاصر یاقوت حموی اور حافظ عبد القادر قرشی، امام سیوطی وغیرہ نے ان کی علوم عربی میں امامت کی گواہی دی ہے۔

انہوں نے اپنی کتاب "مفتاح العلوم" میں علوم بلاغت، علم بیان، علم معانی اور علم بدیع کو مدون کر دیا ہے۔

علم النحو میں جس طرح سیبویہ کی کتاب بنیادی حیثیت کی مالک ہے اسی طرح ان کی یہ کتاب علوم بلاغت میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔ ان کے تذکرے کے اصل مراجع ومصادر کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے علوم اور امامت میں اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔

"کشف الظنون"[۲] میں آپ ان کی کتاب "مفتاح العلوم" کی شروحات جو کہ تقریباً تیس ہیں اور حواشی جو کہ تقریباً پچاس ہیں۔

اور پھر ان شروحات کے حواشی کے جلیل القدر مصنفین کی علمی حیثیت دیکھو گے تو آپ حیران رہ جاؤ گے۔

ان کی یہ تصنیف عجیب اور لاجواب کتاب ہے۔

---

۱ ص ۷۵

۲ (۱۷۲۸-۱۷۲۳/۲)

شیخ الاسلام ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

(۳۹۳ھ تا ۴۷۶ھ)

یہ جناب شیخ امام و مقتدا مجتہد شیخ الاسلام جمال الدین ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف فیروز آبادی شیرازی شافعی نزیل بغداد ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت سن ۳۹۳ میں اور وفات ۸۳ سال کی عمر میں سن ۴۷۶ میں ہوئی۔[1]

تعلیم

وہ فارس کے شہر فیروز آباد میں پیدا ہوئے اور زندگی کے ابتدائی ایام وہیں گزارے، پھر سن ۴۱۰ھ میں شیراز منتقل ہو گئے اور وہاں پر ابو عبداللہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالوہاب بن رامین رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ بصرہ میں علامہ شیرازی علامہ خرزی سے فقہ پڑھتے رہے۔ سن ۴۱۵ھ میں وہ بغداد میں داخل ہوئے اور قاضی ابو الطیب طبری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنا شروع کیا۔ ایک عرصہ تک ان کی مجلس میں رہنے کی وجہ سے وہ مشہور ہو گئے اور ان کے بڑے ساتھیوں میں شمار کیے جانے لگے۔ سامعین پر ان کا پڑھایا ہوا سبق دہرانا بھی ان کے فرائض میں شامل ہو گیا تھا۔

---

[1] ان کا تفصیلی تذکرہ مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۱۸:۴۵۲-۴۶۴) ابن جوزی کی "المنتظم" (۹/۷-۸) تاج سبکی کی "طبقات الشافعیۃ الکبری" (۴/۲۵۱-۲۲۹) صفدی کی "الوافی بالوفیات" (۶/۶۲-۶۶) دمیاطی کی "المستفاد من ذیل تاریخ بغداد" (ص ۴۲-۴۳) ابن خلکان کی "الوفیات" (۱/۲۹-۳۱) نووی کی "تہذیب الاسماء واللغات" (۲:۱۷۲-۱۷۴) ابن تغری بردی کی "النجوم الزاہرہ" (۵/۱۱۷-۱۱۸)

ہمارے فاضل بھائی علامہ (اصولی فقیہ) شافعی رحمۃ اللہ علیہ "شیخ ڈاکٹر حسن ہیتو" کی "الامام الشیرازی حیاتہ وآراؤہ الاصولیہ" کے نام سے ایک مطبوعہ کتاب امام ابو اسحاق شیرازی کے تذکرہ میں موجود ہے۔"

اساتذہ

علامہ ابو اسحاق شیرازی رحمہ اللہ نے علم کلام اور اصول کی تعلیم ابو حاتم قزوینی سے حاصل کی۔ حدیث انہوں نے ابو علی بن شاذان ابوبکر برقانی محمد بن عبید اللہ خرجوشی اور ابو الطیب طبری رحمہ اللہ وغیرہ سے پڑھی۔

تلامذہ

ان کے تلامذہ میں خطیب بغدادی ابو الولید باجی مالکی، اندلسی ابن حزم کے ساتھی حمیدی اندلسی اسماعیل بن سمرقندی ابوبکر بن خاضبہ، ابو البدر کرخی، زاہد یوسف بن ایوب، ابو نصر احمد بن محمد طوسی، ابو الحسن بن عبد السلام، احمد بن نصر بن حمان ہمدانی شامل ہیں اور یہ ان کے آخری شاگرد ہیں اور ان کے علاوہ دیگر لوگ ان کے حلقہ تلامذہ میں داخل ہیں۔

علمی کمال اور دنیا سے لاتعلقی

ابو اسحاق فصیح بلیغ اور بے نظیر ذکاوت کے مالک تھے، فصاحت اور قوت مناظرہ میں وہ ضرب المثل تھے لیکن خط انتہائی بیکار تھا۔ قاضی ابو العباس جرجانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابو اسحاق دنیا سے بالکل تہی دامن تھے۔ ایک مرتبہ ان پر ایسی تنگ دستی آئی کہ ان کے پاس کھانے پینے کیلئے کچھ نہ تھا۔ ہم ان کے قطیعہ[1] میں ان سے پڑھنے آتے تو وہ بے پردگی کے

---

[1] معجم البلدان (۴/۳۷۷) پر یاقوت حموی لفظ قطیعہ کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ قطیعہ قاف کے فتحہ طاء کے کسرہ اور بعد میں یاء ساکنہ کے ساتھ ہے۔ یہ اس ویران زمین کو کہتے ہیں جس کو حکمران کسی کے نام کر دے اور اس کی ملکیت میں دے دے۔ منصور نے جب بغداد آباد کیا تو وہاں کے قائدین والیوں اور خلفاء کے نام بہت سی زمینیں لکھ دیں۔ پھر ان زمینوں کو کسی مرد یا عورت کی طرف منسوب کیا جانے لگا، جن ناموں کی طرف ان زمینوں کو منسوب کیا گیا تلاش کی آسانی کیلئے حروف کی ترتیب سے میں ان ناموں کو یہاں ذکر کرتا ہوں۔ قطیعہ اسحاق، قطیعہ ام جعفر، قطیعہ بنی جدار، قطیعہ الرقیق، قطیعہ الربیع، قطیعہ ریسانہ، قطیعہ زہیر، قطیعہ العجم، قطیعہ العکی، قطیعہ عیسیٰ، قطیعہ الفقہاء، قطیعہ ابی النجم اور قطیعہ النصاری۔

خوف سے سیدھا کھڑا ہونے کے بجائے آدھے کھڑے ہوتے۔

ایک دن میں ان کے ساتھ چل رہا تھا کہ راستے میں ان کو ایک لوبیا فروش نے پکڑ لیا اور کہا اے شیخ آپ نے تو میری کمر توڑ دی اور مجھے فقیر بنا دیا۔ ہم نے پوچھا کتنا قرض ہے تمہارا، ان پر اس نے کہا سونے کے دو یا ڈھائی سکے۔

تلک اذاً کرۃ خاسرۃ چند دنوں تک جب انہیں کھانے کو کچھ نہ ملتا تو وہ بغداد کے آخر میں واقع نصریہ کے علاقہ میں اپنے ایک لوبیا فروش دوست کے پاس چلے جاتے تو وہ لوبیا کے شوربے اور روٹی کا ثرید بنا کر ان کو پیش کرتا۔ متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ وہ اپنے اس دوست کے پاس ایسے وقت پہنچے جب وہ لوبیا بیچ کر اپنا دروازہ بند کر چکا ہوتا تھا۔ تو ابو اسحاق اس کے دروازے پر تھوڑی دیر کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھتے۔ تلک اذاً کرۃ خاسرۃ (ترجمہ: ''پھر تو وہ لوٹنا بڑے خسارے کا ہوگا''[1]) اور واپس ہو جاتے۔

تقویٰ

اپنی عادت کے مطابق ایک مرتبہ وہ مسجد میں کھانے کے لیے داخل ہوئے تو جاتے ہوئے اپنا ایک دینار مسجد میں بھول گئے۔ راستے میں یاد آیا تو واپس لوٹے، وہ دینار مسجد میں ہی پڑا ہوا تھا لیکن یہ سوچ کر کہ ہو سکتا ہے یہ کسی اور کا ہو اس کو وہیں چھوڑ دیا۔

اپنے گھر سے روٹی کے دو ٹکڑے نکال کر ایک ساتھی کو دیے اور کہا اس ٹکڑے کے عوض شیرہ خرید کر دوسرے ٹکڑے پر رکھ کر لے آؤ۔ وہ شیرہ خرید کر لے آیا لیکن یہ بھول گیا کہ اس نے کس ٹکڑے کے عوض خریدا ہے تو شیخ نے یہ کہہ کر اس کو کھانے سے انکار کر دیا کہ معلوم نہیں کہ اس نے اسی ٹکڑے کے عوض یہ شیرہ خریدا ہے جس میں میں نے اس کو وکیل بنایا تھا یا دوسرے ٹکڑے کے عوض۔

''مسجد کے کبوتر'' کا خطاب

دن رات علم کی مشغولیت اور مسجد میں رہنے کی وجہ سے ان کے استاذ ابو الطیب

---

[1] سورۃ النازعات آیت ۱۲

طبری ان کو "مسجد کا کبوتر" کہا کرتے تھے۔

خواہش پوری نہ ہو سکی

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ دوران طالب علمی کئی سالوں تک میرا دل لوبیا کھانے کو چاہتا رہا لیکن سبق کی مشغولیت اور صبح و شام کے تکرار[1] کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔

ہر سبق کو ہزار مرتبہ دہرانا

وہ کہتے ہیں کہ میں ہر قیاس کو ہزار مرتبہ دہراتا تھا اس سے فارغ ہو کر پھر دوسرے قیاس کو پڑھنا شروع کرتا۔ اسی طرح ہر سبق کو میں ہزار دفعہ دہراتا تھا[2]

---

[1] کتاب میں جو یہاں لفظ سبق آیا ہے اس سے مراد گزشتہ سبق کا اعادہ ہے۔ علامہ برہان الدین زرنوجی اپنی کتاب "تعلیم المتعلم طریق التعلم" ص ۹۹-۱۰۱ میں کہتے ہیں۔

"سبق کی ابتداء اس کی مقدار اور اس کی ترتیب کا بیان"

ہمارے استاذ تکرار اور سبق کو بدھ کے دن تک مؤخر کرتے تھے اور اس پر یہ حدیث سنایا کرتے تھے۔ بدھ کے دن جس چیز کی بھی ابتداء کی جائے وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ کر ہی رہتی ہے۔ (الحدیث)

عبدالفتاح کہتے ہیں کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔

سبق کی مقدار کے بارے میں ہمارے مشائخ کہا کرتے تھے کہ بہتر یہ ہے کہ یومیہ سبق اتنا پڑھنا چاہیے جو دو بار دہرانے سے یاد ہو جائے۔ پھر روزانہ ایک ایک کلمے کا اضافہ کرتا رہے لیکن روزانہ اتنا ہی پڑھنا چاہیے جو دو مرتبہ دہرانے سے یاد ہو جائے۔ روزانہ سبق میں زیادتی آہستہ آہستہ ہونی چاہیے کیونکہ اگر شروع سے ہی سبق اتنا زیادہ پڑھنا شروع کیا جو دس بار دہرانے سے بھی ذہن میں محفوظ نہ ہو تو پھر طالب علم آخر تک ایسا ہی رہے گا اور یہ چیز اس کے فہم کو سست اور ذہن کو کند کر دے گی۔ اسی لیے مشہور ہے کہ سبق ایک حرف پڑھو اور ہزار مرتبہ اس کا اعادہ کرو یعنی "تھوڑا تھوڑا پڑھو اور خوب دہرایا کرو۔

[2] ذہبی کی "سیر اعلام النبلاء" (۴۵۸/۱۸) اور سبکی کی "طبقات الشافعیۃ الکبری" (۲۱۸/۴) میں اسی طرح ہے اور ابن جوزی کی "المنتظم" (۹/۱۸) اور "صفۃ الصفوۃ" ص (۶۶/۴) اور نووی کی "تہذیب الاسماء واللغات" (ص ۱۷۲/۲) میں اس طرح ہے۔ "وہ شروع میں اپنے سبق سو مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔"

جب کسی مسئلے میں مجھے بطور استشہاد کے کسی ایک شعر کی ضرورت پڑتی تو میں اس پورے قصیدے کو یاد کر لیتا جس میں وہ شعر ہوتا۔ غرض زمانہ طالب علمی کے ابتدائی دور میں ان کی علم میں مشغولیت عجیب اور دوائی تھی۔ ان کے اس دور کو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ علم میں ان کے تعب وجگر پھلنے پر ہم تعجب کیا کرتے تھے۔ ان کی روح شدید تقویٰ کی طرف مائل اور مضبوط دین داری کی حامل تھی۔ دلچسپ اسلوب اور عمدہ نکات میں وہ اپنے شاگردوں اور ساتھیوں سے مذاق بھی کیا کرتے تھے۔

جانوروں سے ہمدردی اور رحم دلی

ایک دفعہ وہ اپنے بعض ساتھیوں کے ساتھ راستے میں چل رہے تھے کہ سامنے کتا آ گیا۔ ایک ساتھی نے یہ کہہ کر کتے کو ڈانٹا کہ دفع ہو جا۔ شیخ نے اس ساتھی کو یہ کہہ کر دوبارہ ایسا کرنے سے منع کیا کہ راستہ ہمارے اور اس کے درمیان مشترک ہے۔

کیا سفینۂ نوح علیہ السلام نے ہمیں یکجا نہ کیا تھا؟

خطیب موصل ابونصر احمد بن عبدالقاہر کہتے ہیں کہ جب میں شیخ ابواسحاق سے ملنے بغداد آیا تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور پوچھا کہ کس شہر سے آئے ہو؟ میں نے کہا موصل سے، تو انہوں نے کہا ماشاء اللہ تم تو میرے شہر کے ہو؟ میں نے کہا اے میرے سردار میرا شہر موصل اور آپ کا شہر فیروز آباد ہے۔ تو انہوں نے کہا میرے بیٹے کیا سفینہ نوح علیہ السلام نے ہمیں یکجا نہ کیا تھا؟ ان کے اس حسن اخلاق لطافت اور زہد نے مجھے ان کا گرویدہ بنا دیا۔ چنانچہ وفات تک میں ان کی صحبت میں رہا۔

شاگردوں سے انسیت اور شفقت

شیخ ابواسحاق کہا کرتے تھے کہ جس نے مجھ سے ایک مسئلہ بھی پڑھ لیا وہ میرا بیٹا ہے، وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ عوام اپنی اولاد سے، مالدار اپنے مال سے اور علماء اپنے علم سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ نفع نہ دینے والا وہ علم ہوتا ہے جس پر

عمل نہ ہو۔ وہ خود کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

علمت ماحلل المولی وحرمه   فاعمل بعلمک ان العلم بالعمل

ترجمہ: "مولیٰ کی حلال کردہ اور حرام کردہ اشیاء کا علم تو تو حاصل کر چکا۔ اب اپنے علم پر عمل کر، علم وہی کہلاتا ہے جس پر عمل ہو۔

علمی کمال اخلاص اور اخلاق

قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری کہتے ہیں کہ:

میں ان کی طرف ایک استفتاء لے کر گیا تو وہ راستے میں مجھے ملے مجھ سے استفتاء لے کر نان بائی یا سبزی فروش کی دکان پر قلم اور دوات لے کر فوراً جواب لکھ دیا اور قلم کو اپنے کپڑے سے صاف کر کے جواب مجھے پکڑا دیا۔

مراقبہ الٰہی اخلاص، اظہار حق اور مخلوق کی خیرخواہی میں سے انہیں وافر حصہ ملا تھا۔

ان کے شاگرد ابوالوفاء بن عقیل حنبلی کہتے ہیں کہ

میں اپنے شیخ ابواسحاق کی صحبت میں رہا ہوں، وہ فقیر کو کچھ دینے سے قبل نیت کا استحضار کرلیا کرتے تھے۔

کسی مسئلے میں گفتگو سے قبل وہ "اعوذ باللہ" پڑھتے اور مخلوق کی ستائش کے بغیر خالص نصرت حق کی نیت کرتے۔

کسی بھی تصنیف سے قبل وہ چند رکعتیں پڑھتے، ان کے اسی اخلاص کی وجہ سے ان کا نام اور ان کی تصانیف مشرق و مغرب میں پھیلیں۔

کہا جاتا تھا کہ وہ مستجاب الدعوۃ تھے۔

الحاوی "ادب الدین و الدنیا" اور الاحکام السلطانیہ کے مصنف امام ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ اور شیخ ابواسحاق ایک مجلس میں جمع ہوئے۔ کسی مسئلے میں شیخ

ابو اسحاق کا کلام سن کر امام ابو الحسن ماوردی نے کہا: ابو اسحاق جیسا عالم میں نے نہیں دیکھا اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کو دیکھ لیتے تو وہ بھی ان پر فخر کرتے۔

سمعانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شیخ ابو اسحاق شافعیہ کے امام، مدرسہ نظامیہ[1] کے مدرس اور اپنے زمانہ کے شیخ تھے۔ مختلف شہروں سے لوگ جوق در جوق ان کی طرف آئے تھے۔ وافر علم کے ساتھ اچھی سیرت اور پسندیدہ راستے پر گامزن تھے۔ دنیا ذلیل ہو کر ان کے آستانے پر آئی لیکن انہوں نے اس کو ٹھکرا دیا اور پوری زندگی سادگی اور تنگی میں گزاری۔ اصول و فروع اور اختلاف مذاہب میں ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ وہ زاہد، متقی، متواضع، ظریف، سخی، کریم، خوش رو، ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملنے والے اور فصیح کلام والے شخص تھے۔ ان کے شاگرد کثیر تعداد میں تھے۔

---

[1] بغداد میں نظام الملک کے ہاتھوں بنایا گیا۔ یہ وہ عظیم الشان مدرسہ ہے جو انہوں نے ابو اسحاق شیرازی کیلئے بنایا تھا۔ اس کی تعمیر سن ۴۵۷ھ میں شروع ہوئی اور سن ۴۵۹ھ میں مکمل ہوئی۔ قاضی ابن خلکان "وفیات الاعیان" ۳/۲۱۷ پر امام ابن صباغ کے تذکرے میں کہتے ہیں۔ ابو نصر عبدالسید بن محمد عبدالواحد اپنے زمانہ کے شافعیہ کے فقہ میں امام اور علمی حیثیت سے ابو اسحاق شیرازی کے ہم پلہ تھے۔ ابو الحسن محمد بن ہلال بن صابی اپنی تاریخ میں کہتے ہیں۔ مدرسہ نظامیہ کی تعمیر ذوالحجہ ۴۵۷ھ میں شروع ہوئی اور بروز ہفتہ دس ذوالقعدہ ۴۵۹ھ کو درس و تدریس کا افتتاح ہوا۔ نظام الملک کی طرف سے یہ حکم تھا کہ اس میں مدرس ابو اسحاق ہو اور ان کو پہلے دن ہی تدریس کیلئے حاضری کا کہہ دیا تھا۔ وقت مقررہ پر لوگ جمع ہو گئے لیکن ابو اسحاق نہ آئے۔ ان کو تلاش کیا گیا لیکن وہ نہ ملے۔ ابو اسحاق کی عدم موجودگی میں ابو نصر بن صباغ کو مدرس بنا دیا گیا۔ بعد میں ابو اسحاق اپنی مسجد میں بیٹھنے لگے۔ اس سے ان کے ساتھیوں کو پریشانی لاحق ہوئی اور وہ ان کے درس میں حاضر ہونے میں سستی کرنے لگے اور ابو اسحاق کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ مدرسہ نظامیہ میں نہ پڑھائیں گے تو وہ ان کو چھوڑ کر سارے ابن صباغ کے درس میں چلے جائیں گے۔ اس پر وہ مدرسہ نظامیہ میں آ گئے ان کے آنے پر ابن صباغ کو معزول کر دیا گیا۔ ذوالحجہ کے ابتدائی ہفتے میں ابو اسحاق نے تدریس کا آغاز کیا۔ ابن صباغ کی مدت تدریس بیس دن تھی۔ ابو اسحاق تاحیات اس مدرسے میں بغیر معاوضے کے فی سبیل اللہ پڑھاتے رہے۔

خراجِ تحسین

اصحاب رائے کے امام موفق حنفی کہتے ہیں کہ

ابو اسحاق فقہاء کے امیر المؤمنین تھے۔ ابوبکر محمد بن علی بن حامد شاشی کہتے ہیں کہ ابو اسحاق اپنے زمانہ کے آخر پر حجۃ اللہ تھے۔

قاضی محمد بن محمد ماہان کہتے ہیں کہ

دو اماموں نے حج نہیں کیا۔ شیخ ابو اسحاق شیرازی رحمہ اللہ اور قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ دامغانی رحمہ اللہ[1] نے شیخ ابو اسحاق سفر کے اخراجات نہ ہونے کی وجہ سے حج نہ کر سکے۔ اگر وہ لوگوں کے سامنے حج کی خواہش کا اظہار کرتے تو لوگ انہیں اپنی آنکھوں پر بٹھا کر مکہ لے جاتے اور اسی طرح دامغانی اگر چاہتے تو لوگ مکہ تک ان کے راستے میں ریشم بچھا دیتے۔

امام ابو عبد اللہ دامغانی رحمہ اللہ

قاضی ابو الطیب طبری کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ دامغانی ہمارے اکثر ساتھیوں سے زیادہ فقہ شافعی رحمہ اللہ سے واقف تھے۔ محمد بن عبد الملک ہمدانی کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ دامغانی پرکشش صورت، دینداری، علم، عقل، بردباری، اچھی سیرت اور مروت جیسی عمدہ صفات سے موصوف تھے۔

اکثر صدقات خفیہ دیتے تھے۔ علم میں وہ منصف تھے، وہ ابو اسحاق شیرازی کی طرح دورانِ درس حکایات اور انوکھی باتیں سنایا کرتے تھے۔ کسی مجلس میں جب وہ دونوں جمع ہو جاتے تو ان کا اجتماع ایک تفریح ہوا کرتا تھا۔ شیخ ابو اسحاق ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ بے تکلف رہا کرتے تھے۔[2]

---

[1] یہ عظیم علامہ مفتی عراق اور قاضی القضاۃ حنفی المسلک محمد بن علی بن محمد ہیں۔

[2] یہ عبارت ذہبی رحمہ اللہ کی سیر اعلام النبلاء ۱۸/۴۸۶ میں تذکرہ دامغانی سے لی گئی ہے۔

بے تکلفی کا ایک منظر

ایک دن وہ عدالت میں حاضر ہوئے تو ابونصر عبدالرحیم بن قشیری سے ان کی ملاقات ہوئی دوران ملاقات عبدالرحیم نے شیخ ابواسحاق کی آستین کو بوجھل پایا تو سوال کیا۔ اے ہمارے آقا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ روٹی کے ٹکڑے ہیں جو میرے سفینۂ حیات کے ملاح ہیں۔

وہ شدید تقویٰ کے ساتھ اور خستہ حال زندگی گزارتے تھے۔ بھوک مٹانے کیلئے وہ اپنی آستین میں روٹی کے ٹکڑے اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔

استغناء اور خودداری

نظام الملک ان کے استغناء کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں

میرا حال اس شخص کے ساتھ کیسا ہوگا جو خطاب کرنے میں میرے اور نہروز فراشی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتا تھا۔ کچھ لینے کے بجائے وہ یہی کہا کرتے تھے۔ بارک اللہ فیک نظام الملک نے ان کو غسل دیتے وقت بھی یہ کلمہ دہرایا۔

نحیف جسم کے مالک ابواسحاق

شیخ ابواسحاق نحیف جسم کے ساتھ بے نظیر ذکاوت اور عقلمندی کے مالک تھے۔

نامور شاعر عاصم بن حسن بغدادی ان کے بارے میں کہتے ہیں

تراہ من الذکاء نحیف جسم علیہ من توقدہ دلیل

اذا کان الفتی ضخم المعالی فلیس یضرہ الجسم النحیل

ترجمہ' ذکاوت کی وجہ سے تم ان کو نحیف جسم والا دیکھو گے اور یہ ان کی روشن دماغی کی واضح دلیل ہے۔ نوجوان جب عظیم صفات والا ہو تو نحیف جسم اس کے لیے باعث عیب نہیں ہوتا۔

مناظرہ

ابو اسحاق مناظرے میں طاقتور شیر کی طرح تھے۔ دوران مناظرہ کتب کو دیکھنے کیلئے ان کے سامنے کوئی روشنی نہیں کی جاتی تھی۔

مشہور تھا کہ ان کو اختلافی مسائل سورت فاتحہ کی طرح یاد تھے۔ علم جدل و مناظرہ کے تو وہ ایسے مالک تھے جس نے اس کی لگام اپنے ہاتھ میں تھام رکھی تھی، جب کوئی اپنے امام کے ساتھ آتا تو یہ ان کا امام اور ان کے آسمان کا وہ بدر کامل ہوتا جس پر کسی نقصان کی واردات نہ ہوسکتی تھی۔

ابن جوزی محمد بن ناصر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ابوزکریا بن علی سلار عقیلی نے ہمیں یہ اشعار سنائے۔

كفاني اذا عز الحوادث صادم ينيلني المأكول بالاثر والاثر

يقد ويفري في اللقاء كأنه لسان ابي اسحاق في مجلس النظر

ترجمہ "حادثات کے غالب ہونے کے وقت مجھے وہ بہادر شخص کافی ہے جو تلوار کی چمک اور دلائل کے ذریعے مجھے خوراک پہنچائے۔ وقت آنے پر مخالف کو وہ ایسے کاٹتا ہے جیسے ابو اسحاق کی زبان مجلس مناظرہ میں کاٹتی ہے۔

ابو اسحاق کی بذلہ سنجی

ان کے سامنے جب کوئی مناظرہ کرنے والا غلطی کرتا تو وہ ازراہ مذاق فرماتے کون سا سکتہ آپ سے رہ گیا؟

کسی مسئلے میں دوران گفتگو جب ان سے کوئی موضوع سے ہٹ کر سوال کرتا تو وہ یہ شعر پڑھتے

سارت مشرقة و سرت مغربا شتان بين مشرق و مغرب

ترجمہ "وہ مشرق کی طرف چلی اور میں سوئے مغرب چلا، مشرق کی

طرف چلنے والے اور مغرب کا رخ اختیار کرنے والے کے درمیان
کتنا ہی فاصلہ ہے۔

دو مناظرے

بعض مسائل فقیہہ میں ان کے اور ان کے ہم عصر و ہم وطن اور حنفیہ کی امامت میں۔ ان کے ہم پلہ ابوعبداللہ دامغانی کے درمیان جو دو مناظرے ہوئے ہیں۔ ان کی روئیداد کتابوں میں محفوظ ہے۔

یہ دونوں مناظرے بغداد میں ایک تعزیتی مجلس میں ہوئے۔ ان میں سے ایک مناظرے میں ابوالولید باجی مالکی اندلسی بھی حاضر تھے۔ اس وقت وہ طالب علم تھے۔ انہوں نے اس مناظرے کی روئیداد قلمبند کی ہے۔ ان کے حوالے سے علامہ تاج الدین سبکی نے اس مناظرے کو ابواسحاق کے تذکرے[1] میں ذکر کیا ہے۔

پانچویں صدی کے بغداد میں تعزیت کا رواج

باجی کہتے ہیں، پانچویں صدی میں بغداد میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کا کوئی معزز رشتے دار فوت ہو جاتا تو وہ چند دن تک اپنے محلے کی مسجد میں بیٹھتا۔ اس کے دوست اور بھائی بھی اس کے ساتھ وقتاً فوقتاً بیٹھتے رہتے۔ چند دن جب گزر جاتے تو وہ لوگ اس کو تسلی دیتے اور صبر کی تلقین کرتے اور اس کو اپنے کام کاج میں لگنے کا کہتے جن دنوں وہ تعزیت میں آنے والے لوگوں کیلئے مسجد میں بیٹھتا، ان میں اکثر قرآن کی تلاوت ہوا کرتی تھی یا پھر فقہی مسائل میں تعزیت کیلئے آنے والے فقہاء کا آپس میں مناظرہ ہوا کرتا تھا۔

پہلا مناظرہ

بغداد کے اپنے وقت کے شیخ الفقہاء قاضی ابوالطیب طبری کی اہلیہ کا جب

[1] طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۴/ ۲۴۵۔۲۵۲

انتقال ہوا تو لوگوں کا اچھا خاصا ہجوم ان کے پاس تعزیت کیلئے آیا۔ تقریباً ہر وہ شخص جس کی علم کی طرف نسبت تھی۔ وہ اس مجلس میں حاضر ہوا۔

حنفیہ کے قائد، شیخ علم و تقدم اور مشیخت میں ابوالطیب طبری کے ہم پلہ، قاضی ابو عبداللہ حمیری بھی تعزیت کیلئے آئے تو طلبہ کی ایک جماعت نے قاضی ابوالطیب اور قاضی ابوعبداللہ حمیری سے کسی فقہی مسئلے میں گفتگو کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تاکہ سامعین اس کو سن کر آگے نقل کریں۔

باجی کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے کہا کہ

"حاضرین میں سے اکثر مسافر ہیں جو دور دراز سے اس لیے سفر کر کے آئے ہیں تاکہ آپ حضرات کی برکات حاصل کر لیں اور آپ سے کچھ سنیں۔"

لوگ کئی سالوں سے ان حضرات کا کوئی علمی مناظرہ نہ سن سکے تھے کیونکہ ان حضرات نے کئی سالوں سے اس چیز کو اپنے شاگردوں کے حوالے کر رکھا تھا۔ ہم نے ان سے کہا ہماری خواہش ہے کہ آپ کسی ایسے مسئلے میں جس کا نقل کرنا، یاد کرنا اور بیان کرنا قابل تحسین ہو اپنا کلام حاضرین پر صدقہ کریں۔

قاضی ابوالطیب نے تو آمادگی ظاہر کی لیکن قاضی ابوعبداللہ حمیری راضی نہ ہوئے اور کہا کہ جس کا شاگرد ابوعبداللہ دامغانی ہو اس کو خود بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور وہ حاضر ہے جس کو بات کرنے کا شوق ہو وہ اس سے کرے۔

اس پر قاضی ابوالطیب نے کہا میری نیابت میرا شاگرد ابواسحاق کرے گا۔ چنانچہ جب معاملہ طے ہو گیا تو اہل کارزون میں سے ایک ابووزیر نامی شخص کھڑا ہوا اور ابو اسحاق شیرازی سے سوال کیا۔

شوہر کی تنگ دستی کی وجہ سے بیوی کو جدائی کا اختیار ہوگا یا نہیں؟

شیخ ابواسحاق نے جواب دیا۔ ....

اس کے بعد تاج سبکی نے ابواسحاق کے تذکرے میں ان کے اور ابوعبداللہ

دامغانی کے درمیان بغداد میں ہونے والے دونوں مناظروں کی مفصل روئیداد بیان کی ہے۔[1]

امام الحرمین جوینی سے مناظرہ

اس کے بعد تاج سبکی نے نیشاپور میں ابواسحاق اور امام الحرمین کے درمیان ہونے والے دو مناظروں کا بھی ذکر کیا ہے۔[2]

ان دونوں مناظروں میں جب ابواسحاق اپنی قوت جدل کی وجہ سے کامیاب ہوئے تو امام الحرمین نے کہا آپ مجھ پر اپنی نیکی اور پرہیزگاری کی وجہ سے ہی غالب رہے۔[3]

مجھے ان پر فخر ہے

سمعانی کہتے ہیں کہ ابواسحاق جب نیشاپور آئے تو لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور امام الحرمین اپنا رومال[4] اٹھائے ان کے آگے خادموں کی طرح چلنے لگے اور یہ کہا

[1] دیکھئے ان دونوں مناظروں کی مفصل روئیداد طبقات الشافعیہ ۲/۴ ۲۳۷-۲۰۲

[2] دیکھئے طبقات الشافعیہ میں تذکرہ امام الحرمین ۲۰۲/۴ - ۲۰۶ اور ۲۳۹/۵ - ۲۱۸

[3] عبدالفتاح کہتے ہیں کہ جی ہاں ابواسحاق اپنی نیکی کی وجہ سے ہی غالب رہے۔ آپ بھی اس صلاح اور نیکی کو اپنے کاموں میں مددگار پا سکتے ہیں۔ امام الحرمین کے کلام کا معنی یہ ہے کہ ابواسحاق اپنی نیکی اور صلاح کی وجہ سے ایسے دلائل کی طرف راستے پاتے تھے جن کے ذریعے انسان اپنے مدمقابل پر غالب آتا ہے۔ صلاح اور نیکی کی حیثیت اس آیت میں ملاحظہ ہو۔

ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا

ترجمہ: البتہ جو لوگ یقین لائے ہیں اور انہوں نے نیکیاں کی ہیں، ان کیلئے رحمان محبت پیدا کرے گا۔

[4] یہاں لفظ غاشیہ آیا ہے، اس کے کئی معانی ہیں۔ زین تلوار، کجاوے کی پچھلی لکڑی کے اوپر کا لوہا دیکھئے۔ قاموس النجوم الزاہرۃ ۵/۱۷ کے محقق نے اس لفظ کا معنی رومال بیان کیا ہے۔

مجھے ان پر فخر ہے حالانکہ اس وقت عراق اور جبال کے اکثر اساتذہ ان کے شاگرد اور متبعین تھے اور فخر کیلئے وہ کافی تھے۔ ابواسحاق شعر بھی کہا کرتے تھے چنانچہ وہ بہت عمدہ اشعار کہتے اور بے شمار لوگ ان کو یاد کرتے تھے۔

میں جس شہر اور بستی میں بھی داخل ہوا

حیدر بن محمود بن حیدر شیرازی کہتے ہیں کہ میں نے ابواسحاق شیرازی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ خراسان سے نکلنے کے بعد میں جس شہر اور بستی میں داخل ہوا وہاں کا قاضی یا مفتی یا خطیب میرا شاگرد ہوتا یا میرا ساتھی ہوتا تھا۔

شعر وشاعری

فقیہ، اصولی جدلی، صوفی متقی زاہد اور رہنما ابواسحاق شیرازی ادیب اور شاعر بھی تھے۔

سبکی کہتے ہیں کہ ان کے اشعار ٹھنڈے میٹھے پانی سے زیادہ میٹھے اس باغیچے سے زیادہ سرسبز وشاداب جس کو صبح کے وقت بادل کے صاف پانی نے سیراب کیا ہو۔ بکھرے پھولوں سے زیادہ پرکشش اور چمکتے رخساروں سے زیادہ خوشنما تھے۔ ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

سالت الناس عن خل وفی — فقالوا ما الی هذا سبیل

تمسک ان ظفرت بود حر — فان الحر فی الدنیا قلیل

ترجمہ: ”لوگوں سے میں نے وفادار دوست کے بارے میں استفسار کیا تو ان کا کہنا تھا کہ یہ ناممکن ہے۔“

کامیاب ہو سکو تو کسی آزاد شخص کی دوستی کا دامن تھامو لیکن آزاد دنیا میں ہیں کم۔

اللہ کو ناپسند تھا کہ میں زندگی کے کسی لمحے انہیں بھلاؤں

غزنہ میں وہ یحییٰ بن علی بن یوسف بن قاسم صوفی کے مکان پر ان کے شیخ مطہر

بن ابوسعید بن ابوالخیر کے بیٹے کی تعزیت کیلئے حاضر ہوئے ان کا بیٹا نہروان[1] میں پانی میں ڈوب کر مر گیا تھا تو انہوں نے یہ اشعار کہے

غریق کان الموت رق لاخذہ فلان لہ فی صورۃ الماء جانبہ

ابی اللہ ان انسان دھری فانہ توفاہ فی الماء الذی انا شاربہ

ترجمہ ''وہ ایسا غریق ہے جس کو لینے کیلئے موت رقیق ہوگئی اور اس کا پہلو پانی کی صورت میں اس کے لیے نرم ہوگیا۔''

اللہ کو یہ ناپسند تھا کہ میں زندگی کے کسی لمحے انہیں بھلاؤں، اس لیے ان کی موت ایسے پانی میں واقع ہوئی جس کو میں پیتا ہوں۔

سفر طویل ہو تو

ابن جوزی رحمہ اللہ، ابونصر احمد بن محمد طوسی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں ابواسحاق کے ساتھ تھا۔ انہوں نے مجھے یہ اشعار سنائے۔

اذا طال الطریق علیک یوما فلیس دواءُ الا الرفیق

تحدثہ وتشکو ما تلاقی ویقرب بالحدیث لک الطریق

ترجمہ ''اگر سفر کسی دن لمبا ہو جائے تو اس کا علاج صرف ایسا دوست ہے جس سے آپ باتیں کریں اور اس کے سامنے اپنے شکووں کا اظہار کریں اور وہ باتیں کر کے آپ کا لمبا راستہ قریب کر دے۔''

یہ اشعار بھی ان کے ہیں

احب الکاس من غیر المدام والھو بالحسان[2] بلا حرام

وما حبی لفاحشۃ ولکن رایت الحب اخلاق الکرام

---

[1] بغداد اور واسط کے قریب مشرقی جانب میں واقع ایک شہر ہے۔

[2] سیر اعلام النبلاء ۱۸/۴۶۲ میں یہاں حسان کی جگہ حساب کا لفظ آیا ہے۔ ما قبل اور ما بعد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واضح تحریف ہے، صحیح لفظ حسان ہے، حساب سے کیسے کھیلا جا سکتا ہے؟ معلوم نہیں کہ اس کتاب کے محققین نے اس غلطی کو کیسے قبول کر لیا۔

ترجمہ "بغیر شراب کے گلاس مجھے پسند ہے اور بغیر ارتکاب حرام کے عمدہ تفریحات بھی مجھے پسند ہیں۔ کسی ناز یبا حرکت کو میں ناپسند کرتا ہوں۔ البتہ شریف لوگوں کے اخلاق مجھے محبوب ہیں۔"

عذر قبول کرو۔

محب الدین نجار نے ان کے یہ اشعار نقل کیے ہیں

قصر النهار وشدة البرد ... قد حال دون لقاء ذي الورد

فاعذر صديقا في تاخره ... حتى يجيك اول الورد

ترجمہ "دنوں کا چھوٹا ہونا اور سخت سردی اہل محبت کی ملاقات کے درمیان حائل ہوگئی۔ گلاب کے پہلے پھول کے آنے تک دوست کی تاخیر کے عذر کو قبول کرو۔

لے آؤ ابو اسحاق نے اجازت دے دی ہے۔

ابو المظفر شبیب بن حسین قاضی کہتے ہیں کہ مجھے ابو اسحاق نے اپنے بارے میں یہ اشعار سنائے۔

جاء الربيع و حسن ورده ... ومضى الشتاء و قبح برده

فاشرب على وجه الحبيـ ... ـب و وجنتيه وحسن خده

ترجمہ "موسم بہار اپنے پھولوں کے حسن و جمال کے ساتھ آگیا اور سردیوں کا موسم اپنی سردی کی قباحت لے کر چلا گیا۔"

اب محبوب کے چہرے اور اس کے رخساروں کے حسن پر مے نوشی کرو۔

معالی کہتے ہیں کہ مجھے شبیب نے ان اشعار کے سنانے کے بعد بتایا کہ یہ اشعار بیروت کے شہر صدر کے حاکم عین الدولہ کے سامنے پڑھے گئے تو اس نے اپنے غلام کو کہا شراب لے آؤ ابو اسحاق نے اس کے پینے کی اجازت دے دی ہے۔

اے کاش!

ابو اسحاق کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے خود کو برا بھلا کہا اور حسرت سے کہا کاش میں

یا اشعار نہ کہتا۔

پھر مجھ سے کہا کہ شیب یا اشعار اب لوگوں سے کیسے واپس لیے جا سکتے ہیں، میں نے کہا اے ہمارے سردار ان کا واپس لینا تو ناممکن ہے، لوگوں کے قافلے ان کو لے کر دور دراز جا چکے ہیں۔ ابو اسحاق کے اور بھی بہت سے اشعار ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں ان کے تذکرے میں مذکور ہیں۔ طوالت کے خوف سے میں اتنے پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔

وفات حسرت آیات

ابو اسحاق کا بغداد میں اتوار کی رات ۲۱ جمادی الثانی سن ۴۷۶ کو مشرقی دارالخلافہ کے رئیس الرؤساء کے بیٹے مظفر کے گھر میں انتقال ہوا۔ ان کے شاگرد ابو الوفاء بن عقیل حنبلی نے ان کو غسل دیا۔

نماز جنازہ

سب سے پہلے ان کی نماز جنازہ امیر المؤمنین مقتدی بامر اللہ نے پڑھائی۔ جنازے کے بعد ان کی میت ان کے گھر لائی گئی۔

پھر باب الفردوس میں نظام الملک کیلئے دوبارہ ان کی نماز جنازہ رئیس الرؤساء کے بیٹے ابو الفتح بن مظفر نے پڑھائی۔ وہ اس وقت دیوان کے نائب تھے۔ تیسری بار ان کی نماز جنازہ جامع قصر میں ان کے ساتھی ابو عبد اللہ طبری نے پڑھائی۔

مدفن

مقبرہ باب ابرز میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

تعزیت

مدرسہ نظامیہ میں ان کی مجلس تعزیت منعقد کی گئی۔ بہت سے علماء شعراء اور ادیبوں نے ان کی وفات پر دردناک قصیدے لکھے اور غمناک خیالات کا اظہار کیا۔ جن میں سے بعض کا ذکر ان کے تذکرے میں ہوا ہے۔

ان شعراء نے اپنے ان قصیدوں میں ان کے فضائل مناقب اور ان کے علوم و آثار کا ذکر کیا ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابواسحاق نے اپنے جسم پر اور اپنے پیچھے ایک درہم بھی نہیں چھوڑا اور زہد ہو تو بھی اسی طرح چاہیے میرے خیال میں انھوں نے تاحیات شادی بھی نہیں کی۔[1]

---

[1] ''القاموس المحیط'' کے مصنف محمد بن یعقوب فیروز آبادی اپنے نسب کی نسبت ابواسحاق کی طرف کیا کرتے تھے مگر بہت سے علماء نے ان کی اس نسبت کو غلط قرار دیا ہے، جن میں سے ایک ان کے شاگرد تقی فاسی بھی ہیں۔ دیکھئے ''العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین'' ۲/۴۰۰

اسی طرح ان کے شاگرد حافظ ابن حجر نے بھی ان کی اس نسبت کو غلط قرار دیا ہے۔ حافظ سخاوی ''الضوء اللامع'' ۱۰/۸۵ پر فاسی کے انکار کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔

اسی لیے ہمارے شیخ حافظ ابن حجر کہتے تھے کہ ہم نے ہمیشہ مشائخ کو ابواسحاق صاحب ''التنبیہ'' کی طرف ان کی اس نسبت کو غلط قرار دیتے ہوئے سنا کیونکہ ابواسحاق نے اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی تھی۔ اس کے بعد سخاوی کہتے ہیں جمال بن خیاط ذہبی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ شاید ابواسحاق نے شادی نہیں کی۔ ابوبکر بن قاضی شہبہ اپنی کتاب ''طبقات الشافعیہ'' ۴/۸۰ پر صاحب قاموس کے تذکرے میں کہتے ہیں۔ وہ اپنے نسب کی نسبت ''التنبیہ'' کے مصنف ابواسحاق کی طرف کیا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ان کے دادا فضل اللہ شیخ ابواسحاق کے بیٹے تھے اور لوگوں میں جو مشہور تھا کہ ابواسحاق نے تاحیات شادی نہیں کی تو اس کی اولاد کہاں سے ہوگئی؟ وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔

تصنیفات

علم میں حسن نیت کی وجہ سے ان کی تصنیفات شہرۂ آفاق ہوئیں جن میں سے چند یہ ہیں:

المهذب التنبيه، اللمع في اصول الفقه، شرح اللمع، التبصرة في اصول الفقه، المعونه في اصول الجدل، الملخص في اصول الفقه، طبقات الفقهاء، النكت في الخلاف، نصح اهل العلم وغيره (رحمه الله تعالى)

☆......☆......☆

امام ابن خشاب عبداللہ احمد (۴۹۲ھ تا ۵۶۷ھ)

یہ نحوی، لغوی، مفسر، مقری، محدث، ادیب اور امام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن خشاب حنبلی بغدادی المعروف با بن خشاب ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت سن ۴۹۲ھ اور وفات سن ۵۶۷ھ میں ہوئی۔

علمی کمال:

تاریخ کی کتابوں میں ان کا تذکرہ یوں آیا ہے۔

نحو میں وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے، کہا جاتا تھا کہ وہ نحو میں ابوعلی فارسی کے ہم پلہ تھے۔

تفسیر حدیث فرائض لغت شعر عربی منطق فلسفہ حساب اور علم ہندسہ بلکہ ہر علم پر ان کو اچھا عبور حاصل تھا۔ قرآن مجید کے وہ حافظ اور بہت سی قراءات کے عالم تھے۔

اساتذہ

نحو تو انہوں نے ابوبکر بن جوامرد قطان سے پھر ابوالحسن علی بن زید فصیحی استر آبادی سے اور آخر میں ابوسعادات شریف شجری سے پڑھی لیکن پھر بعد میں ابوسعادات سے قطع تعلق ہو گئے اور اپنی ایک کتاب میں ان پر رد کیا۔

لغت اور ادب کی تعلیم ابومنصور جوالیقی اور ابوعلی حسن بن علی نحوی وغیرہ سے حاصل کی۔ حساب اور ہندسہ ابوبکر بن عبدالباقی انصاری سے پڑھا اور علم فرائض ابوبکر

ل "معجم الادباء" ۱۲/۴۷-۵۳ "انباہ الرواۃ" ۲/۹۹-۱۰۳ "وفیات الاعیان" ۱/۳۶۷ "ذیل طبقات الحنابلہ" ۱/۳۰۹-۳۲۳

مرزوقی سے پڑھا۔

علم حدیث میں مشغولیت

حدیث اپنے وقت کے بہت سے مشائخ سے سنی جن میں ابو الغنائم نرسی ابو القاسم بن حصین ابو العز بن کادش اور دیگر شامل ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں سندوں سے حدیث کی سماعت کی۔ وہ ہمیشہ پڑھتے رہے، یہاں تک کہ اپنے ہم عصروں پر فائق ہو گئے۔

بڑی عمر میں بھی وہ مشائخ کے سامنے پڑھنے اور سننے کو اہمیت دیتے تھے۔

خوشخطی

ان کا خط خوش نما اور انتہائی عمدہ تھا۔

بہت سی کتابیں انہوں نے جمع کر رکھی تھیں۔ مختلف جگہوں سے انہوں نے اچھے اصول مرتب کیے تھے، جن کو وہ باعث افتخار سمجھتے تھے۔

حدیث کی عبارت پڑھنے کا انداز

حدیث کی عبارت بہت تیزی سے جلدی جلدی پڑھتے تھے جو کہ سمجھ میں بھی آتی تھی، امام ابو شجاع عمر بن ابو الحسن بسطامی کہتے ہیں کہ جب میں بغداد آیا تو ابو محمد خشاب نے ابو محمد قتیبی کی کتاب غریب الحدیث میرے سامنے تیزی کے ساتھ اور صحیح پڑھی، اس سے قبل میں نے اتنی تیز اور صحیح عبارت کسی اور کی نہ سنی تھی، مجلس میں علماء کی ایک جماعت نے ان کی زبان سے کوئی لغزش کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکا۔

وہ بغیر کسی تھکن کے ہمیشہ یونہی پڑھتے رہتے تھے۔

بیماری میں بھی کتابوں اور علم سے شغف

ان کے شاگرد حافظ ابو محمد بن اخضر کہتے ہیں کہ ایک دن میں ان کے پاس گیا تو

وہ بیمار تھے لیکن بیماری کی حالت میں بھی وہ سینے پر کتاب رکھ کر پڑھ رہے تھے، میں نے کہا یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا ابن جنی نحو کا ایک مسئلہ بیان کر کے اس پر بطور دلیل کے ایک شعر لانا چاہتے تھے لیکن ان کو نہ مل سکا۔ مجھے اس مسئلہ پر بطور دلیل کے ستر اشعار کا ایک مکمل قصیدہ یاد ہے۔ ان میں سے ہر ایک شعر اس مسئلے کی دلیل بن سکتا ہے۔

تلامذہ

ایک بڑی تعداد نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

نحو میں بھی ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔

حافظ ابوسعید سمعانی، ابواحمد بن سکینہ، ابومحمد بن اخضر حدیث میں ان کے شاگرد ہیں۔

ان کی اخلاقی اور صفائی ستھرائی کی عادت

حدیث میں ثقہ صادق ہوشیار اور با اعتماد تھے لیکن ان میں دینداری کی کمی تھی، وہ بخیل اور لباس میں اور کھانے کے معاملے میں وقار سے محروم تھے، اپنی علمی ناموس کی حفاظت میں وہ لاپرواہ تھے، راستے میں عوام کے ساتھ بیٹھ کر وہ شطرنج کھیلا کرتے تھے، وہ راستے میں بندروں اور ریچھوں کی لڑائی دیکھنے کیلئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔

کثرت سے ہنسی مذاق کرنے کے ساتھ وہ عمدہ اخلاق کے بھی مالک تھے۔

دوران سبق جتنی اچھی علمی گفتگو کرتے تھے، اس سے ان کا قلم محروم تھا، ان کی کوئی جائے قرار نہ تھی۔ اس وجہ سے ان کی کوئی تصنیف بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ زندگی بھر شادی نہ کی اور نہ کسی لونڈی کے ساتھ شب باشی کی۔ وہ اپنا عمامہ بھی کئی ماہ تک نہ دھوتے تھے۔

تعجب آمیز لاپرواہی

سر کے پسینے کی وجہ سے ان کی پگڑی کے کنارے سیاہ اور میل کی وجہ سے وہ کبھی کبھی پھٹ کر گرنے شروع ہو جاتے تھے۔ پرندے اس پر گندگی ڈالتے تھے لیکن ان کو کوئی

پرواہ نہیں ہوئی۔

سر سے اتارنے کے بعد جب وہ دوبارہ پگڑی سر پر رکھتے تو بغیر سنوارے ویسے ہی رکھ دیتے۔ جس کی وجہ سے اس کا شملہ کبھی چہرے پر آ جاتا، کبھی دائیں جانب، کبھی بائیں جانب پڑا رہتا۔ وہ ہٹانے کی زحمت گوارہ نہ کرتے تھے، جب ان کی اس طرف توجہ دلائی جاتی تو ان کا ارشاد ہوتا۔ عقلمند کے سر پر عمامہ سیدھا نہیں ہوا کرتا۔ غالباً وہ ایسا مصروفیت یا لاپروائی کی وجہ سے کرتے ہوں گے۔

وہ بڑے خوش طبع اور مزاح کرنے والے اور نوادرات کی گل افشانیاں کرنے والے انسان تھے۔

ان کا ایک پرانا گھر تھا جس میں ان کا بھائی اور والد کے دیگر ورثاء شریک تھے، اس گھر میں ایک بڑا چبوترہ ان کا علیحدہ تھا، جس میں بانس کی چٹائیاں بچھا رکھی تھیں۔ چبوترے کی ابتداء میں لکڑی کی چند تختیاں لگا رکھی تھیں، جن پر ان کی غبار آلودہ کتابیں پڑی رہتی تھیں، کئی سال گزر جاتے لیکن ان کو غبار ہٹانے کی توفیق نہ ہوتی تھی[1]

خلاف عقل

چبوترے پر بچھی چٹائیاں ہمیشہ غبار سے ڈھکی ہوئی رہتی تھیں۔ صرف اپنے بیٹھنے کی جگہ وہ جھاڑتے تھے، باقی جگہ سے غبار ہٹانے کو وہ خلاف عقل سمجھتے تھے۔

کتابوں میں پرندوں کے آشیانے

مشہور تھا کہ ان کی کتابوں میں پرندوں نے اپنے آشیانے بنا لیے تھے، کتابیں وہ وہی خریدتے تھے جو صورت میں کمتر اور قیمت میں ہلکی ہوتی تھیں۔

بغداد کی بعض جگہوں سے ان کیلئے وظیفہ مقرر تھا، وہ کتاب خریدنے کیلئے جب کسی کتب خانے میں تشریف لے جاتے تو لوگوں کو غفلت میں ڈال کر مطلوبہ کتاب کا کوئی

---

[1] غالباً ایسا وہ وقت نہ ملنے کی وجہ سے کرتے ہوں۔ (م)

صفحہ پھاڑ دیتے تاکہ اس کی قیمت کم ہو جائے، پھر کتب خانے کے مالک سے کہتے دیکھو اس کا ایک صفحہ کم ہے۔

جب وہ مطالعے کے لیے کسی سے کتاب لیتے اور وقت مقررہ پر جب مالک اپنی کتاب لینے آتا تو وہ کہتے کہ آپ کی کتاب میری کتابوں میں گم ہو گئی ہے لہٰذا اب اسے بھول جاؤ، وہ ناقابل واپسی ہے۔

جب وہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تو سو سو دراہم میں بکتی اور اس کے حصول میں لوگ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔

عمدہ خط اور اچھی ترتیب کے ساتھ انہوں نے ادب، حدیث اور دیگر فنون میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں لاتعداد کتب اور اصول جمع کیے، اسی طرح ہم عصر فضلاء کے خطوط اور حدیث کے اجزاء کی بھی اچھی خاصی تعداد ان کے پاس تھی۔

ان کی آستین کتابوں سے بھری رہتی

ابن نجار کہتے ہیں کہ اہل علم اور اصحاب حدیث میں سے جب بھی کوئی اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ اس کی تمام کتب خرید کر پڑھتے، جس کی وجہ سے مشائخ کے اصول کی اچھی تعداد ان کے پاس جمع ہو گئی تھی، ان کی آستین کتابوں سے کبھی خالی نہ ہوتی۔[1]

---

[1] قدیم علماء درس و تدریس کیلئے جب جاتے تو کتابوں کو اپنی آستینوں میں رکھتے تھے۔ ان کی آستینیں بھی کشادہ ہوا کرتی تھیں بعض تو کتب رکھنے کیلئے خاص طور پر چوڑی آستین سلواتے تھے۔ ان آستینوں کے بعض قصے ان میں نے اپنی کتاب "صفحات من صبر العلماء" ص ۲۳۱-۲۴۴ میں ذکر کیے ہیں۔ علامہ یاقوت حموی نے جب معجم الادباء لکھی اور ان کے ہمعصر علماء کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے ان کو خراج تحسین پیش کیا اور کتابوں کو نقل کرنے کیلئے مانگا تو انہوں نے کتاب دینے میں بخل کیا اور چند اشعار کہے کہ اگر وہ اس کتاب کو اپنی آستین میں چھپا سکتے تو چھپا کر رکھتے اور کبھی نہ نکالتے۔

جیسے ان کے یہ اشعار

گھر بیچ کر کتابوں کی قیمت ادا کرنا

انہوں نے ایک دفعہ پانچ سو دینار کی کتابیں خریدیں اور جیب میں کچھ بھی نہ تھا، مالک کتب خانہ سے تین دن کی مہلت مانگ کر گھر آئے اور چھت پر کھڑے ہو کر مکان بیچنے کا اعلان کر دیا۔ پانچ سو دینار میں گھر بیچ کر کتابوں کی قیمت ادا کر دی ۔[1]

تمام کتابوں کو وقف کر دیا

مرنے سے پہلے انہوں نے اپنی کتابوں کو وقف کر دیا تھا لیکن مرنے کے بعد ان کی اکثر کتابیں بیچ دی گئیں اور دسواں حصہ رباط مامونیہ میں بطور وقف جمع کرا دیا گیا۔

دیگر تصانیف

ابن جنی کی کتاب "اللمع" کی انہوں نے شرح لکھنی شروع کی تھی لیکن مکمل نہ کی۔

بقیہ حاشیہ

ولو انی انفقته فی محبتی	لجلدته فی جلدی و صندقته عظمی
عزیزی علی فضلی بان لا اطیعه	علی بذله لطالبین علی العلم
ولوانی استطیع من فرط حبه	لما زال من کفی ولا غاب عن کمی

ترجمہ" قانون محبت کے مطابق اگر میں اس کتاب سے انصاف کرتا تو اپنی کھال میں اس کو ڈھانپ کر اپنی ہڈیوں کے صندوق میں اس کو رکھ دیتا لیکن بہت علم کے اردگرد چکر لگانے والوں کی خدمت گزاری کیلئے میں اس کو وقف نہ کروں یہ میرے لیے دشوار ہے۔ میرے اختیار میں ہوتا تو فرط محبت کی وجہ سے یہ کتاب میری ہتھیلی اور آستین سے جدا نہ ہوتی۔

[1] ابن رجب حنبلی کی کتاب "ذیل طبقات الحنابلة" ۱/۳۱۹ میں یہ عبارت اس طرح ہے، انہوں نے مکان پانچ سو دینار کا بیچ کر کتابوں کی قیمت ادا کی، اس کے بعد یہ عبارت ہے۔ "وبقیت له الدار" یعنی گھر ان کے پاس باقی رہا اور اسے مصحح نے اپنے اجتہاد سے" اور ان کا گھر بیچ دیا گیا" لکھ دیا ہے۔

رجاجی کی کتاب الجمل کی انہوں نے المرتجل کے نام سے شرح لکھی۔ اس شرح میں انہوں نے اصل کتاب کے ایک باب پر رد بھی کیا ہے۔ "تہذیب اصلاح المنطق" میں انہوں نے خطیب تبریزی پر بھی رد کیا ہے۔

ایک ہزار دینار کی کتاب

نحو میں یحییٰ بن ہبیرہ کے مقدمے کی انہوں نے شرح لکھنی شروع کی لیکن پورا کرنے سے پہلے اس کو چھوڑ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس شرح پر انہیں ایک ہزار دینار ملے تھے۔

انہوں نے حریری پر ان کی کتاب مقامات حریری کے بارے میں بھی رد کیا ہے، موت سے پہلے وہ اپنی تمام کتابیں اہل علم پر وقف کر گئے تھے۔

مدفن

بغداد میں باب حرب کے پاس مقبرہ امام احمد میں ان کو دفن کیا گیا۔

ہاں لیکن اللہ نے میری طرف التفات نہیں فرمایا

مرنے کے بعد ان کو کسی نے خواب میں اچھی حالت پر دیکھا، پوچھا گیا، اللہ نے کیا معاملہ فرمایا؟ تو انہوں نے کہا کہ "اللہ نے مغفرت فرمادی" پوچھا گیا "کیا آپ کو جنت میں داخل کر دیا گیا؟" انہوں نے کہا ہاں، لیکن اللہ نے میری طرف التفات نہیں فرمایا، پوچھا گیا کیا اللہ نے کیوں التفات نہیں فرمایا؟ انہوں نے کہا ہاں، اللہ نے میری اور دیگر بہت سے ایسے علماء کی طرف التفات نہیں فرمایا جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے تھے۔

(بغیۃ الوعاۃ)

☆...☆...☆

فقیہ عراق ابوالفتح ناصح الدین (۵۰۱ تا ۵۸۳ھ)

یہ ابوالفتح ناصح الدین حنبلی المعروف بابن المنی ہیں۔

حافظ ابن رجب حنبلی ''ذیل طبقات الحنابلة''[1] میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ فقیہ زاہد دین اسلام کے خیرخواہ جلیل القدر امام عراق کے نامی فقیہ ابوالفتح نصر بن فتیان بن مطر المعروف بابن المنی[2] نہروانی اور بغدادی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۵۰۱ میں اور وفات ۵۸۳ میں ہوئی۔

فقہ میں مہارت

فقہ میں مہارت حاصل کرنے تک وہ ابوبکر دینوری کی صحبت میں رہے حتی کہ اپنے ساتھیوں سے آگے بڑھ گئے اور ابوبکر دینوری کا پڑھایا ہوا سبق حاضرین کے سامنے

---

[1] ۱/۳۵۸۔۳۶۴

[2] ذہبی اپنی کتاب ''مشتبه النسبة'' ص ۵۹۹ پر اور حافظ ابن حجر اپنی کتاب تبصیر المنتبه بتحرير المشتبه ۴/۱۳۲۵ پر کہتے ہیں یہ لفظ میم مفتوحہ اور نون مکسورہ مشددہ کے ساتھ ہے۔

عامہ حنابلہ کے شیخ اسلام کے خیرخواہ ابوالفتح نصر بن فتیان بن منی ۵۸۰ کے قریب فوت ہوئے۔

ان کے بھتیجے محمد بن مقبل بن فتیان بن منی ''شهدہ'' کے شاگرد ہیں۔ ابوعبداللہ محمد بن منی بغدادی یہ ابوعمر زاہد کے استاذ ہیں۔ حافظ زبیدی نے اس لفظ کو تاج العروس ۱۰/۳۵۱ پر ''منی'' کے بارے میں ذکر کیا ہے۔

ذیل طبقات الحنابلہ میں حافظ ابن رجب حنبلی نے اس لفظ کو ان کے ہمعصر احمد بن ابراہیم صقال بغدادی کے تذکرے میں وزن کے ساتھ شعری صورت میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے جلد صفحہ ۳۰۴)

دہرانے لگے۔ انہوں نے اپنی زندگی فقہ اصول فقہ فقہی مذاہب اور اختلافات فقہ کی درس و تدریس اور اس کے مناظروں میں کھپا دی۔ اپنے وقت میں وہ مسند تدریس و افادہ کی صدارت پر فائز تھے۔ عمر انہوں نے بہت لمبی پائی تھی، دور دراز تک ان کی شہرت پھیل گئی تھی جس کی وجہ سے مختلف شہروں سے طلبہ فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنی سواریوں کا رخ ان کی طرف پھیر دیتے تھے۔

آئمہ کی ایک بڑی تعداد ان کی شاگرد ہے۔

علمی کمال اور زہد

ابن حنبلی کہتے ہیں کہ وہ ستر سال تک افتاء و تدریس میں مشغول رہے، نہ کبھی شادی کی اور نہ ہی کبھی کسی لونڈی سے شب باشی کی، کبھی خچر پر سوار ہوئے اور نہ ہی گھوڑے پر، نہ اپنے پاس کبھی غلام رکھا اور نہ ہی کبھی عمدہ لباس زیب تن کیا۔ ہمیشہ معمولی اور بقدر ضرورت لباس ہی پہنتے تھے۔ کھانے میں اکثر لوبیا کے شوربے پر گزارہ کرتے تھے۔ ان کے پاس جب کوئی ہدیہ وغیرہ آتا تو وہ اس کو ساتھیوں کے درمیان تقسیم کر دیتے۔

عقائد میں نہ وہ خود گفتگو کرتے اور نہ ہی کرنے والے کو اچھا سمجھتے۔ سلیم الاعتقاد تھے، فروعی مسائل کی دلیلوں پر صحیح تنقید کرتے تھے۔ ہم ان کے ساتھ چند سالوں تک امام احمد کی قبر کی زیارت کیلئے جاتے رہے۔

آپ ہمارے شیخ ہیں

میں نے ابن جوزی کو سنا، وہ ان سے کہہ رہے تھے کہ آپ ہمارے شیخ ہیں۔

چالیس سال کی عمر میں ان کی قوت سماعت کمزور ہوگئی تھی۔ اختلافی مسائل پر مبنی اپنی ایک کتاب ان کو زبانی یاد تھی۔

علماء کا ان کی طرف رجوع کرنا

اس وقت کے تمام فقہاء حنابلہ شرعی مسائل کے حل میں ان کے اور ان کے

ساتھیوں کی طرف رجوع کرتے تھے۔

آج بھی

حافظ ابن رجب حنبلی کہتے ہیں کہ آج بھی ہمارے تمام فقہاء انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے زمانے میں لوگ فقہی مسائل میں موفق الدین ابن قدامہ مقدسی اور مجد الدین ابن تیمیہ حرانی دمشقی ان دو بزرگوں کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ ان میں سے شیخ ابن قدامہ تو فقہ میں ابن منی کے شاگرد ہیں اور مجد الدین ابن تیمیہ تو ان کے شاگرد ابوبکر محمد بن حلاوی کے شاگرد ہیں۔

حسن اخلاق اور سخاوت

ان کے فاضل ساتھی اور واعظ ابو محمد عبدالرحمن بن عیسیٰ بزوری نے ان کی لمبی سوانح حیات لکھی ہے جس میں سے کچھ میں نے پڑھی ہے، وہ لکھتے ہیں۔

وہ کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، خاص طور پر رات میں نیک لوگوں کی عزت اور ان سے محبت کرتے تھے۔

ان میں فقہاء کی اکڑ اور علماء کا تکبر نہ تھا، کوئی شاگرد یا جاننے والا بیمار ہو جاتا تو اس کی عیادت کرتے، کوئی فوت ہو جاتا تو باوجود ضعف اور بڑھاپے کے پیدل اس کے جنازے کے ساتھ چلتے۔ دنیا سے کنارہ کشی اور جو مل گیا اس پر قناعت کرنے والے انسان تھے۔ بیت المال سے کوئی ہدیہ یا انعام وغیرہ آجاتا تو اس کو ساتھیوں میں تقسیم کر دیتے۔ دوران تقسیم اپنے حصے میں جو آتا اس کو بھی بعد میں تقسیم کر دیتے۔

دو قیراط تو رکھ لیتے

مجھے ایک با اعتماد شخص نے بتایا کہ ایک دن ان کے پاس کسی جگہ سے چالیس دینار آئے تو انہوں نے وہ سارے دینار اپنے رشتے داروں اور ساتھیوں کے درمیان تقسیم

کر دیئے اور اپنے لیے کچھ بھی نہ چھوڑا[1] مغرب کے وقت مجھے کہا: اے فلاں اس سونے میں سے دو قیراط حمام کیلئے بھی رکھ لینے تھے۔

خوراک

دن میں ان کی خوراک روٹی کے دو ٹکڑے ہوا کرتے تھے، وہ بھی بغیر شوربے کے۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا خراج تحسین

موفق الدین ابن قدامہ سے ان کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہمارے استاذ ابوالفتح نیک آدمی تھے۔ ان کی نیت خالص اور تعلیم اچھی اور بابرکت ہوا کرتی تھی، شاید ہی ان کا کوئی شاگرد ایسا ہوگا جس کو ان کی صحبت نے نفع نہ دیا ہو۔ وہ تھوڑے سے پر قناعت کرتے تھے۔ تاحیات غیر شادی شدہ رہے۔ میں نے ان سے قرآن پڑھا، وہ ہم سے محبت کرتے تھے، ہمیں تسلی دیا کرتے تھے، کسی مسئلے میں ہم گفتگو کرتے تو ان کا چہرہ خوشی سے رنگ اٹھتا تھا۔

اتوار کا دن آخری دن ہوگا

ان کی سوانح حیات لکھنے والا کہتا ہے، پندرہ شعبان کے بعد وہ بیمار ہوئے، مرض جب بڑھا تو، بڑے بڑے علماء ان کے شاگرد اور ساتھی جوق در جوق ان کی عیادت کیلئے آئے، مجھے ان کے ساتھی اور اس مرض میں ان کی تیمارداری کرنے والے فقیہ ابو محمد اسماعیل بن علی نے بتایا کہ دو رمضان بروز جمعرات کو شیخ نے مجھے کہا، اے فخر اتوار کا دن آخری ہوگا جس میں تم میری مشقت اٹھاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا، چار رمضان بروز ہفتہ کو

---

[1] میں کہتا ہوں کہ یہ عظیم امام جو اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے، حصول ثواب کے ساتھ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے دل کو دنیا سے بالکل خالی کر کے اس کو صرف علم میں مشغول رکھنا چاہتے تھے اور اس میں بڑی راحت اور سرور ملتا ہے۔ (استاذ ابو غدہؒ)

ان کا انتقال ہوا اور پانچ رمضان بروز اتوار ۵۸۳ کو ان کی تدفین ہوئی۔

نماز جنازہ

لوگوں میں ان کی وفات کا اعلان ہونا تھا کہ لاتعداد خلقت ان کے جنازے کی طرف بڑھی، لوگوں کے اژدھام کو دیکھ کر کسی قسم کی افراتفری سے بچنے کیلئے حکام نے فوج اور مسلح سپاہیوں کو چوکنا رہنے کا حکم دے دیا۔ جامع قصر کو کھول دیا گیا۔

ہولناک اژدھام میں ان کے جنازے کو ان کے شاگردوں اور خدام نے کندھوں پر اٹھایا۔ شیخ صالح سعد بن عثمان بن مرزوق مصری کو پولیس اور فوج شدید کوشش کے بعد اژدھام سے نکال کر جنازہ پڑھانے کیلئے لائی۔ لوگوں کا اچھا خاصا اژدھام شیخ سعد سے برکت حاصل کرنے کے لیے ان کے اردگرد جمع ہو گیا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ مجمع ان کو پاؤں تلے روند دے گا۔

ابوعبداللہ محمد بن طنطاش بزار کہتے ہیں کہ شیخ سعد جب جنازے کے قریب آئے تو کافی دیر تک تکبیر کہے بغیر ویسے ہی کھڑے رہے حتی کہ جب تمام لوگ خاموش ہو گئے اور آوازیں آنا بند ہو گئیں تو پھر شیخ نے نماز جنازہ پڑھانی شروع کی۔ لوگوں نے ان کے اس فعل کو پسند کیا۔

نماز جنازہ کے ختم ہونے پر پھر دوبارہ وہی اژدھام شوروغل اور دھکم پیل جامع قصر کے دروازوں میں ایسے طریقے سے شروع ہوئی کہ اس سے پہلے ایسا منظر کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ واللہ اعلم)

☆...☆...☆

قاضی ابوالحسن علی بن یوسف (۵۶۸ھ تا ۶۴۶ھ)

یہ وزیر جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف شیبانی قفطی حلبی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت سن ۵۶۸ میں اور وفات حلب کے شہر میں ۶۴۶ میں ہوئی۔

ان کے ساتھی اور دوست علامہ یاقوت حموی نے اپنی کتاب "معجم الادباء"[1] میں ان کا تفصیلی تذکرہ بیان کیا ہے۔ جس سے چند جملے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

مولد

ابوالحسن علی بن یوسف بن ابراہیم شیبانی قفطی جو کہ قاضی اکرم کے لقب سے مشہور ہیں۔ نظم اور نثر کے مشہور اور باکمال کاتب بالائی مصر کے شہر قفط میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تربیت

ابتدائی تربیت قاہرہ میں پائی۔

جس میں میں ان کی خدمت میں رہا، وہ باکمال بہت زیادہ ذکاوت والے بلند مرتبہ والے شیخ بااخلاق اور خوش رو تھے۔

میں ہمیشہ ان کے گھر میں رہتا تھا، بہت سے اہل علم وفضل حضرات کا ان کے گھر میں آنا جانا رہتا تھا۔

قابل اطمینان جواب والا شخص

ان سے جو بھی کوئی فقہ حدیث تفسیر اصول منطق ریاضی نجوم ہندسہ تاریخ جرح و تعدیل اور دیگر تمام علوم وفنون میں سے کسی کے متعلق کوئی سوال کرتا تو وہ اس کو عمدہ اور

[1] ۱۵/۵ـ۲۰۲

قابل اطمینان جواب دیتے اور اس کی لڑی میں احسن طریقے سے اپنا جواب پروتے۔

عمدہ شوق اور قابل تقلید حرص

وہ کتابیں جمع کرنے کے شوقین اور حریص تھے، کتابوں کے ساتھ جتنا لگاؤ اور ان کو جمع کرنے پر جتنی توجہ ان کی تھی مجھ سمیت اتنی توجہ میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی حالانکہ کتابوں کی میں خرید وفروخت کرتا تھا۔
اس وجہ سے جتنی کتابیں ان کے پاس تھیں، شاید ہی اتنی کسی اور کے پاس ہوں۔

حلب میں

مصر کی پیدائش کی وجہ سے حلب میں مقیم رہے اور یہاں پر علم سے حظ وافر حاصل کیا۔

تصنیفات

علامہ یاقوت حموی نے ان کی مندرجہ ذیل تصنیفات ذکر کی ہیں، وہ الفاظ جو تلفظ میں ایک دوسرے کے مشابہ اور خط میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں ان میں (۱) کتاب "الضاد والظاء" (۲) کتاب "الدر الثمین فی اخبار المتیمین" (۳) کتاب "من الوت الایام الیہ فرفعتہ ثم التوت علیہ فوضعتہ" (۴) کتاب "اخبار المصنفین وما صنفوہ"[1] (۵) کتاب "کتاب اخبار النحویین" (۶) کتاب "کتاب تاریخ مصر" اس کتاب میں شروع سے لے کر صلاح الدین کی حکمرانی تک مصر کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ (۷) کتاب "تاریخ المغرب ومن تولاھا من بنی تومرت" (۸) کتاب "تاریخ الیمن منذ اختطت الی الآن" (۹) کتاب "المجلی فی استیعاب وجوہ کلا" (۱۰) کتاب "کتاب الاصلاح

[1] مکتبات اور تراجم کی اس اہم خدمت میں قفطی نے بہت پہلے اپنا نام درج کیا ہے۔ تقریباً چار صدیوں بعد صاحب کشف الظنون سن وفات ۱۰۶۷ کو ہی اس سلسلے میں کام کرنے کی توفیق ہوئی۔

لما وقع من الخلل فی کتاب الصحاح للجوهری "(۱۱) کتاب "الکلام علی الموطاء " یہ نامکمل ہے۔(۱۲) کتاب "الکلام علی الصحیح للبخاری " یہ بھی نامکمل ہے۔(۱۳) کتاب "تاریخ محمود بن سبکتکین و بنیہ الی حین انفصال الامر عنهم "(۱۴) کتاب "اخبار السلجوقیه منذ ابتداء امرهم الی نهایته "(۱۵) کتاب "الانباس فی اخبار آل مرداس "(۱۶) کتاب "الرد علی النصاری وذکر مجامعهم "(۱۷) کتاب "مشیخة زید بن الحسن الکندی "(۱۸) کتاب "نهزة الخاطر ونزهة الناظر فی احسن مانقل من علی ظهور الکتب والدفاتر "

علامہ یاقوت حموی کی بیان کردہ کتابیں مکمل ہوئیں۔

یاقوت حموی کے علاوہ اورلوگوں نے بھی ان کی ان تصانیف کو ذکر کیا ہے۔

اخبار العلماء باخبار الحکماء، اخبار المحمدین من الشعراء، اشعار الیزیدین، أنباه الرواة علی انباه النحاة، تاریخ بنی بویه، الذیل علی انساب البلاذری، المفید فی اخبار ابی سعید السیرافی، کتاب التحریر فی اخبار ابن جریر الطبری۔

کتابوں سے عشق

مؤرخ ابن شاکر کتبی "فوات الوفیات"[۱] میں ان کے تذکرے میں کہتے ہیں۔

انہوں نے لاتعداد کتابیں جمع کیں، ان کتابوں کی وجہ سے دوردراز سے لوگ ان کی طرف آتے تھے۔ دنیا میں صرف ان کو کتابوں سے محبت تھی۔ نہ ان کا کوئی گھر تھا اور نہ کوئی بیوی، انہوں نے اپنی کتابوں کی وصیت والئ حلب ناصر کیلئے کی۔ ان کتابوں کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی۔

[۱] ۱۲۱/۲

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱ھ تا ۶۷۶ھ)

امام نووی جن کے فضل علمی قابلیت اور صلاح کی اہل مشرق ومغرب نے گواہی دی ہے۔

حافظ ذہبی کی "تذکرہ الحفاظ"[1]

اور تاج سبکی کی "طبقات الشافعیہ" سے ان کی حیات طیبہ کے چند پہلو یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ امام حافظ یکتائے زمانہ عظیم رہنما شیخ الاسلام اولیاء کی نشانی بہت سی مفید کتابوں کے مصنف محی الدین ابوزکریا، یحییٰ بن شرف نواوی[2] حزامی حورانی شافعی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۶۳۱ میں وفات ۴۵ سال کی عمر میں ۶۷۶ میں ہوئی۔

تعلیم

۶۳۱ میں حوران میں پیدا ہوئے۔ ۶۴۹ میں دمشق کا سفر کیا اور مدرسہ رواحیہ میں داخلہ لیا۔ کھانا مدرسے کا ہی کھاتے تھے، اس مدرسہ میں التنبیہ ساڑھے چار مہینوں میں یاد کی اور باقی ماندہ سال میں "المھذب" کا ایک چوتھائی حصہ شیخ اسحاق بن احمد مغربی سے یاد کیا۔

سفر حجاز

پھر اپنے والد کے ہمراہ سفر حج پر روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ میں ڈیڑھ ماہ قیام کیا۔ اس سفر میں اکثر بیمار رہے۔

---

1. ج ۴/۱۴۷۰-۱۴۷۴
2. نووی اور نواوی دونوں کہا جاتا ہے، وہ اپنے قلم سے نووی لکھا کرتے تھے۔ دیکھئے زرکلی کی الاعلام۔ شیخ الاسلام کا معنی معلوم کرنے کیلئے دیکھئے اس کتاب میں ابوعلی حسین بن علی جعفی کا تذکرہ۔

ایک دن میں بارہ سبق

ان کے شاگرد اور ہمارے شیخ ابوالحسن بن عطار نے ہمیں بتایا کہ شیخ محی الدین نووی نے ہمیں بتایا کہ میں ایک دن میں بارہ اسباق اپنے مختلف اساتذہ سے شرح اور تصحیح کے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔ دو سبق فقہ کی کتاب ''الوسیط'' کے اور ایک سبق ''المھذب'' کا یہ بھی فقہ کی کتاب ہے۔

ایک ایک سبق حدیث میں الجمع بین الصحیحین اور صحیح مسلم کا ایک سبق نحو میں ''اللمع'' اور ایک سبق لغت میں ''اصلاح المنطق'' کا اس طرح علم الصرف، اصول فقہ، ''اسماء الرجال'' اور اصول دین کا ایک ایک سبق میں روزانہ پڑھا کرتا تھا۔

اللہ نے میرے وقت میں برکت رکھی تھی

وہ کہتے ہیں کہ میں جو بھی کتاب پڑھتا تو اس کے مشکل الفاظ کی شرح عبارت کی وضاحت اور ضبط لغت کا بھی حاشیہ میں اضافہ کر دیتا۔ اللہ نے میرے وقت میں برکت رکھی تھی۔

بو علی سینا کی کتاب ''القانون'' پر تبصرہ

ایک دن مجھے طب پڑھنے کا خیال آیا، تو میں نے ابن سینا کی کتاب ''القانون'' خرید لی لیکن اس نے میرے دل پر اندھیروں کے پہرے ڈال دیے۔ چند دن تک میں تدریس اور مطالعہ کچھ نہ کر سکا۔ اپنے نفس پر رحم کھا کر میں نے وہ کتاب فروخت کر دی۔ تب میرے دل کو سکون ملا۔[1]

---

[1] عبدالفتاح کہتے ہیں کہ یوں اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں بعض علوم کی محبت ڈال دیتے ہیں اور بعض کی نفرت اور بعض میں لوگوں کو ماہر بنا دیتے ہیں اور بعض میں کوتاہ نظر اس میں اللہ کی بہت سی ظاہری اور باطنی حکمتیں ہوتی ہیں، طب، منطق، نحو، صرف، علم عروض، یہ علوم بعض علماء کے ہاں دیگر علوم کیلئے بمنزل مقدمہ کے ہیں۔ یہ علماء ان علوم میں محنت کر کے مہارت حاصل

بقیہ حاشیہ

کرتے ہیں۔ پھر کوئی نحو میں امام بنتا ہے اور کوئی صرف کا محقق، کوئی حاذق طبیب بنتا ہے اور کوئی منطق میں عبقری شخصیت بن کر ابھرتا ہے۔ پھر ان علماء کے نفوس کو ان علوم میں تسلی اور ان کی روحیں ان سے مانوس ہو جاتی ہیں۔ جلیل القدر علماء کی ایک جماعت کے ہاں ان علوم کے ذریعے بھی دین کی خدمت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، جرح و تعدیل، مصطلح الحدیث تاریخ، لغت، ادب اور شعر و شاعری بھی علوم ہیں اور کبار علماء نے دیگر علوم کو چھوڑ کر ان علوم کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان علوم کی خدمت تحقیق اور محنت کیلئے ان علماء کے سینوں کو کھول دیتے ہیں۔ پھر ان علماء کو ان علوم میں راحت اور سکون ملتا ہے۔ صالح علماء کے ہاں یہ علوم بھی دین کی خدمت کا ذریعہ ہیں۔ الحاصل ان علوم کے حاملین علماء نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کے مصداق ہیں۔

عمل کرتے رہو پس ہر شخص کو اس کی توفیق مل جائے گی جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ (الحدیث)

چنانچہ ہر علم جو دین کی خدمت کا ذریعہ ہو اگرچہ منطق اور علم الصرف کی طرح خشک اور بے مزاج کیوں نہ ہو اس کو طعنہ زنی کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اہل نظر کے ہاں یہ علوم بھی قصر علم کی اینٹیں ہیں۔

ادیب، دانشور، ماہر مصنف، علامہ یاقوت حموی نے ادب میں جب "معجم الادباء" لکھی تو کہنے والوں نے کہا انہیں ادب کے بجائے کسی دینی موضوع پر لکھنا چاہیے تھا۔ ان ناقدین کو انہوں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں ان الفاظ کے ساتھ جواب دیا ہے۔

مجھے اس بغض رکھنے والے کا خوب علم ہے جو مجھ پر تنقید کرتا ہے اور مجھے طعنہ زنی کا نشانہ بناتا ہے، اس کا خیال ہے کہ دینی موضوعات میں مشغول رہنا زیادہ اہم ہے۔

اور دنیا و آخرت میں اس کا اجر زیادہ ہے لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اور وہ رنگا رنگ اشیاء کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اگر تمام لوگ ایک ہی علم اور موضوع میں لگ جائیں تو باقی ضائع ہو جائیں گے اور ان کے آثار مٹ جائیں گے۔ اللہ نے ہر علم کیلئے کچھ لوگ مقرر کیے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کی حیثیت کو برقرار رکھتے ہیں۔

انسان کو اسی کی توفیق ملتی ہے، جس کیلئے وہ پیدا کیا جاتا ہے۔

اساتذہ

ان کے اساتذہ میں رضی بن دھان شیخ الشیوخ عبدالعزیز بن محمد انصاری زین الدین بن عبدالدائم، عماد الدین عبدالکریم بن حرستانی، زید الدین خالد بن یوسف، تقی الدین بن ابو یسر، جمال الدین بن صیرفی، شمس الدین بن عمر اور اس طبقے کے دیگر حضرات ہیں۔

بقیہ تعلیم

انہوں نے صحاح ستہ مسند موطا بغوی کی شرح السنہ سنن دار قطنی اور حدیث میں بہت سی کتابیں پڑھیں۔ حافظ عبدالغنی مقدسی کی ''الکمال فی اسماء الرجال'' انہوں نے زین الدین خالد بن یوسف سے پڑھی

محدث ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ مرادی کے سامنے احادیث صحیحین کی شرح کی۔

قاضی تفلیسی سے اصول کی تعلیم حاصل کی اور فقہ کی تعلیم کمال اسحاق مغربی، شمس الدین، عبدالرحمن بن نوح، عز الدین، عمر بن سعد اربلی اور کمال سلار اربلی سے حاصل کی۔

علم النحو شیخ احمد مصری وغیرہ سے پڑھی۔

نحو کے امام ابن مالک کی ایک تصنیف ان ہی سے پڑھی۔

عبادت اور زہد

اس کے بعد تدریس، تصنیف، علم کی نشر و اشاعت، عبادت، روزہ، ذکر و اذکار اور لباس و طعام میں تنگی کی زندگی کو اپنا لیا اور پھر اسی زندگی کے ہو کر رہ گئے۔

لباس بوسیدہ اور معمولی کپڑے کا چھوٹا سا عمامہ سر پر ہوا کرتا تھا۔

تلامذہ

ان کے شاگردوں میں علماء کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں خطیب صدر الدین،

سلیمان جعفری، شہاب الدین، احمد بن جعوان، شہاب الدین اربلی، علاؤ الدین بن عطار، ابن ابی الفتح، حافظ مزی اور ابن عطار شامل ہیں۔

راستے میں چلتے ہوئے بھی

ابن عطار کہتے ہیں کہ مجھے میرے استاذ نووی نے بتایا کہ وہ دن اور رات میں علمی مشغولیت کے علاوہ ایک گھڑی بھی ضائع نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ راستوں میں چلتے ہوئے بھی چھ سال انہوں نے ایسے گزارے۔

وہ امام تھے

پھر تصنیف افادہ اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں لگ گئے، ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ اور تقویٰ کی باریکیوں پر عمل مراقبہ اور نفس کو ہر قسم کی آسائشوں سے پاک رکھنے اور اس کی خواہشات کو مٹانے کے ساتھ ساتھ وہ حدیث اور اس کے متعلقہ فنون کے ماہر تھے۔

رجال حدیث پر ان کی نظر تھی صحیح وسقیم ہر قسم کی حدیث کے وہ حافظ تھے۔

مذہب شافعی رحمہ اللہ کے وہ امام تھے۔

فلاں کے جسم کی کھال تو سبز ہوگئی تھی

رشید بن معلم کہتے ہیں کہ میں شیخ محی الدین کو دیر سے کھانے، لباس وطعام اور دیگر امور میں تنگ زندگی اپنانے پر ملامت کیا کرتا تھا اور انہیں ایسی بیماری لاحق ہونے سے ڈراتا جو ان کو درس وتدریس سے معطل کر کے رکھ دے تو وہ جواب دیتے کہ فلاں کی تو روزہ رکھنے اور اللہ کی عبادت کرتے کرتے جسم کی کھال سبز ہوگئی تھی۔

لذتوں سے خوف

پھلوں اور دیگر لذتوں سے وہ دور رہتے تھے اور کہتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں کہ یہ چیزیں میرے جسم کو تر وتازہ کردیں گی اور میری آنکھیں نیند لائیں گی۔

دن اور رات میں وہ ایک دفعہ تھوڑا سا کھاتے اور سحر کے وقت ایک گلاس پانی پیتے۔

دمشق کا پھل نہ کھانا

ابن عطار کہتے ہیں کہ دمشق کا پھل نہ کھانے کی وجہ میں نے ان سے دریافت کی تو انہوں نے کہا

دمشق کی اکثر پیداوار یا تو اوقاف میں سے ہے یا ان لوگوں کی ہے جو اپنے مال سے خود تصرف کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور اس قسم کے اموال سے انسان اس وقت انتفاع حاصل کر سکتا ہے جب اس کا انتفاع ان اموال کیلئے باعث نفع ہو۔

پھر دمشق کی زمینوں کے معاملات عقد مساقات پر مبنی ہیں اور عقد مساقات کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔ ان وجوہات کے ہوتے ہوئے میرا دل دمشق کے پھلوں کا استعمال کیسے گوارہ کر سکتا ہے؟

استغناء

وہ کسی کی دی ہوئی چیز بہت کم قبول کرتے تھے، قبول بھی کرتے تو اس سے جو ان سے پڑھتا نہ ہوتا۔ (یعنی ان کا شاگرد نہ ہوتا)

ایک فقیر نے انہیں ایک لوٹا ہدیہ کیا تو وہ انہوں نے قبول کر لیا۔

کھانا یہاں بھیج دیں

شیخ برہان الدین اسکندرانی نے ایک دفعہ انہیں پر زور اور پر اصرار دعوت دی کہ وہ ان کے پاس افطار کریں۔ انہوں نے کہا "کھانا یہاں بھیج دیں" ہم لوگ اکٹھے بیٹھ کر کھالیں گے چنانچہ جب اس نے کھانا بھیج دیا تو شیخ نے اس مختلف النوع کھانے سے کچھ تناول فرمالیا۔

وہ بعض اوقات دو سالنوں کو ملا کر بھی کھالیا کرتے تھے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

وہ حکمرانوں اور ظالموں پر تنقید بھی کرتے، ان کی طرف خط لکھتے اور ان کو اللہ سے ڈراتے، ملاحظہ ہو ان کا ایک خط۔

بدرالدین کے نام خط

ازطرف اللہ کا بندہ، یحییٰ نووی

اللہ کی سلامتی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، مولیٰ محسن حکمرانوں کے حکمران بدرالدین پر، اللہ ان کو ہمیشہ بھلائیوں اور نیکیوں کی توفیق دے۔ دنیا وآخرت میں ان کی امیدوں کو پورا کرے اور ان کے تمام امور میں برکت دے۔ آمین

آپ کی خدمت عالیہ میں عرض کی جاتی ہے کہ بارش کی قلت کی وجہ سے اہل شام تنگی اور کمزور حالت میں ہیں، آگے انہوں نے لمبی بات کی ہے......

ملک ظاہر کے نام خط

اس خط کے ساتھ اپنا ایک رقعہ بھی ملک ظاہر کے نام ارسال کیا لیکن اس نے سخت اور تکلیف دہ جواب دیا جس سے لوگوں کے دل بہت مکدر ہوئے۔ ملک ظاہر کی طرف انہوں نے کئی خطوط لکھے۔

مجھے ان سے ڈر لگتا ہے

متعدد بار انہوں نے ملک ظاہر کو اپنے سامنے عدالت میں لا کھڑا کیا، ملک ظاہر کہا کرتے تھے کہ مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔

تین اعزاز

ہمارے شیخ ابن فرح کہتے ہیں کہ اللہ نے امام نووی کو تین ایسے اعزازات دیئے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی کسی کے پاس ہو تو وہ اس لائق ہے کہ اس کی طرف

لوگ اپنی سواریوں کا رخ کریں وہ اعزاز علم، زہد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہیں۔

چھ جلدوں میں سوانح

ابن عطار نے ان کی سوانح حیات چھ رجسٹروں میں جمع کی تھی۔

تصنیفات

ان کی تصنیفات میں شرح صحیح مسلم، ریاض الصالحین، الاذکار، الاربعین، الارشاد فی علوم الحدیث، التقریب، المبهمات، تحریر الالفاظ للتنبیه، العمدة فی تصحیح التنبیه، الایضاح فی المناسک اس کتاب کے علاوہ مناسک حج میں ان کی تین اور بھی تصنیفات ہیں۔ التبیان فی آداب حملة القرآن انہوں نے اپنے فتاوی ایک چھوٹی جلد میں جمع کیے۔ ''الروضه'' اربعة اسفار، انہوں نے باب المصراة تک ''المهذب'' کی چار جلدوں میں شرح کی۔ اس کے علاوہ ''بخاری'' کے کچھ حصے اور ''الوسیط'' کے کچھ حصے کی بھی شرح کی۔ احکام پر بھی تھوڑا سا کام کیا اور ''الاسماء واللغات'' پر تو وہ اچھا خاصا کام کر گئے۔ انہوں نے طبقات الفقہاء میں بھی ایک مسودہ لکھا تھا۔ باب صلاة المسافر تک فقہی احکام کی بھی تحقیق کی اور اس کے علاوہ دیگر مفید کتابیں تصنیف کیں۔

سفر بیت المقدس

انہوں نے بیت المقدس کی زیارت کیلئے بھی سفر کیا۔

مرض الموت اور وفات

بیت المقدس کے سفر سے واپس اپنی بستی ''نووی'' لوٹے تو والد کے ہاں جان لیوا مرض میں مبتلا ہو گئے۔ رجب ۶۷۶ھ کو ۴۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

مدفن

بستی نووی میں ان کی قبر کی زیارت کیلئے لوگ جاتے رہتے ہیں۔

اگر ان کو اتنی عمر اور مل جاتی تو.....

علامہ اپنے پیچھے وہ بہت سی عمدہ تحقیقی، نادر مفید اور مکمل تالیفات چھوڑ گئے جتنی عمر انہوں نے پائی اگر ان کو اتنی عمر اور مل جاتی تو ان کی تصنیفات حیرت ناک حد سے عبور کر جاتیں۔

باعزت اور غیر شادی شدہ رہے

تاج الدین سبکی اپنی کتاب "طبقات الشافعیة الکبری[1]" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

شیخ امام علامہ محیی الدین ابوزکریا یحیی بن شرف نووی جو کہ شیخ الاسلام استاذ المتاخرین آنے والے پر اللہ کی حجت اور مخلوق کو سلف صالحین کے راستے کی طرف بلانے والے تھے۔ انہوں نے باعزت اور غیر شادی شدہ رہ کر زندگی گزاری۔

ایک گھڑی بھی ضائع نہ کرنا

نفسانی خواہشات کو مارنے والے اپنے دین کو سرسبز اور آباد رکھنے والے اور دنیا کے ضائع ہونے سے بے پرواہ رہنے والے زاہد انسان تھے۔ زہد، قناعت نیکیوں پر استقامت اور اہل سنت والجماعت میں سے سلف صالحین کی اتباع سے انہیں حظ وافر نصیب ہوا تھا۔ اطاعت الٰہی کے علاوہ میں وہ ایک گھڑی بھی ضائع نہ کرتے تھے۔ ان عمدہ اوصاف کے علاوہ وہ مختلف علوم وفنون مثلاً فقہ، اسماء الرجال، لغت اور تصوف وغیرہ میں بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔

علامہ نووی کی مختصر اور جامع تعریف

(علامہ سبکی کہتے ہیں کہ) ان کے فضائل ومناقب اور مرتبے کو اگر میں (تاج

---

[1] ۸/۳۹۵۔۳۹۶

الدین سبکی) مختصر بیان کرنا چاہوں تو میں اپنے والد شیخ امام تقی الدین سبکی کے ان اشعار میں بیان کروں گا۔ جو انہوں نے ۷۴۲ھ میں دمشق کے دار الحدیث الاشرفیہ میں دوران قیام کہے تھے۔

وہ رات میں مدرسہ کے احاطہ کی طرف نکل جاتے تاکہ امام نووی کی مسند کے سامنے نماز تہجد ادا کریں اور اپنے چہرے کو اس چٹائی کی خاک سے آلودہ کریں جس پر امام نووی بیٹھ کر درس دیتے تھے۔ یہ چٹائی اشرف الواقف کے زمانے سے بچھی ہوئی تھی۔

اس پر اس کا نام بھی لکھا ہوا تھا، وہ شعر یہ ہیں۔

وفی دار الحدیث لطیف معنی علی بسط لها اصبو واوی

عسی انی امس بحر وجهی مکانا مسه قدم النواوی

ترجمہ ”دار الحدیث کی وہ چٹائیاں جن کا میں مشتاق رہتا ہوں اور ان کے پاس میں جگہ بناتا ہوں۔

اس میں لطیف حکمتیں اور انوارات پوشیدہ ہیں، میں اس امید کے ساتھ وہاں جاتا ہوں کہ شاید اس جگہ کو میرے چہرے کا ظاہر حصہ چھو لے جس کو امام نووی کے قدموں نے چھوا ہے۔

اس کے بعد تاج سبکی نے ان کے تذکرے میں وہی باتیں لکھی ہیں جو ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے گزری ہیں۔

ان کی زندگی پر لکھی جانے والی کتابیں

بہت سے لوگوں نے امام نووی کے تذکرے میں مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ایک علاؤ الدین بن عطار کی کتاب ہے جس کی طرف ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے۔

اور دوسری قاہرہ میں ۱۳۵۴ھ میں شائع ہونے والی سخاوی کی ”المنهل العذب الروی فی ترجمة الامام النووی“ ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے امام نووی کے ملک ظاہر کی طرف لکھے گئے خطوط اور ملک ظاہر کے خطوط کے امام نووی کی طرف سے دیئے گئے جوابات کو بھی ذکر کیا ہے۔

ان کے تذکرے میں لکھی جانے والی تیسری کتاب امام سیوطی کی ''المنہج السوی فی ترجمہ النووی'' ہے۔ چوتھی کتاب جس کا ذکر زرکلی نے ''الاعلام'' میں امام نووی کے تذکرے میں کیا ہے وہ احمد بن محمد مصری شافعی ''سحیمی'' (سن وفات ۱۱۷۸) کی تصنیف ہے۔ پانچویں کتاب دمشق کے عالم استاد عبدالغنی دقر کی دمشق سے شائع ہونے والی ''الامام النووی'' ہے۔

☆.....☆.....☆

شیخ ابو عثمان سعد بن احمد تجیبی (۶۴۰ھ تا ۷۲۲ھ)

یہ شیخ فقیہہ عالم عادل قاضی ابو عثمان سعد بن احمد تجیبی جوندی اندلسی مالکی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۶۴۰ کے قریب اور وفات ۷۲۲ میں ہوئی۔

علمی کمال

ابوالعباس تنبکتی اپنی کتاب ''نیل الابتھاج بتطریز الدیباج[1]'' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ابو عثمان سعد بن احمد جوندی جیانی جو کہ شیخ، فقیہ، عادل، عالم اور غرناطہ میں شوریٰ، افتاء، اور عقد شروط کے رکن تھے۔ غرناطہ میں ہی انہوں نے اسی (۸۰) سال کی عمر میں انتقال کیا۔

تاحیات وہ غیر شادی شدہ[2] لوگوں سے دور اور گمنام ہو کر رہے۔

---

[1] ص ۱۲۴، الدیباج اس سے مراد قاضی ابن فرحون مالکی کی فقہاء مالکیہ کے سوانح میں ''الدیباج المذھب فی معرفۃ اعیان علماء المذھب'' نامی کتاب ہے۔

[2] کتاب میں یہاں لفظ ''صرورۃ'' آیا ہے۔ اس کے بارے میں زبیدی تاج العروس ۳/۳۳۱ پر ''صرر'' کے مادے میں کہتے ہیں۔

عربی میں کہا جاتا ہے ''رجل صرورۃ'' یعنی غیر شادی شدہ یا جس نے حج نہ کیا ہو۔ واحد جمع مذکر ومؤنث سب کیلئے یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔

عربی میں یہ لفظ کئی اوزان پر آیا ہے۔ صرور جیسے صبور صرورۃ صرارۃ جیسے سحابہ صارورۃ جیسے قارورۃ صارور، صروری صاروری صاوراء، جیسے عاشوراء حدیث میں ہے ''لا صرورۃ فی الاسلام''

ابو عبید کہتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تبتل اور نکاح نہ کرنا مومنین کا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ راہبوں کا طریقہ ہے۔

منصب قضاء

وہ صاحب نظر عالم مفتی اور عادل شخص تھے۔ معاملات کی شروط سے باخبر اور قضاء واحکام پر ان کی اچھی نظر تھی۔

سن ۷۹۸ میں وہ "مریۃ" کے قاضی بنے۔

پھر البیرۃ[1] کے قاضی اور غرناطہ کے نائب قاضی بنادیے گئے۔

حدیث کی تعلیم

آپ نے اپنے ماموں اور مشہور استاذ ابوعبداللہ بن سمغور سے حدیث پڑھی۔

اجازت حدیث دینے کے وہ قائل نہ تھے۔ اس لیے زندگی بھر نہ کسی کو حدیث کی اجازت دی اور نہ ہی کبھی کسی کو حدیث پڑھائی۔

ہمنام ہم عصر سے موافقت اور مخالفت

وہ اپنے ہمنام فقیہہ طبیب ابوسعد عثمان بن احمد تجیبی[3] کے ساتھ سات چیزوں میں مطابقت رکھتے تھے۔ (۱) عمر میں (۲) دونوں ایک ہی طبقے کے تھے (۳) علم میں (۴) زہد میں (۵) نسب میں (۶) دونوں نائب قاضی رہے (۷) اور کتابوں کو جمع کرنے میں۔

چھ چیزوں میں علامہ تجیبی اپنے اس ہمنام سے مخالفت رکھتے تھے۔ (۱) دونوں کا شہر علیحدہ تھا۔ (۲) دادا کے نام میں (۳) شہرت میں (۴) جائے پیدائش میں (۵ وفات

---

[1] یہ اندلس کے شہر البیرہ کا ایک بڑا علاقہ ہے۔ (دیکھئے "معجم البلدان" ۵/۱۱۹)

[2] یہ قرطبہ سے مشرق اور قبلہ کے درمیان قبرۃ سے متصل اندلس کا ایک بڑا شہر ہے، اس کے اور قرطبہ کے درمیان ۹۰ میل کا فاصلہ ہے۔ قسطلطیہ اور غرناطہ وغیرہ اس میں بڑے بڑے شہر ہیں۔ (دیکھئے "معجم البلدان" ۱/۲۴۴)

[3] آگے اکیس نمبر تذکرہ انہی کا ہے۔

میں (۶) اور اخلاق میں۔

دونوں حضرات کی ولادت اور وفات میں تقریباً تمیں سال کا فاصلہ ہے [1]

[1] عبدالفتاح کہتے ہیں کہ یہ بڑا ہی عجیب وغریب اور انوکھا اتفاق ہے۔ ناموں میں اس طرح کے اتفاق واقع ہونے کی وجہ سے محدثین رجال کی کتابوں میں جب کسی راوی کا تذکرہ کرتے ہیں تو اگر اس کا کوئی ہمنام ہو تو تمیز کے عنوان سے اس ہمنام کا بھی ساتھ ساتھ تذکرہ کردیتے ہیں تاکہ کسی ایسے راوی کا اپنے اس ہمنام کے ساتھ جو نام، کنیت، شہر اور طبقہ وغیرہ میں اس کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ التباس نہ ہو جائے۔ اس سلسلے میں ایک عجیب وغریب قصہ سنیے۔

قاضی ابن خلکان "وفیات الاعیان" ۲۲۳/۵ پر ادیب فقیہ مفسر تاریخ دان قاضی اور مختلف فنون کے ماہر ابوالفرج معافی بن زکریا نہروانی ابن جریر کے مذہب پر ہونے کی وجہ سے جریری اور عراقی (سن ولادت ۳۰۳ اور سن وفات ۳۹۰ھ) کے تذکرے میں کہتے ہیں۔

ان کے ساتھ ایک مرتبہ عجیب اتفاق پیش آیا۔

الجمع بین الصحیحین کے مصنف اور ابن حزم کے شاگرد ابوعبداللہ حمیدی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالفرج معافی بن زکریا نہروانی کے ہاتھ سے لکھا ہوا پڑھا۔

میں ایک سال حج پر گیا، ایام تشریق کے دوران میں منیٰ میں تھا کہ میں نے ایک آواز لگانے والے کی آواز سنی، وہ ابوالفرج کہہ کر کسی کو پکار رہا تھا، میں نے سوچا کہ شاید یہ مجھے بلا رہا ہے لیکن پھر یہ سوچ کر میں نے جواب نہ دیا کہ لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جن کی کنیت ابوالفرج ہے، شاید یہ میرے علاوہ کسی اور کو بلا رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک جب کسی نے جواب نہ دیا تو اس نے دوبارہ آواز لگائی۔ اے ابوالفرج معافی میں نے جواب دینے کا ارادہ کیا لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ ہوسکتا ہے، کوئی اور ایسا شخص ہو جس کی کنیت اور نام میری طرح ہو، اس بار بھی جب اس کو جواب نہ ملا تو اس نے تیسری مرتبہ یوں آواز لگائی۔ اے ابوالفرج معافی بن زکریا نہروانی اس بار مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھے ہی بلا رہا ہے کیونکہ اس نے میرا نام، کنیت، میرے والد کا نام اور میرے شہر کی بھی وضاحت کردی تھی۔ میں نے جواب دیا، ہاں میں یہاں یہ ہوں، تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا شاید تمہارا تعلق مشرقی نہروان سے ہے؟ میں نے کہا ہاں، اس نے کہا ہم جس کو بلا رہے ہیں، اس کا تعلق مغربی نہروان سے ہے۔ مجھے نام، کنیت، والد کے نام اور شہر کے اس عجیب اتفاق سے تعجب ہوا اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ عراقی نہروان کے علاوہ مغرب میں بھی نہروان کے نام سے ایک جگہ ہے۔

شیخ الاطباء ابن نفیس (۶۱۰ھ تا ۶۸۷ھ)

یہ اپنے زمانہ کے شیخ الاطباء دل سے پھیپھڑوں کی طرف اور پھیپھڑوں سے دل کی طرف خون کے چکر لگانے کا انکشاف کرنے والے فقیہ، اصولی اور مختلف فنون میں ماہر امام ابن نفیس ہیں۔

خوانساری اپنی کتاب ''روضات الجنات''[1] میں صلاح الدین صفدی کی کتاب ''الوافی بالوفیات'' کے حوالے سے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

امام فاضل حکیم علامہ علاء الدین ابوالحسن علی بن ابوحزم ماوراء النہر کے شہر قرش کی طرف نسبت کی وجہ سے قرشی کہلاتے ہیں۔

ولادت اور وفات

وہ سن ۶۱۰ کے قریب دمشق میں پیدا ہوئے اور ۶۸۷ میں قاہرہ میں وفات پائی۔

طب کی تعلیم

طبیب ابن نفیس نے دمشق میں پرورش پائی، وہیں پر مہذب الدین دخوار[2] سے

---

[1] ۲۹۰/۵ ـ ۲۹۳

[2] یہ شیخ امام عظیم انسان مہذب الدین ابومحمد عبدالرحیم بن علی بن حامد دمشقی المعروف بالدخوار ہیں، ان کے شاگرد ابن ابی اصیبعہ کے مطابق وہ دمشق میں اطباء کے شیخ اور رئیس تھے۔ طب میں وہ لاثانی عصر اور یکتائے زمانہ تھے۔ ان کی ولادت ۵۶۵ھ میں اور وفات ۶۳ سال کی عمر میں ۶۲۸ھ میں ہوئی۔ دیکھئے ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۱ء میں بیروت کے دارالثقافہ سے شائع ہونے والی ان کے شاگرد کی کتاب ''عیون الانباء فی طبقات الاطباء'' جلد نمبر ۳ اور صفحہ نمبر ۲۹۰ تا ۳۰۴ پر ان کا تفصیلی تذکرہ اسی طرح ان کے تفصیلی تذکرے کیلئے دیکھئے۔ ذہبی کی ''سیر

تصنیفات

ان کی طب میں اعلیٰ تصانیف اور عمدہ تالیفات موجود ہیں جیسے "الشامل فی الطب" اس کتاب کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں اس کتاب کے تین سو اجزاء تھے جیسا کہ ان کے بعض ساتھیوں نے بھی کہا ہے لیکن تین سو میں سے انہوں نے اسی اجزاء کی بیاض تیار کی۔

طب میں ان کی دوسری تصنیف "المهذب فی الكحل" ہے اور تیسری "شرح القانون لابن سینا" ہے۔ اس کتاب کے بھی کئی اجزاء ہیں اور اس کے علاوہ طب میں ان کی کئی تالیفات ہیں۔[1]

شرح القانون لابن سینا

ہندوستان کے جلیل القدر معاصر اطباء ان کی اس شرح کے متعلق کہتے ہیں۔

اصل کتاب کے کسی جزو میں بغیر کسی خلل اندازی کے کتاب کے مقاصد کی تکمیل اور اس کے نکات جس طرح اس شرح نے سمیٹے ہیں اس طرح "القانون" کی کسی اور شرح نے نہیں سمیٹے۔

---

[1] ان کی تصنیفات اور تالیفات کی تفصیلات کیلئے دیکھئے ڈاکٹر بول غلیونجی کی کتاب "ابن النفيس طليعة المعهد العلمي فی الطب" ص ۱۳۸۔۱۴۸ جس کو حکومت کویت کی "وزارة الارشاد و الانباء الكويتيه" نے شائع کیا ہے۔ کتاب پر تاریخ اشاعت موجود نہیں ہے۔ ابن نفیس نے دل سے پھیپھڑوں کی طرف اور پھیپھڑوں سے دل کی طرف خون کے دوران کا جو انکشاف کیا تھا اس کے متعلق آپ کو اس کتاب میں علمی باتیں ملیں گی۔ ان کے اس انکشاف کی مزید تفصیلات کیلئے دیکھئے۔ ڈاکٹر سلمان قطایہ کی کتاب "الطب العربی، ابن نفیس" اس کی اشاعت اول ۱۹۸۴ میں بیروت کے "المؤسسة العربية للدراسات و النشر" سے ہوئی۔ یہ کتاب عمدہ اور لطیف ہے۔

اسی طرح ماہ محرم ۱۴۰۴ھ قطر سے شائع ہونے والا ماہنامہ الامہ اشاعت نمبر ۳۷ میں احمد عکیشی کا مقالہ بعنوان "من تاریخ الطب عند العرب" "ابن النفیس" بھی دیکھئے۔

ان کی طب میں ایک اور کتاب کتاب "الموجز فی الطب"[1] ہے جو کہ ابن سینا کی "القانون" کا خلاصہ ہے۔

یہ مختصر کتاب تمام اسلامی اور مشرقی ممالک کے درسی نصابوں میں داخل ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے میڈیکل کالجوں میں یہ کتاب آج تک پڑھائی جاتی ہے[2] اس کتاب کے شہرۂ آفاق ہونے کی وجہ سے شراح نے بھی اس کتاب کی طرف خاص توجہ کی ہے اور اس کی بہت سی شروحات لکھی ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب طب کی بڑی کلاسوں کے اہم اسباق میں شمار کی جانے لگی۔

الموجز فی الطب کی شروحات

اس کتاب کی مشہور شروحات میں سے چند یہ ہیں۔

کتاب "المغنی" یا "السدیدی" مصنفہ سدید الدین کازرونی، سن وفات ۷۷۹ برہان الدین نفیس بن عوض کرمانی سن وفات ۸۵۰ کی النفیسی جمال الدین اقصرائی کی "الاقصرائی" اور شہاب الدین حلبی کی شرح "الحلبی"۔

دیگر علوم میں تصنیفات

علم منطق پر بھی ان کی نظر تھی، اس میں انہوں نے ایک مختصر کتاب بھی لکھی اور

---

[1] اس کتاب کی تحقیق عمدگی اور امتیازی شان کے ساتھ وزارۃ الاوقات المصر یہ بمطابع الاہرام التجاریہ نے ۱۴۰۶ بمطابق ۱۹۸۶ء میں ۳۵۰ صفحات پر مشتمل ایک جلد میں شائع کیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب کے شروع میں ابن نفیس کا جامع اور نافع تذکرہ بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں میں نے اسی سے استفادہ کیا ہے۔

[2] ابن سینا کی کتاب "قاموس القانون" کے مقدمہ میں "ز" پر ہندوستان کے جن پانچ مشہور اور بڑے اطباء کی تالیفات ذکر کی گئی ہیں۔ وہ بھی ہیں۔ اس کتاب کو اس مقدمہ کے ساتھ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ دائرۃ المعارف العثمانیہ نے ۱۳۷۸ میں شائع کیا ہے۔

ابن سینا کی منطق میں الہدایہ کی شرح بھی لکھی۔ فقہ، اصول فقہ، عربیت حدیث، علم بیان اور دیگر علوم میں بھی ان کی تصنیفات ہیں۔ ابواسحاق شیرازی کی کتاب "التنبیه" کی بھی انہوں نے "باب السهو" تک عمدہ شرح کی ہے۔

تدریس

وہ قاہرہ میں مدرسہ محمدیہ میں فقہ پڑھاتے رہے ہیں۔

میرے ہاں صرف وہی معتبر ہیں

صلاح صفدی، شیخ نجم الدین صفدی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قاہرہ کے علماء میں سے نحو میں میرے ہاں صرف علاء الدین ابن نفیس کا قول ہی معتبر ہے۔

انوکھا کام

صلاح صفدی ہی کہتے ہیں کہ میں نے ان کی ایک چھوٹی سی کتاب دیکھی، جس میں انہوں نے ابن سینا رسالہ "حي بن يقظان" کا معارضہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کو "كتاب فاضل بن ناطق" کہا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مذہب اسلام اور اس کے عقائد مثلاً نبوت و شریعت کی حقانیت، مرنے کے بعد زندہ ہونا اور اس دنیا کا نیست و نابود ہونا، ان جیسے عقائد کی حمایت میں دلائل دیئے ہیں۔ بخدا انہوں نے ہر ایک انوکھا کام کیا ہے اور یہ کتاب ان کی عظمت صحت دین اور علوم عقلیہ میں رسوخ کی واضح دلیل ہے۔

ناقابل فراموش خدمت

لجنۃ احیاء التراث کے ارکان ان کی کتاب "الموجز في الطب" کے مقدمے میں کہتے ہیں۔ علامہ شیخ فقیہ اور طبیب ابن نفیس نے اپنے تجربات اور طب سے طویل تعلق کی بنا پر جسم انسانی میں "الدورة الدموية الصغرى" یعنی خون کے دل سے

پھیپھڑوں کی طرف اور پھیپھڑوں سے دل کی طرف چکر لگانے (دوران) کا انکشاف کیا ہے۔

جالینوس اور اس کے متبعین خاص طور پر ابن سینا نے جسم انسانی میں دل اور پھیپھڑوں کے وظیفے (کام) اور ان کی ادائیگی عمل کی کیفیت کی وضاحت میں جو باتیں کہی ہیں۔ انہوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اپنے اس علمی انکشاف کی شرح انہوں نے اپنی کتاب "شرح تشریح ابن سینا" میں کی ہے۔ اس انکشاف میں انہوں نے طب اور علاج کی بہت بڑی اور ناقابل فراموش خدمت کی ہے۔

اپنا رخ دیوار کی طرف پھیر لیتے

امام برہان ابراہیم رشیدی کہتے ہیں کہ علاء بن نفیس جب تصنیف کیلئے بیٹھتے تو بہت سے قلم ان کے سامنے تراش کر رکھ دیئے جاتے، وہ اپنا رخ دیوار کی طرف موڑ کر دل میں جو آتا دریا کی روانی کی طرح اس کو حوالہ قرطاس کرتے جاتے۔ ایک قلم جب جواب دے دیتا تو وقت بچانے کیلئے اس کو تراشنے کے بجائے پھینک دیتے اور فوراً دوسرا اٹھا لیتے۔

دوران تصنیف وہ کسی کتاب کسی طرف مراجعت نہ کرتے تھے۔

آپ کے پاس تو علوم کے خزینے ہیں

"ان کے شاگرد قاہرہ کے حکیم سدید دمیاطی کہتے ہیں، ایک رات وہ اور قاضی جمال الدین بن واصل جمع ہو گئے، میں ان کے قریب سویا ہوا تھا، عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان کی بحث شروع ہوگئی جو ایک علم سے دوسرے علم کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ دوران بحث شیخ علاء الدین کے چہرے پر نہ تھکان کے آثار نمودار ہوئے اور نہ ہی وہ اکتائے لیکن قاضی علاء الدین اکتا جاتے۔ ان کی آواز بلند ہو جاتی، آنکھیں سرخ ہو جاتیں، گردن کی رگیں پھول جاتیں، یہ بحث طلوع صبح تک چلتی رہی۔ اختتام بحث پر قاضی جمال الدین نے کہا علاء الدین ہمارے پاس تو چند مسائل نکات اور قواعد ہیں اور

آپ کے پاس تو علوم کے خزینے ہیں۔"

علم کا استحقاق اور روانی

ان کے ایک اور ساتھی کہتے ہیں کہ وہ ایک دفعہ باب الزھومیہ کے غسل خانے میں داخل ہوئے آدھا غسل کرنے کے بعد غسل خانے سے باہر کپڑے اتارنے کی جگہ پر آئے اور دوات قلم اور ورق مانگا اور وہیں بیٹھے بیٹھے نبض پر ایک مقالہ لکھ ڈالا۔ مقالے سے فارغ ہو کر دوبارہ غسل خانے میں گئے اور اپنا غسل مکمل کیا۔

حسن صورت وسیرت

شیخ کا قد لمبا، رخسار ملائم، جسم نحیف اور شخصیت باوقار تھی۔ دن ہو یا رات ہر وقت ان کا آستانہ استفادہ کیلئے کھلا رہتا تھا۔ جلیل القدر لوگ ان کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے جن میں رئیس الاطباء، مہذب الدین بن ابی حنیفہ، شرف الدین بن صغیر، امین الدین بن قف اور دیگر بڑے اطباء شامل ہیں۔

وہ مجلس میں لوگوں کو ان کی حیثیتوں کا لحاظ کر کے مختلف طبقات میں بٹھاتے تھے۔

مصر اور قاہرہ میں اطباء کی ایک جماعت ان کی اور عماد الدین نابلسی کی شاگرد ہے۔

میں اس حال میں اللہ سے نہیں ملنا چاہتا

قاہرہ میں ان کا ایک گھر تھا جس میں انہوں نے آخر تک سنگ مرمر بچھا رکھا تھا۔ مرض الموت میں ان کے کسی طبیب ساتھی نے بطور دواء کے ان کو تھوڑی شراب پینے کا مشورہ دیا لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا میں اس حال میں اللہ سے نہیں ملنا چاہتا کہ میرے پیٹ میں کچھ شراب ہو۔

زہد

تاحیات وہ غیر شادی شدہ رہے۔ مرنے کے بعد انہوں نے اپنے گھر کتابیں

اور دیگر اموال کو منصوری بیمارستان[1] کیلئے وقف کرنے کی وصیت کی تھی۔ الغرض وہ ایک عظیم شخصیت تھے۔ بہت سے فضلاء کا کہنا ہے کہ وہ دوسرے ابن سینا تھے۔

تواضع

عبدالفتاح کہتے ہیں کہ وہ اپنی اس جلالت قدر اور طب میں مہارت کے باوجود وہ ایک متواضع انسان تھے، جب وہ اپنے تلامذہ اور استفادہ کرنے والوں کو اجازت دیتے تو خود کو طب کا ''طالب علم'' کہتے۔

دیکھئے زرکلی کی کتاب ''الاعــــلام'' میں ان کا تذکرہ جس میں آپ کو ان کے خوبصورت باتصویر تحریر کا ایک نمونہ ملے گا۔

ایک سبق

جسم انسانی میں ''الدورة الدمویه'' کا عظیم اور حیرتناک انکشاف سات صدیوں بعد آج بھی طب کی دنیا میں اہمیت کا حامل ہے۔

اپنے زمانہ کے اس امام الطب کا خود کو طب کا طالب علم کہنے میں ہمارے دور کے ان لوگوں کیلئے بڑا سبق ہے جو لمبے چوڑے القاب لگانے کے مرض میں مبتلا ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تو فضل و کمال سے محروم رکھا ہے لیکن ان کو تمام لوگوں کی سرداری اور ان پر بڑائی کا دعویٰ ہے۔

☆......☆......☆

---

[1] یہ لفظ دو فارسی کلموں سے مرکب ہے۔ بیمار بمعنی مریض اور ستان بمعنی گھر یعنی مریضوں کا گھر ہسپتال۔

﴿شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۱ھ تا ۷۲۸ھ)﴾

یہ نامور شیخ الاسلام ابن تیمیہ حرانی دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۶۶۱ میں اور وفات ۷۲۸ میں ۶۷ سال کی عمر میں ہوئی۔

تصنیفی عمر

ان کی تصنیفی عمر پانچ سو جلدوں تک پہنچتی ہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

ان کا تذکرہ بہت وسیع ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ان کے معاصر ساتھی، ان کے احوال سے باخبر اپنی تصنیفات میں ان کے علوم سے استفادہ کرنے والے ان کے ناقد، ان کی امامت علم، دینداری، صلاح، تقویٰ اور زہد کے بہت بڑے مداح ہیں۔ انہوں نے ان کا مکمل اور جامع تذکرہ بیان کیا ہے چنانچہ اپنی کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' میں وہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شیخ، امام، علامہ، حافظ، ناقد، فقیہ، مجتہد، باکمال مفسر، شیخ الاسلام، زاہدوں کی پہچان اور یکتائے زمانہ، تقی الدین ابوالعباس احمد بن مفتی شہاب الدین عبدالحلیم بن امام مجتہد شیخ الاسلام مجدالدین عبدالسلام بن عبداللہ بن ابوالقاسم حرانی جو کہ جلیل القدر علماء میں سے ایک تھے۔

جائے مولد و پیدائش علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

ربیع الاول سن ۶۶۱ کو حران میں پیدا ہوئے۔

حدیث کی تعلیم

۶۶۷ھ میں وہ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ دمشق آئے، یہاں انہوں نے ابن عبدالدائم، ابن ابی الیسر، کمال بن عبد، ابن الصیرفی، ابن ابی الخیر اور دیگر بہت سے علماء سے حدیث پڑھی۔

حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، اس کے اجزاء لکھے، شیوخ حدیث کی مجلسوں کے چکر لگائے، حدیث کی تخریج اور تہذیب کی، رجال حدیث، اس کی علتوں اور فقہ حدیث میں مہارت حاصل کی۔ حدیث کے علاوہ دیگر اسلامی علوم مثلاً علم کلام وغیرہ میں بھی مہارت حاصل کی۔

علم کا سمندر

وہ علم کے سمندر اور گنے چنے چندازکیا میں سے ایک شخص تھے۔

علامہ ایک بے نظیر زاہد، بڑے بہادر اور بہت زیادہ سخی تھے۔ ان کے ہم خیال اور مخالف دونوں ان کے ذکر خیر میں رطب اللسان تھے۔

شہرۂ آفاق مخفی شخصیت

ان کی تصانیف کی شہرت آفاق عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ دمشق، مصر اور اسکندریہ میں وہ حدیث کا درس دیتے رہے۔ ایک سے زائد بار وہ آزمائے گئے۔

مصر، قاہرہ اور اسکندریہ کے قلعوں میں وہ محبوس رہے۔ دمشق کے قلعہ میں وہ دو بار محبوس رہے، اسی قلعہ میں انہوں نے (بیس) ۲۰ ذوالقعدہ سن ۲۸ ۷ھ کو سفر آخرت اختیار کیا۔

وفات کے وقت بھی ان کے پاؤں بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ تجہیز وتکفین کے بعد ان کے جسد خاکی کو شہر کی جامع مسجد لایا گیا۔ لاتعداد خلقت ان کے جنازے میں شرکت کیلئے ٹوٹ پڑی۔ اندازہ لگایا گیا تو وہ تقریباً ساٹھ ہزار تھے۔

مدفن

مقبرہ صوفیہ میں ان کے بھائی امام شرف الدین عبداللہ کے پہلو میں ان کو سپرد خاک کیا گیا۔ (رحمہ اللہ)[1]

تنقید کا نشانہ بنائے جانے کی وجہ

بعض فتاویٰ میں منفرد رائے رکھنے کی وجہ سے ان کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ بحر علم میں ڈوبے ہوئے انسان تھے۔

اللہ تعالیٰ انہیں درگزر فرمائے اور ان سے راضی ہو، میں نے ان کی کوئی مثال نہیں دیکھی۔ رہے ان کے تفردات تو ہر عالم کی بعض باتیں قابل قبول اور بعض ناقابل قبول ہوتی ہیں تو پھر؟[2]

---

[1] جامعہ دمشق کے میڈیکل کالج کے صحن میں واقع ان کی قبر آج بھی مشہور ہے۔ ان کے پڑوس میں ان کے ہمعصر اور ساتھی امام حافظ دالدنیا ابوحجاج مزی کی قبر ہے۔ دونوں قبروں کا لوہے کی چار دیواری نے احاطہ کیا ہوا ہے۔ چالیس سال سے زائد عرصہ پہلے میں نے ان کی قبروں پر یہ لکھا کتبہ پڑھا تھا۔ (استاذ عبدالفتاح رحمہ اللہ) مترجم کہتا ہے، استاد ابوالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ اصلا شامی تھے، بعد میں حکومت شام سے اختلافات کی وجہ سے ملک بدر ہو گئے تھے۔ پھر ساری زندگی شام نہیں گئے۔ (واللہ اعلم)

[2] ڈاکٹر صلاح الدین منجد سے علامہ ابن تیمیہ کا تذکرہ "تذکرۃ الحفاظ" سے اپنی کتاب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نقل کرتے ہوئے سہواً یہ آخری جملہ رہ گیا۔ اس لیے میں نے تنبیہ کر دی۔

یہی حافظ ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب "المعجم المختص بالمحدثین" کے صفحہ نمبر ۲۵ پر کہتے ہیں۔

چند مسائل میں وہ منفرد رائے رکھتے تھے، اس لیے ان کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، انسان ہونے کے ناطے ان سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی تھی لیکن اس کے باوجود میری آنکھوں نے ان کی مثال نہیں دیکھی اور نہ ہی انہوں نے خود اپنی نظیر دیکھی تھی۔ وہ دینی علوم میں متبحر عالم اور امام تھے۔ صحیح ذہن

وہ کچھ پڑھا جس کو ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہ پڑھ سکا

یہی حافظ ذہبی رحمہ اللہ اپنے اساتذہ کی سوانح عمریوں پر مشتمل کتاب میں علامہ ابن تیمیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

ہمارے اور اسلام کے شیخ علم، معرفت، شجاعت، ذکاوت، نورالٰہی، سخاوت، امت کی خیرخواہی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں لاثانی عصر تھے۔ انہوں نے حدیث کی تعلیم شروع کی تو پھر اس کے ہوکر رہ گئے۔

حدیث کو لکھا، اس کی تخریج کی، اس کے رجال اور طبقات کو دیکھا اور حدیث میں وہ کچھ پڑھا جس کو ان کے علاوہ کوئی دوسرا نہ پڑھ سکا۔

تفسیر میں مہارت

تفسیر قرآن میں مہارت حاصل کی۔ سیال طبیعت اور مشکل مقامات کو تیزی سے حل کرنے والے ذہن کی بنا پر اس کے دقیق مسائل میں غوطے لگائے۔ قرآن سے ان مسائل کا استنباط کیا جن کو ان سے پہلے کوئی معلوم نہ کر سکا تھا۔

حفظ حدیث میں بھی مہارت حاصل کی، ان کے علاوہ بہت ہی کم ایسے لوگ ہوں گے جن کو حدیث اور اس سے متعلقہ تمام تفصیلات ازبر ہوں اور اس کے ساتھ ضرورت کے وقت متعلقہ حدیث اس کے ذہن میں مستحضر بھی ہو۔

بقیہ حاشیہ

اور چند مسائل کا ادراک کرنے والے تھے۔ فہم مسائل میں تیز اور بہت سارے فضائل کے حامل تھے۔ شجاعت، سخاوت اور شہوات نفسانیہ، لباس طعام اور جنس تعلق سے کنارہ کش تھے۔ علم کی نشرواشاعت اور اس پر عمل کے سوا ان کا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ عبد الفتاح کہتے ہیں کہ یہ ہیں عجیب جلیل القدر امام شاذی پر علم کو ترجیح دینے والے کبار علماء کے استاد ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔ ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جو ان کی شخصیت سے اندھا ہو کر ان سے حسد کرتا ہے اور اس حسد کی آگ میں اپنے جگر کو جلا رہا ہے۔

فقہ میں مہارت

فقہ اختلاف مذاہب اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ کا علم رکھنے میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھے۔ فتویٰ دینے میں وہ کسی ایک مذہب کو ہی پکڑنا لازم نہیں سمجھتے تھے بلکہ جس مذہب کی ان کے پاس دلیل ہوتی اسی کے مطابق وہ فتویٰ دیتے۔

عربیت میں پختگی

عربی کے اصول وفروع اس کی تعلیلات اور اختلافات میں بھی وہ پختہ تھے۔

علوم عقلیہ اور ابن تیمیہ

علوم عقلیہ پر بھی ان کی نظر تھی۔ متکلمین کے اقوال ان کی نظروں سے اوجھل نہ تھے۔ انہوں نے ان پر رد بھی کیا اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ ان کے خلاف سنت نظریات سے لوگوں کو ڈرایا اور سنت کی واضح دلائل اور روشن براہین سے نصرت کی۔

علامہ ابن تیمیہ کی فضیلت کا اعتراف

اللہ کے نام پر مخالفین کی جانب سے ان کو ایذائیں بھی دی گئیں۔ سنت کی مدد کرنے کی پاداش میں ان کی اہانت بھی کی گئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عظمت کا مینارہ بلند کیا اور متقین کے دلوں کو ان کی محبت اور ان کے واسطے دعا کیلئے جمع کر دیا اور ان کے دشمنوں کو نامراد کیا اور ان کی ذات سے مختلف تہذیبوں اور جماعتوں کے بہت سے لوگوں کو راہ راست دکھائی۔ امراء اور بادشاہوں کے قلوب کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف پھیر دیا۔

شام کو بلکہ پورے عالم اسلام کو ان کی ذات سے حیات نو بخشی ورنہ قریب تھا کہ تاتاریوں کا فتنہ اسلام کی عمارت میں دراڑیں ڈال دیتا۔

میرے جیسے کم مایہ شخص کیلئے یہ بہت بڑی بات ہے کہ میں ان کی سوانح حیات بیان کروں۔

رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان مجھ سے قسم لی جائے تو میں اس بات پر قسم کھانے کیلئے تیار ہوں کہ میری آنکھوں نے ان جیسی شان نہیں دیکھی اور خود انہوں نے بھی اپنی نظیر نہیں دیکھی۔ (دیکھئے ''شذرات الذھب''[1])

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الدراتیمیہ فی السیرۃ التیمیہ'' میں کہتے ہیں۔ شیخ تقی الدین حدیث میں مشغول رہے۔ حدیث کا ایک معتد بہ حصہ انہوں نے لکھا ہے۔

ابتدائی مکتب میں

خط اور حساب انہوں نے مکتب میں بیٹھ کر سیکھا، قرآن حفظ کرنے کے بعد وہ نقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ چند دن تک وہ عربی ابن عبدالقوی سے پڑھتے رہے۔

عربی سمجھنے کے بعد سیبویہ کی کتاب غور وفکر کر کے خود ہی سمجھ لی۔ علامہ نحو میں بھی بڑے ماہر تھے۔

دس سال کی عمر میں علوم کا حصول

اس کے بعد تفسیر کی طرف وہ یکسو ہو کر متوجہ ہو گئے حتیٰ کہ اس میں بہت سے لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

اصول فقہ میں بھی راسخ تھے، یہ سب علوم انہوں نے دس سال سے کچھ اوپر عمر میں حاصل کر لیے تھے۔ اس بے انتہا ذکاوت ذہن کی تیزی اور قوت حافظہ نے ان کے ہم عصر فضلاء کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے مکمل پاکدامنی، عفت، عبادت اور لباس وطعام میں میانہ روی کے ساتھ نشو ونما پائی۔

چھوٹی عمر میں ہی مجالس علمیہ میں حاضری

چھوٹی عمر میں انہوں نے مجالس علمیہ اور مدارس میں حاضری شروع کر دی تھی،

---

[1] ۸۱/۶

اس عمر میں وہ کبار علماء سے مناظرہ کرتے اور ان کو لاجواب کر دیتے اور اپنا کلام پیش کرتے جو سامعین کو حیرت زدہ کر دیتا۔

انیس سال کی عمر میں فتویٰ نویسی

انیس سال سے کم عمر میں ہی انہوں نے فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔ اسی عمر میں انہوں نے تصنیف و تالیف میں قدم رکھا تھا۔ ان کی علمی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔

مجلس تفسیر

بروز جمعہ ان کی تفسیر کی مجلس لگتی تھی جس میں وہ اپنی یادداشت سے بغیر توقف کے اطمینان کے ساتھ بلند اور فصیح زبان میں دو سے زائد کاپیوں کا درس دے دیا کرتے تھے۔

مختصر عبارت میں

اس طرح وہ ایک ہی وقت میں انتہائی مختصر اور واضح عبارت میں تیزی کے ساتھ فتاویٰ کے کئی صفحات لکھ دیتے تھے۔

فنون حدیث اور شیخ الاسلام

رجال کی جرح و تعدیل ان کے طبقات کی تعیین سے وہ مکمل باخبر تھے۔ اعلیٰ ادنیٰ صحیح و سقیم ہر قسم کی حدیث ان کے حافظے میں محفوظ تھی۔ متون حدیث ان کو انوکھے طریقے سے یاد تھے۔

ہر وہ حدیث جس کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں، وہ حدیث ہی نہیں

احادیث کے استحضار اور ان کو بطور استدلال پیش کرنے میں وہ نابغہ روزگار تھے۔ حدیث پڑھاتے وقت ان کو اس کے مراجع کی طرف منسوب کرنا ان پر ختم تھا۔ ان کے بارے میں یہ کہنا بجا ہے کہ ہر وہ حدیث جس کو ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی

نہیں ہے۔

امامت

تمام چیزوں کا احاطہ تو اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ علم کے سمندر میں غوطے لگا کر علمی جواہرات لاتے تھے اور دیگر آئمہ اس سمندر کے کناروں سے جو ملتا لے لیتے۔

تفسیر میں ان کی امامت مسلم ہے، آیات کو بطور استدلال پیش کرنے کی ان میں عجیب قوت تھی۔

اسی امامت اور مہارت کی وجہ سے انہوں نے بہت سے مفسرین کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔

دن رات میں تفسیر فقہ، اصول فقہ، واصول علم کلام میں اس طرح فلاسفہ اور متقدمین کے رد میں ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً پانچ سو جلدوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ ایک سے زائد مسائل میں ان کی مستقل تصانیف ہیں۔

چند مسائل میں آئمہ اربعہ کی مخالفت

صحابہ و تابعین کے مذاہب ان کو ازبر تھے بہت کم ایسا ہوا کہ انہوں نے کوئی مسئلہ بیان کیا ہو اور اس میں آئمہ اربعہ کے اقوال ذکر نہ کیے ہوں۔

چند مشہور مسائل میں انہوں نے آئمہ اربعہ کی مخالفت کی ہے۔ ان مسائل میں انہوں نے قرآن وسنت کی روشنی میں تصانیف بھی کیں۔

چند سالوں تک انہوں نے کسی معین مذہب پر فتویٰ نہیں دیا بلکہ جس مذہب کی ان کے پاس دلیل ہوتی اسی کے مطابق فتویٰ دے دیتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انہوں نے ساری زندگی سنت اور سلف کے طریقے کی حمایت میں گزاری ان کو ایسے دلائل اور مقدمات سے مضبوط کیا، جن دلائل تک ان سے پہلے کسی اور کی رسائی نہ ہو سکی۔

وہ ثابت قدم رہے

البتہ ان سے چند ایسے اقوال بھی سرزد ہو گئے جن کا ان سے پہلے اور بعد کے لوگوں میں سے کوئی بھی قائل نہ تھا۔ وہ لوگ ایسے اقوال منہ سے نکالتے سے ڈرتے تھے۔

انہی اقوال کی وجہ سے مصر اور شام کے بہت سے لوگ ان کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ ان کو بدعتی بھی کہا گیا اور ان سے مناظرے بھی کیے گئے لیکن وہ ان تمام حالات میں ثابت قدم رہے۔ ان کے اجتہاد کا تیز ذہن اور عقل و اقوال پر ان کی وسیع نظر نے جس گروہ حق کا اظہار کیا تھا اس سے وہ ذرا بھی پیچھے نہ ہٹے۔ ان کے اور ان کے مخالفین کے درمیان شام اور مصر میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔[1]

توکل

وہ شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والے انسان تھے، اللہ کے سامنے ہمیشہ گڑگڑانے والے اسی سے مدد مانگنے والے شخص تھے اور اسی پر ان کا بھروسہ تھا۔

مشکل حالات میں وہ ثابت قدم رہتے، ان کے کچھ اوراد و اذکار تھے جن پر وہ مداومت کرتے تھے۔ مخالفین سے ہٹ کر دوسری طرف علماء، صلحاء، امراء، تاجر اور دیگر عام لوگوں میں ایک بڑی تعداد ان کے عشاق کی بھی تھی۔

ان کی شجاعت کی مثالیں بیان کی جاتی تھیں بلکہ بعض اوقات تو وہ اس وصف میں بڑے بڑے پہلوانوں کے ساتھ مشابہ نظر آتے تھے

استغناء

لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینے کیلئے جب انہوں نے سن ۷۰۰ھ میں بطور قاصد کے سفر کیا تو ان کیلئے یومیہ ایک دینار اور دیگر سہولیات مقرر کی گئیں۔ ان کے پاس کپڑوں کی ایک ٹوکری بھی آئی لیکن انہوں نے اس کو قبول نہ کیا۔

---

[1] مصنف کی اس گروہ حق سے مراد اس زمانے کے اہل تشیع کے خلاف فتاویٰ اور باقاعدہ جنگ ہے۔

تمام علوم ان کی آنکھوں کے سامنے

قاضی ابوالفتح ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ وہ ابن تیمیہ سے جب میری ملاقات ہوئی تو مجھے ایسا لگا جیسے تمام علوم ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں جس کو چاہیں لے لیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ ان سے کہا گیا کہ آپ لوگوں کا مناظرہ کیوں نہیں ہوا؟ تو انہوں نے کہا کہ "ان کو باتیں اچھی لگتی ہیں اور مجھے خاموش رہنا۔"

(ابوحیان اندلسی کا اعتراف قدر ومنزلت)

وہ کہتے ہیں کہ

میری آنکھوں نے ان جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔

نحو کے امام ابوحیان اندلسی ان کے پاس آئے تو یہ کہہ کر گئے کہ میری آنکھوں نے ان جیسا کوئی اور نہیں دیکھا۔

"یا خالد" نہیں یا اللہ مدد کہو

تاتاریوں کے خلاف جنگ میں جب بادشاہ اور خلیفہ دمشق کے قریب واقع شحب نامی جگہ پر پہنچے تو شیخ الاسلام نے ان سے ملاقات کی اور ان کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔

بادشاہ نے جب تاتاریوں کی کثرت دیکھی تو حضرت خالد بن ولید کے نام کا سہارا لیتے ہوئے نعرہ لگایا۔ اے خالد بن ولید ابن تیمیہ نے سمجھایا اور کہا کہ ایسا کہنے کے بجائے یوں کہئے "یا مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین" اس کے بعد کہا ثابت قدم رہو، مدد آپ ہی کی جائے گی، کسی امیر نے انشاء اللہ کہا تو ابن تیمیہ نے جواب دیا یقینی طور پر انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان تاتاریوں کے خلاف بامراد لوٹے۔

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی

دوسرے لوگوں کی طرح اطمینان اور سکون کے ساتھ کسی ایک شہر میں ٹھکانہ بنا کر زندگی گزارنے کا ان کو شوق نہ تھا اور نہ ان کو کسی کی پرواہ تھی۔

تفردات

چند بڑے مسائل جن کو ان کے ہمعصروں کی عقلیں اور ان کے علوم سمجھنے سے قاصر تھے، ان مسائل میں انہوں نے اپنی منفرد آراء کا اظہار کر کے اپنے دشمنوں کو اپنے خلاف محاذ آراء کر دیا تھا۔

طلاق کی قسم اٹھانے پر وہ کفر کا فتویٰ دیتے تھے لیکن طلاقیں دینے سے ان کے ہاں ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔

حالت حیض میں طلاق دینے سے ان کے خیال میں طلاق واقع نہ ہوتی تھی۔

نہیں ہے تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر

وہ عجیب زندگی گزار کر اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ مصر، دمشق اور اسکندریہ میں وہ کئی بار پابند سلاسل ہوئے۔ ان کی زندگی میں اتار چڑھاؤ آتا رہا لیکن وہ ہر حال میں اپنی رائے پر قائم رہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ ان سختیوں کو ان کی سیئات کا کفارہ بنا دیں گے۔ کئی دفعہ ان کو مصائب کی وادی میں پھینکا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو خلاصی نصیب فرمائی۔

زہد

زندگی بھر انہوں نے شادی کی اور نہ ہی کسی لونڈی کے ساتھ شب باشی کی۔

خودداری

وظیفہ کم ہونے کی وجہ سے ان کا بھائی ہی ان کی کفالت کرتا تھا، اکثر وہ صبح وشام

کا کھانا بھائیوں سے طلب نہیں کرتے تھے۔ان کے دل میں دنیا کی کوئی وقعت نہ تھی۔

رحمانی یا شیطانی

مشائخ کی باطنی کیفیات کے بارے میں وہ کہتے تھے ''یا تو یہ نفسانی ہیں یا شیطانی'' وہ کہا کرتے تھے کہ شیخ اگر متبع کتاب وسنت ہے تو اس کی اکثر کیفیات رحمانی ہوتی ہیں لیکن اس کو معصوم نہیں سمجھنا چاہیے۔اس موضوع میں ان کی کئی جلدوں پر مشتمل عجیب و غریب تصنیف ہیں۔

جنات اور شیخ الاسلام

کتنے ہی جنات کے ستائے ہوئے انسان صرف ان کی ایک ڈانٹ سے صحیح ہوگئے۔اس طرح کے واقعات ان کے ساتھ کئی بار پیش آئے۔

وہ چند آیات پڑھ کر ''جن'' کو کہتے کہ اگر تم اس شخص سے علیحدہ نہ ہوئے تو ہم تمہارے بارے میں شریعت کے حکم پر عمل کریں گے۔تمہارے ساتھ وہ کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (ﷺ) خوش ہو۔

زندگی کے آخری ایام میں ایک اور آزمائش

زندگی کے آخری ایام میں ان کے مخالفین کو ان پر تنقید کا ایک اور موقع میسر آگیا۔

آپ ﷺ کی حدیث ''سفر صرف تین مسجدوں کی زیارت کیلئے کیا کرو'' (او کما قال)

کی بنا پر ان کا فتویٰ تھا کہ قبور انبیاء کی زیارت کیلئے سفر جائز نہیں ہے۔اس بات کا تو ان کو اعتراف تھا کہ قبور انبیاء کی زیارت باعث برکت وثواب ہے لیکن اس کے باوجود اس فتویٰ پر بھی ان کے مخالفین نے ان کو طعن زنی کا نشانہ بنایا۔ایک جماعت نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس فتوے سے نبوت کی تنقیص لازم آتی ہے لہٰذا اس کا قائل کافر ہے۔

البتہ اکثر لوگوں کی رائے تھی کہ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ جس کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے۔ انشاء اللہ

زندگی کی آخری اسیری

بہرحال یہ قضیہ خوب بڑھا چڑھا کر پھیلایا گیا جس کی وجہ سے ان کو دوبارہ قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اس قلعے میں تقریباً دو سال تک لکھائی اور مطالعہ کی ان پر پابندی لگا دی گئی۔ نہ ان کے پاس کوئی کاپی چھوڑی گئی اور نہ ہی دوات وغیرہ۔

سفرآخرت

اس عرصہ میں وہ تلاوت تہجد اور عبادت میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر کسی مرض کے اپنے پاس بلایا۔ لوگوں کو جب ان کی اس ناگہانی موت کی اطلاع ہوئی تو قلعہ کے دروازے پر لاتعداد مخلوق جمع ہوگئی۔ دوسری طرف جامع مسجد میں نماز جمعہ کا مجمع اس سے بھی زیادہ تھا۔

شہر کے چاروں دروازوں سے مخلوق نے سروں پر اٹھا کر ان کو سفرآخرت پر روانہ کیا۔ ۶۷ سال اور چند ماہ تک وہ اس دارفانی میں رہے۔

صورت اور سیرت

ان کے سر اور داڑھی کے چند بال چھوڑ کر باقی سارے بال کالے تھے۔

ان کی زلفیں کانوں کی لو تک تھیں۔

وہ میانہ قد، سفید رنگ اور بلند آواز کے مالک تھے۔ ان کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں جو دیکھنے میں دو بولتی ہوئی زبانیں لگتی تھیں، ان کے دونوں کندھوں کے درمیان کچھ فاصلہ تھا، وہ فصیح اللسان اور تیز تیز پڑھتے تھے۔ غصہ آتا تو بردباری اور درگزر سے اس کو ٹال دیتے۔ (دیکھئے ابن وردی کی تاریخ ''تتمة المختصر في اخبار البشر'')

لے ۴/۶۰۲_۳۱۳

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسائل سے متعلق آیات کے استحضار میں جتنے وہ تیز تھے، اتنا تیز میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ اسی طرح متون احادیث کا جتنا استحضار ان کے ذہن میں تھا، اتنا شاید کسی اور کے ذہن میں نہ ہو۔ احادیث اپنے مراجع مثلاً صحیح، مسند یا سنن کی تعیین کے ساتھ جیسے ان کو ازبر تھیں، اتنی میرے خیال میں کسی اور کو ازبر نہ تھیں۔ یہ سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے کھلی ہوئی کتاب کے مانند تھا اور ان کی زبان کے ایک طرف شیریں اور عمدہ عبارت، کھلی آنکھ اور مخالف کو لاجواب کرنے کا سامان موجود تھا۔

اللہ کی ایک نشانی

تفسیر کی وسیع معلومات میں تو وہ اللہ کی ایک نشانی تھے، ایک آیت کی تفسیر میں وہ ایک یا دو دو مجلسیں گزار دیتے تھے۔

فرق باطلہ کے رد میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا کردار

خوارج روافض معتزلہ اور مبتدعہ کی واہیات تو اس میں ان کے پاؤں کی غبار تک نہ پہنچتی (یعنی روانی سے انکار و بیان فرماتے تھے۔)

اس علمی فضل و کمال کے ساتھ ساتھ وہ سخاوت اور بے پناہ شجاعت میں بھی بے نظیر تھے علم اور مطالعہ سے وہ کبھی بھی سیر نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی وہ کبھی تدریس اور بحث ومباحثے سے اکتاتے تھے۔ وہ جب بھی کسی علم میں داخل ہوتے تو ان کے لیے اس علم میں کئی دروازے کھل جاتے۔ پھر وہ اس علم میں ایسے اضافے کرتے جن تک اس علم کے ماہرین کی رسائی بھی نہ ہوتی تھی۔ (دیکھئے ان کے شاگرد مورخ ادیب صلاح صفدی کی کتاب "الوافی بالوفیات")

پہلے حفاظ کے متعلق جو ہم نے سنا تھا وہ اس کی زندہ تصویر تھے

ان کے شاگرد صلاح صفدی اپنی اسی مذکورہ بالا کتاب میں کہتے ہیں۔

میں نے انہیں مدرسۃ القصاعین اور مدرسۃ حنبلیہ میں کئی بار دیکھا۔ وہ جب گفتگو کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے۔ ان کی زبان پر عبارتوں کا ہجوم ہو جاتا۔ اس وقت ان کی حالت قابل دید ہوا کرتی تھی، اس وقت وہ ایک ایسے امام کے روپ میں دکھائی دیتے جس کا کوئی ہم پلہ اور ثانی نہ ہو اور ایسے عالم کے لبادے میں ملبوس نظر آتے جس کو ہر علم سے حظ وافر ملا ہو۔ اس وقت ان کا تیر سیدھا نشانے پر لگتا اور وہ ایسے مناظر کی طرح نظر آتے جو میدان مناظرہ میں اپنے مباحث کے ذریعے مد مقابل پر سخت دن لے کر آیا ہو

وعاينت بدراً لايرى البدر مثله   وخاطبت بحراً لايرى العبر[1] عائمه

ترجمہ: "تم نے ایسے چاند کا دیدار کیا ہے جس نے اپنا ہم شکل نہیں دیکھا اور تم ایسے سمندر سے ہم کلام ہوئے ہو جس میں تیرنے والے نے کنارا نہیں دیکھا"

میں ان کی صحبت میں کئی مرتبہ بیٹھا، الحنبلیہ میں ان کے درس میں کئی دفعہ حاضر ہوا۔ دوران درس میں ان کی زبان سے وہ فوائد سنتا تھا جو میں نے کسی اور سے نہیں سنے ہوتے تھے اور نہ ہی میں نے وہ کسی کتاب میں دیکھے ہوتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وسعت نظر اور قوت حافظہ میں میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی، پہلے حفاظ کے متعلق جو ہم نے سنا تھا وہ اس کی زندہ تصویر تھے، حصول مقصد میں وہ عالی ہمت شخص تھے۔

ابن صرد: کے یہ اشعار اکثر ان کی زبان پر ہوا کرتے تھے۔

تموت النفس بأوصابها   ولم يدر عوادها بها

وما انصفت مهجة تشتكى   أذاها الى غير أحبابها

ترجمہ: "لوگ اپنی بیماریوں کی وجہ سے مرجاتے ہیں لیکن ان کے

---

[1] عین کے فتحہ بعد کسرہ کیساتھ بمعنی کنارہ دیکھیے قاموس۔

تمہارا درد مرض کی تشخیص میں ناکام رہتے ہیں۔ وہ شخص منصف نہیں ہے جو اپنی تکلیف کو دوستوں کے بجائے غیروں کے سامنے بیان کرے۔"

یہ شعر بھی اکثر ان کی زبان پر ہوا کرتا تھا

من لم يقد ويدس في خيشومه   رهج الخميس فلن يقود خميسا

ترجمہ: "جس کی سرپرستی نہ کی گئی ہو اور اس کے ناک میں لشکر کی گرد وغبار نہ پڑی ہو وہ ہرگز کسی لشکر کی رہنمائی نہیں کرسکتا۔"

چمکتی بجلی اور برستی بارش

ان کا قلم جب چمکتا تو وہ بجلی سے مقابلہ کرتا دکھائی دیتا اور برستی بارش کا منظر پیش کرتا، ایک ایک مسئلے میں جتنا چاہتے لکھ ڈالتے بعض اوقات وہ ایک ہی مجلس میں دو، دو، تین، تین کاپیاں لکھ ڈالتے لیکن ان کے ذہن کی دھار کند ہوتی اور نہ ہی اس میں کوئی رخنہ پڑتا۔ اگرچہ وہ "المحلی" کے ساتھ مزین رہے اور اس کی خوب تقلید کی لیکن اگر وہ چاہتے تو اس جیسی کتاب اپنے حافظے کی قوت سے لکھ دیتے اور جو کچھ اس کی خرابی تھی وہ سب کچھ پیش کردیتے۔

زندگی کا ایک حصہ باطل کے خلاف

زندگی کا ایک حصہ انہوں نے نصاریٰ، روافض اور دیگر دین دشمنوں کے رد میں صرف کیا۔ اس عرصے میں اگر وہ بخاری کی کوئی شرح یا قرآن کی کوئی تفسیر لکھتے تو وہ اپنے اوقاتِ کلام کے جواہرات اہلِ علم کی گردنوں میں ڈال دیتے۔[1]

بچپن ہی سے وہ طالبِ علم میں رہتے اور اس میں محنت کرنے والے تھے، اس خواہش پر وہ کسی دنیاوی لذت کو ترجیح نہیں دیتے تھے، انہوں نے جوانی کا کوئی لمحہ ضائع

1. امام ابن تیمیہ اس عرصہ زندگی کو تفسیر قرآن کے علاوہ میں ضائع کرنے پر بعد میں افسوس کیا کرتے تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔

نہیں کیا۔

علم کی لذت میں محویت

علم کی لذت پا کر بعض اوقات وہ کھانا پینا بھی بھول جاتے تھے، کھانا جب تک ان کے سامنے حاضر نہ کر دیا جاتا، اس وقت تک ان کو اس کی کوئی پرواہ نہ ہوتی اور نہ ہی وہ کھانے پینے کیلئے صبح یا شام کو نہیں جاتے۔[1]

دیکھئے ڈاکٹر منجد کی کتاب "شیخ الاسلام[2] ابن تیمیہ" یہ کلمات الوافی بالوفیات اور صلاح صفدی کی کتاب (أعیان العصر)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تذکرۃ الحفاظ میں ابن تیمیہ کے تذکرے میں اپنے استاذ حافظ ابوالحجاج مزی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی اور نہ ہی انہوں نے خود اپنی نظیر دیکھی تھی۔ کتاب وسنت کا ان سے بڑا کوئی عالم اور ان سے زیادہ متبع کتاب وسنت میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔

ان سے بڑا کوئی عالم نہیں

علامہ کمال الدین بن الزملکانی کہتے ہیں، ان سے جب کسی فن کے متعلق سوال کیا جاتا تو دیکھنے اور سننے والا سمجھتا کہ ان کو اس فن کے علاوہ اور کسی فن سے کوئی سروکار نہیں اور وہ یہ فیصلہ کر کے اٹھتا اس فن کا ان سے بڑا کوئی عالم نہیں۔

مختلف ملکوں کے فقہاء ان کی صحبت سے تمام مذاہب کی معلومات لیتے اور ان کی مجلس سے اپنی جھولیوں میں وہ کچھ لے کر لوٹتے جو ان کو پہلے کسی سے نہ ملا ہوتا۔

مناظروں کے فاتح

کبھی نہ سنا گیا کہ انہوں نے کسی سے مناظرہ کیا ہو اور ہار گئے ہوں کسی بھی علم

---

[1] ۷/۱۹۔۲۲

[2] ص ۵۰۔۵۱

میں چاہے وہ اپنی ہو یا دوسرے کی اور جب وہ گفتگو کرتے تو وہ اس عالم کے ماہرین پر فائق نظر آتے۔

حسن تصنیف، عبارت کی عمدگی، مواد کی ترتیب و تقسیم اور پھر اس کے بیان کرنے میں وہ مہارت تامہ رکھتے تھے۔ دیکھئے ابن شاکر کتبی کی "فوات الوفیات"

علامہ سبکی کا اعتراف قدر و منزلت[1]

حافظ ابن حجر حنبلی اپنی کتاب "ذیل طبقات الحنابلہ" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں امام علامہ قاضی القضاۃ تقی الدین سبکی اپنے اس خط میں جو انہوں نے حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف شیخ ابن تیمیہ کے متعلق لکھا اس میں کہتے ہیں۔

بندہ ان کی عظمت کثرت معلومات علوم شرعیہ عقلیہ میں ان کی وسعت بے پناہ ذکاوت اور قوت اجتہاد اور ان تمام چیزوں میں ان کی حد سے بڑھی ہوئی قابلیت کا ہمیشہ سے معترف اور قائل رہا ہے۔

مذکورہ بالا بیان کردہ اوصاف سے زیادہ ان کی عظمت میرے دل میں ہے، پھر اس علمی کمال کے ساتھ اللہ جل شانہ نے ان میں زہد تقویٰ دیانت نصرت حق اور سلف صالحین کی مکمل اتباع جمع کر دی تھی۔

ہمارا زمانہ کیا گزشتہ زمانوں سے ان کی نظیر آنکھوں نے نہ دیکھی تھی۔

بے نظیر حافظ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الدرر الکامنہ[2] میں کہتے ہیں جمال الدین یوسف بن محمد حنبلی السرمری دمشقی (سن ولادت ۶۹۶ سن وفات ۷۷۶) نے اپنی امالی میں کہا ہے

---

۱ ۳۹۴/۲

۲ امام سبکی ان کے مخالفین کو دیکھنے کیلئے تو لکھتے اور ان کو خود کو ملوک اور ہمدرد کہتے ہیں۔ سلف صالحین میں سے بڑے لوگوں کا ادب یوں ہی ہوا کرتا تھا۔

۳ ۱/ ۱۷۲، ۱۸۶

ہمارے زمانے میں قوت یادداشت میں ابن تیمیہ عجیب تھے۔ وہ کسی کتاب کا ایک دفعہ مطالعہ کرتے تو وہ کتاب ان کے ذہن میں نقش ہو جاتی۔ پھر وہ اس کو اپنی تصنیفات میں بعینہ اسی کے الفاظ میں نقل کیا کرتے۔

ان کی عظمت پر اجماع نہ ہونے کی وجہ

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ان کی صحبت میں رہ کر ان کو جاننے والا مجھے ان کے مناقب بیان کرنے میں کوتاہی کرنے والا کہے گا اور ان کو جھٹکنے والا اور ان کی مخالفت کرنے والا میری ان باتوں کو مبالغہ آمیزی پر محمول کرے گا اور ایسا ہوا بھی ان کے ساتھیوں اور مخالفین دونوں کی طرف سے مجھے تکلیف پہنچی ہے، میں ان کو معصوم نہیں سمجھتا بلکہ میں تو بعض اصولی اور فروعی مسائل میں ان کی مخالفت کرتا ہوں۔

وسعت علم، حد سے زیادہ شجاعت، تیز ذہن اور شعائر اللہ جل شانہ کی تعلیم کے باوجود وہ ایک انسان تھے۔ بحث و مباحثہ میں تیزی غصہ اور مدمقابل پر ان کے تجاوز نے بعض لوگوں کے دلوں میں ان کی عداوت کاشت کی ورنہ اگر وہ اپنے مخالفین کے ساتھ ذرا نرمی کرتے تو ان کی عظمت پر لوگوں کا اجماع ہوتا کیونکہ ان کے مخالفین کے بڑے تو ان کے علوم کے آگے سر خم کیے۔ ان کی عظمت کے معترف اور ان کی غلطیوں کے نادر ہونے کا ان کو بھی اقرار ہے۔ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ وہ ایک ایسے سمندر تھے جس کا کوئی کنارہ نہ ہو۔ ایسا خزانہ تھے جس کی کوئی نظیر نہ ہو لیکن یہ لوگ ان کے بعض اخلاق و افعال سے نالاں تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کا قول قابل قبول بھی ہو سکتا ہے اور لائق ترک بھی۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تضرع آہ و زاری اور اس کی طرف کثرت توجہ میں بے نظیر شخص تھے۔

1. ۲/۳۰۱_۳۰۲

علامہ ابن تیمیہ کا اقرار

حافظ ابن رجب حنبلی ؒ اپنی ''ذیل طبقات الحنابلہ'' میں کہتے ہیں۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ زندگی کے آخری ایام میں وہ دمشق کے قلعہ میں 2 سال اور چند ماہ تک محبوس رہے۔ اسی اسیری میں وہ سفر آخرت پر روانہ ہوئے، اس قلعے میں دو چند دن تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ جن عظیم علوم اور احوال کا اللہ جل شانہ کی طرف سے ان کے دل پر انکشاف ہوتا۔ ان کا تذکرہ وہ اپنے ساتھیوں کی طرف ان الفاظ میں کرتے تھے کہ

''اس قلعے میں اس دفعہ تفسیر قرآن اور اصول علم میں سے بہت سی ان باتوں کا اللہ جل شانہ نے میرے دل پر انکشاف کیا ہے جن کی تمنا لیے بہت سے علماء اس دنیا سے چلے گئے۔ تفسیر قرآن کے علاوہ دوسرے علوم میں اپنا بہت سا وقت ضائع کرنے پر اب مجھے افسوس ہوتا ہے مگر کچھ عرصہ بعد ان کو کتابت سے روک دیا گیا، دوات، قلم اور ورق ان سے لیا گیا۔

اس پابندی کے بعد وہ تلاوت تہجد مناجات اور ذکر و اذکار میں مشغول ہو گئے۔

دنیا کی جنت اور آخرت کی جنت

''امام شمس الدین ابن قیم جوزی اپنی کتاب ''الوابل من الکلم الطیب'' [1] میں کہتے ہیں، میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ دنیا میں ایک جنت ہے یعنی اللہ جل اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کی حلاوت جو اس میں داخل نہ ہوگا تو وہ آخرت کی جنت میں بھی داخل نہ ہو سکے گا۔''

دشمن میرا کیا بگاڑیں گے

ایک دفعہ انھوں نے مجھے کہا دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں، میری جنت (یعنی

---

[1] ۶۶_۶۴

ایمان وعلم) میرے سینے میں ہے۔ میں جہاں جاؤں وہ میرے ساتھ ہوتی ہے، قید کردیا جاؤں تو مجھے خلوت میسر آجائے گی، قتل کردیا جاؤں تو شہادت کے مرتبے پر فائز ہو جاؤں گا، شہر سے نکال دیا جاؤں تو سیر وتفریح کے مواقع میسر آجائیں گے۔

قلعے کی قید کی نعمت

اپنے قلعہ میں دوران قید وہ کہا کرتے تھے، اس قلعے کو سونے سے بھر کر بھی اگر میں ان لوگوں کو دے دوں تو پھر بھی میں ان کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتا کیونکہ اس قید سے انہوں نے میرے لیے خیر کے بہت سے اسباب پیدا کردیئے ہیں۔

ایک دعا

دوران قید سجدے کی حالت میں وہ یہ دعا بار بار پڑھا کرتے تھے "اے اللہ اپنے ذکر وشکر اور احسن طریقے سے اپنی عبادت کرنے میں میری مدد فرما۔"

"قیدی" علامہ کی نظر میں

ایک دفعہ انہوں نے مجھے کہا محبوس وہ ہوتا ہے جس کا دل اپنے رب سے جدا کر دیا گیا ہو اور قیدی وہ ہوتا ہے جس کو اس کی نفسانی خواہشات نے قید کردیا ہو۔

باطن میں رحمت اور ظاہر میں عذاب

ایک دفعہ قلعے میں داخل ہونے کے بعد اس کی داخلی دیوار پر ایک نظر ڈالی اور یہ آیت پڑھی

﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ الخ﴾

ترجمہ "پھر کھڑی کردی جائے ان کے بیچ میں ایک دیوار جس میں ہوگا دروازہ، اس کے اندر رحمت ہوگی اور ظاہر میں اس کی طرف سے عذاب"

ل ۱۲/ب ۳۳ء

حوصلے بڑھانے والا مجاہد

ظاہری طور پر تنگی، عیش وعشرت کے اسباب کی عدم موجودگی پھر اس کے ساتھ قید اور ان سے زیادہ دشمنوں کی طرف سے دھمکیوں اور ڈرانے کے باوجود اللہ جانتا ہے کہ ان سے بڑھ کر خوش عیش شرح صدر والا، ان سے زیادہ مضبوط اور خوش رہنے والا میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ ان کے چہرے پر تروتازگی کے آثار واضح دکھائی دیتے تھے۔

ہم پر جب شدید خوف طاری ہوتا ہے اور ہم برے گمانوں میں مبتلا ہوتے اور زمین ہم پر تنگ ہوتی دکھائی دینے لگتی۔

تو ہم ان کے آستانے پر حاضری دیتے، صرف ان کے دیدار اور ان کی باتیں سننے سے ہی ہمارے غم کافور ہو جاتے، ہمارا سینہ کھل جاتا۔

قوت ایمان و یقین اور اطمینان کا ہم سانس لیتے، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی ملاقات سے پہلے ہی ان کو جنت دکھا دی اور اس دارالعمل میں ہی ان کیلئے اپنی جنت کے دروازے کھول دیئے تو جب تک وہ اس کے طلب میں اپنی توانائیاں خرچ کرتے رہے اور اس کی طرف بڑھتے رہے اس کی راحت باد نسیم اور اس کی خوشبو ان تک پہنچتی رہی۔

ذکر الٰہی کی مثال

میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ ذکر اللہ دل کیلئے ایسا ہی ہے جیسے مچھلی کیلئے پانی، مچھلی پانی میں نہ ہو تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔

عجیب ناشتہ

میں ایک دفعہ ان کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا، فجر کی نماز پڑھ کر وہ ذکر و اذکار میں مشغول ہوئے اور آدھے دن کے قریب اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، یہ میرا ناشتہ ہے جس دن میں یہ ناشتہ نہ کروں اس دن میری قوت جواب دے

دیتی ہے۔

ایک مرتبہ مجھے کہا "ذکر میں اس نیت سے وقفہ کرتا ہوں تاکہ میرا نفس کچھ راحت پاکر دوبارہ ذکر واذکار کیلئے تیار ہو جائے۔"

ذکر کی قوت

اس کے بعد امام ابن قیم ذکر کے فوائد بتاتے ہوئے فرماتے ہیں، فائدہ نمبر ۶۱ ذکر انسان کو قوت فراہم کرتا ہے، ذکر سے انسان وہ کچھ کر لیتا ہے جو بغیر ذکر کے نہیں کر سکتا۔

میری گفتگو آگے بڑھنے اور تصنیف وتالیف میں میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ میں عجیب قوت کا مشاہدہ کیا ہے، ایک ہفتے یا اس سے زائد دنوں کا کام وہ ایک دن میں لکھ ڈالتے تھے۔

میدان جنگ میں بپھرا ہوا شیر

میدان جنگ میں بھی لشکر ان میں عظیم قوت کا مشاہدہ کرتا تھا۔

عبدالفتاح کہتے ہیں کہ دینداری، علم وفضل، صلاح اور دیگر فضائل میں ابن تیمیہ کی امامت پر میں نے ان کے معاصر علماء کے چند اقوال نقل کر دیئے ہیں لیکن عقیدہ فقہ اور تفسیر کے بعض مسائل میں جو ان پر تنقید کی گئی ہے اس کو میں نے اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس کتاب میں ان کا ذکر خیر کرنے کا مقصد علم وفضل میں ان کے مقام رفیع کی نشاندہی کرنا ہے اور یہ بات واضح ہو کر سامنے آگئی کہ انہوں نے تاحیات نہ شادی کی اور نہ ہی کسی لونڈی سے انہوں نے شب باشی کی۔

علم کی طرف توجہ اور دین اسلام کی خدمت کی وجہ سے نہ ہی انہوں نے دنیوی لذتوں کی طرف سے رخ موڑا۔ حافظ ذھبیؒ کے حوالے سے جیسا کہ ماقبل میں بیان ہوا کہ انہوں نے اپنے بعد پانچ سو جلدیں چھوڑیں جو کہ فکری اولاد ہے۔

تصنیفات

ان کے شاگرد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان کی تصنیفات کے نام ۳۲ صفحات پر مشتمل اپنے ایک رسالے میں ذکر کیے ہیں، جس میں انہوں نے تقریباً ۳۵۰ تصنیفات کا ذکر کیا ہے، ان تصنیفات میں بعض کتابیں تو چند جلدوں پر مشتمل ہیں اور بعض ایک جلد یا چند صفحات پر مشتمل ہیں۔

ابن قیم کا یہ رسالہ ڈاکٹر صلاح الدین منجد کی تحقیق کے ساتھ المجمع العلمی دمشق نے چند سال قبل شائع کیا ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی اپنی کتاب "ذیل طبقات الحنابلہ" میں ان کے تذکرے میں کہتے ہیں کہ ان کی تصنیفات سے شہر بھرے ہوئے ہیں اور ان کی تعداد حد سے زیادہ ہے، کسی کیلئے ممکن نہیں کہ وہ ان کو شمار کر سکے۔

تجرد رہنے کے ثمرات

میں کہتا ہوں کہ یہ ان کے غیر شادی شدہ رہنے کے آثار اور ان کے اکیلے رہنے اور علم کی طرف انقطاع کے ثمرات ہیں جو علم کے طالبین کیلئے مفید اور عارفین کو غذا پہنچاتے رہیں گے۔

اور رہتی دنیا تک علماء اور طلبہ کو علمی امداد دیتے رہیں گے، اسلامی دنیا میں ان کے ان کثیر فوائد اور علوم پر رہتی دنیا تک اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ

ڈاکٹر صلاح منجد نے "شیخ الاسلام" "ابن تیمیہ سیرتہ واخبارہ عند المؤرخین" کے نام سے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ان کی سوانح حیات قلمبند کی ہے جس میں انہوں نے شیخ الاسلام کا تذکرہ ان کے معاصرین اور لوگوں کے اقوال کی روشنی میں کیا ہے اور ان کا یہ کام واقعی قابل تحسین ہے۔

علامہ سعد بن احمد تجیبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عظیم فقیہہ وطبیب، باکمال مصنف علامہ سعد بن احمد تجیبی مالکی اندلسی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی سن ولادت ۶۸۱ اور سن وفات ۷۵۰ ہے۔

ابوالعباس تنبکی اپنی کتاب ''نیل الابتھاج '' ''بتطریز الدباج '' میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ابوعثمان سعد بن احمد بن ابراہیم بن تجیبی جو کہ مریہ کے بڑے علماء میں سے تھے۔

علمی کمال اور تصنیفی خدمات

حضرمی نے اپنے اساتذہ کے تذکرے میں لکھا ہے۔

ہمارے استاذ مصنف حاذق طبیب مختلف فنون میں ماہر صالح زاہد اور فاضل عالم جو کہ اندلس کے بڑے علماء میں سے ایک اور تصنیف وتالیف میں باکمال انسان تھے۔

نظم اور نثر میں مختلف فنون کے متعلق ان کی تقریباً تیس تصنیفات ہیں۔ علوم میں ان کو ایک خاص قدرت حاصل تھی۔ اندلس میں وہ اپنے وقت کے بہت سے زیادہ کتابوں کو جمع کرنے والے اور سب سے زیادہ باعظمت تھے، کتابوں کو محفوظ کرنے میں وہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ کتابوں کی عمدہ تصحیح ان کی ترتیب اور ان کا دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرنے میں بھی خاص دلچسپی رکھتے تھے۔

زہد و استغناء

وہ زاہد اور متقی شخص تھے، لوگوں کے پاس جو کچھ تھا اس سے کنارہ کش رہتے، تا حیات وہ غیر شادی شدہ رہے۔

تدریس

فضلاء اور بڑے لوگ طب اور دیگر علوم پڑھنے کیلئے ہمیشہ ان کے پاس آتے رہے۔

منصب قضاء

احکام شرعیہ اور دیگر معاملات میں ان کے شہر کے قاضیوں نے انہیں نائب قاضی بنایا تو ان کی عدالت لوگوں کے سامنے آشکارہ ہوگئی۔

ان کی اچھی سیرت کو سراہا گیا اور معاملات میں ان کی صفائی مشہور ہوگئی تھی۔

جائے پیدائش و تربیت

وہ "مریہ" نامی شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تربیت پائی، اپنی شخصیت کی تعمیر و تربیت کے علاوہ اور کسی غرض کیلئے وہاں سے باہر قدم نہ رکھا۔

(علامہ سعد تحیبی نیک کام کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہتے تھے باوجود تنگی کے) صدقہ بہت زیادہ دیا کرتے تھے۔

مختلف فنون میں مہارت

ابو العباس تنبکتی مزید لکھتے ہیں کہ تیس سال تک مستقل طور پر میں ان کی صحبت میں رہا۔ حدیث، میراث، طب، علم عروض اور مساحت وغیرہ میں میں نے ان کے بعض منظوم رسالوں کو یاد کیا اور ان رسائل کا اکثر حصہ میں نے ان سے سنا بھی ہے۔

علم حدیث و میراث وغیرہ میں میں نے ان سے مہارت حاصل کی اور ان کے

خزانے سے استفادہ کیا۔

شہادت

طاعون کی وباء میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

عجیب موافقت

ابوالعباس ؒ ان کے تذکرے کے آخر میں کہتے ہیں کہ علامہ سعد اپنے ہم نام و ہم عصر شیخ فقیہ، عادل، ابوعثمان سعد بن احمد تجیبی کے ساتھ بہت سی باتوں میں موافقت رکھتے تھے۔

اس ابوعثمان کا تذکرہ نمبر اٹھارہ پر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

☆ ☆......☆

﴿امام عز الدین محمد بن ابی بکر﴾

یہ امام آیۃ محمد علامہ مختلف فنون میں ماہر متکلم، اصولی فقیہہ مناظر، مفسر، نحوی، لغوی، بیانی اختلاف مذاہب سے باخبر استاذ العصر فخر الزمان استاذ عز الدین محمد بن شرف الدین قاضی القضاۃ ابو بکر بن عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ بن جماعہ ہیں جو کہ اصلاً حموی وطناً کنانی ومصری اور مذہباً شافعی ہیں۔ علامہ محمد بن شریف الدین ابو بکر ہی جیسے تمام علوم کے متفرقات کے جامع تھے۔

ہر فن مولیٰ شخصیت

ان کے شاگرد حافظ ابن حجر ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ

وکان من العلوم بحیث یقضی ۔۔۔ لہ فی کل فن بالجمیع

ترجمہ: علوم میں ان کی مہارت کا یہ حال تھا کہ ان کو ہر فن کا مکمل ماہر مان لیا جائے۔

ولادت اور تعلیم

وہ ۷۴۹ھ میں ینبع میں پیدا ہوئے اور چھوٹی سی عمر میں ان کو محدث صدر میدومی کی مجلس میں بٹھا دیا گیا اور ہر روز آدھے پارے کے حساب سے انہوں نے دو ماہ میں قرآن حفظ کیا[1]

---

[1] میں کہتا ہوں کہ عز الدین کا دو ماہ میں قرآن یاد کرنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قوی حافظہ اور معلومات کو جلد محفوظ کرنے والا ذہن عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے وہ جو بھی سنتے یا پڑھتے ہیں اس میں سے وہ ایک لفظ بھی نہیں بھولتے خاص کر کے جب مکمل بیداری اور توجہ سے سنا جائے۔ ہمارے شیخ امام زاہد کوثری اپنی کتاب "التحریر الوجیز فیما یبتغیہ المستجیز" کے (صفحہ نمبر ۴۳) پر حدیث میں اپنے اساتذہ کے شیوخ کے تذکرے میں حافظ محمد غالب الحافظ ولی بن وفات ۱۲۹۶ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مکمل

حدیث انہوں نے اپنے دادا عز الدین کبیر سے پڑھی۔ انہی سے ان کی چالیس تساعیات (وہ احادیث جن کی سند میں نو واسطے ہوں) ہیں۔

اساتذہ حدیث

عرضی، بیانی، ابوالفرج بن قاری، ناصر الدین ہراوی اور قلانسی بھی ان کے

قرآن مجید ایک ماہ میں حفظ کیا اور اسی سال نماز تراویح میں لوگوں کی امامت کی، ہمارے شیخ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، حافظ محمد غالب بن قاضی محمد امین استنبولی جو کہ ماہر علماء میں سے ایک تھے، ان کا حافظہ بھی ضرب المثل تھا۔ اپنے ابتدائی دور میں وہ طلب کی عادت کے مطابق ماہ رمضان میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کسی شہر میں تشریف لے گئے۔ اس شہر کے لوگ ان سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوئے لیکن جب ان سے قرآن مجید کے انہیں حفظ ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو ان کا جواب نفی میں تھا۔ اس پر اس شہر کے لوگوں نے ان سے کہا آپ کی ملاقات سے تو ہمیں بہت خوشی ہوئی لیکن رمضان المبارک میں ہم نماز تراویح میں مکمل قرآن مجید سنتے ہیں۔

تھوڑی دیر خاموش رہ کر انہوں نے جواب دیا، یہ تو معمولی بات ہے، انہوں نے یہ سوچ کر ان کو اپنے شہر میں قیام کا کہا کہ وہ قرآن مجید یاد کرنا شروع کریں گے۔ انہوں نے ہر روز ایک پارہ یاد کرنا شروع کیا اور اس رمضان میں بغیر توقف کے لوگوں کو نماز تراویح میں سنایا۔ عید کے بعد شہر کے معزز لوگوں سے انہوں نے کہا آپ لوگ نماز تراویح میں ختم قرآن کی محفل منعقد نہ کریں بلکہ حفظ قرآن کی محفل منعقد کریں کیونکہ میں نے قرآن مجید ابھی آپ لوگوں کے ہاں حفظ کیا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے کوئی مشہور حافظ قرآن کا کچھ حصہ سنے۔ اس پر انہوں نے ایک بہت بڑی محفل منعقد کی۔ اسی وقت سے ان کے فضل و کمال کا سورج طلوع ہوا۔

استاد عبدالفتاح رحمہ اللہ کہتے ہیں سن چودہ سو آٹھ (۱۴۰۸ھ) کے موسم گرما میں جب میں ترکی کے دورے پر تھا تو میں نے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ استنبول کی جامع اخضر میں کمسن ترکی طلبہ کے شعبہ حفظ کے جلسے میں شرکت کی۔ اس جلسے میں تیس (۳۰) کے قریب مہمان حضرات مدعو تھے۔ کمسن حفاظ کا ہم نے امتحان لیا جو کہ بہت اچھا رہا۔ اس کے بعد مہتمم صاحب نے

اساتذہ میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ان کے اساتذہ ہیں جن سے انہوں نے حنفی کی مسند انس جلد اول اور طبرانی کی المعجم الصغیر کا بعض حصہ پڑھا۔

زین عراقی کے توسط سے بہت شامیوں اور مصریوں نے ان کو اجازت حدیث

ہمارے سامنے چار ایسے ترکی طلبہ پیش کیے جن کی عمریں پندرہ سے بیس سال کے درمیان تھیں اور ہم سے کہا آپ قرآن مجید میں ان سے کسی بھی جگہ سے سوال کر سکتے ہیں، ہم نے ان سے چند جگہوں سے سوالات کیے تو انہوں نے بغیر کسی تردد اور توقف کے چھوڑے ہوئے تیر کی طرح تیزی کے ساتھ جوابات دیئے۔

اس کے بعد مہتمم صاحب نے ہم سے کہا آپ ان سے کہیے کہ فلاں صفحے کی فلاں سطر مثلاً کسی صفحے کے اوپر کی جانب سے تیسری چوتھی یا پانچویں سطر پڑھو اسی طرح صفحے کی نچلی جانب سے فلاں سطر پڑھو تو ہم میں سے بہت سارے مہمانوں نے ان سے اسی طرح پوچھا تو انہوں نے مکمل اعتماد اور قوت کے ساتھ بالکل درست جوابات دیئے۔

ان کے اس عجیب حافظے، حیرت ناک تیزی کے ساتھ جوابات اور ہر صفحے کی ہر سطر کے یاد ہونے پر ہمیں بہت تعجب ہوا، ہم نے اللہ جل شانہ سے ان کی حفاظت مزید توفیق اور نظر بد سے بچنے کی دعا کی۔ اسی طرح کے باصلاحیت حفاظ اگر علم دین کی طرف متوجہ ہوں تو وہ خلاف عادت اس میں کمال حاصل کریں۔ کتب اور علمی مقالات کو ان کے الفاظ تو الب اور جگہوں کی تعیین کے ساتھ جب وہ ایسے طریقے سے یاد کریں گے جیسا کہ وہ کتاب کو دیکھ کر پڑھ رہے ہوں۔ تو وہ بہت سے عجائب وغرائب کے انکشاف کا باعث بنیں گے، یہ عطیہ خداوندی بغیر اس کی توفیق کے کسی کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے۔"

مترجم روئی عرض کرتا ہے کہ پاکستان میں قاری عبدالحلیم چشتی جن کو قرآنی کمپیوٹر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ وہ حافظے میں اللہ جل شانہ کی ایک نشانی تھے۔ قرآن کی ہر ہر سطر کی مکمل نشاندہی میں وہ ان ترکی طلبہ سے بہت آگے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے واقعات بہت ہی حیرت انگیز اور نہ جاننے والوں کیلئے ناقابل یقین ہیں۔ سن ۱۹۹۵ء میں وہ ہمارے جامعہ بنوریہ تشریف لائے تو میں نے خود ان کے لقب قرآنی کمپیوٹر کی عملی تفسیر دیکھی۔

دی جن میں شہاب احمد مرداوی اور فخر بخاری وغیرہ کے بہت سے ساتھی ہیں۔

علوم عقلیہ میں ان کے اساتذہ کرام

بڑی عمر میں انہوں نے علوم عقلیہ کو پڑھنا شروع کیا۔

سراج ہندی، ضیاء قرمی، محب ناظر الجیش، رکن قرمی، علاء سیرامی، جار اللہ خطابی، ابن خلدون، حلاوی، یوسف تدرومی، تاج سبکی اور ان کے بھائی بہاؤ الدین سراج بلقینی اور علاء علی بن عبد الواحد الصغیر الطبیب وغیرہ علوم عقلیہ میں ان کے اساتذہ ہیں۔

باعث فخر سرمایہ

تمام فنون میں وہ ماہر تھے، مصر میں علوم عقلیہ میں ان پر اعتماد اور انگلیوں سے ان کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا۔ ہر فن میں عجمی علماء کا وہ باعث فخر سرمایہ تھے۔

تدریس

وہ مدرس بھی رہے، مختلف طبقات کے بہت سے لوگ ان کے شاگرد ہیں، تدریس میں وہ عجائبات زمانہ میں سے تھے۔

تصنیفات

ان کی تصنیفات اگرچہ تعداد میں ہزار سے بڑھی ہوئی ہیں لیکن تصنیف وتالیف میں ان کو کوئی خاص مہارت نہ تھی، وہ جو کتاب پڑھاتے اس پر ایک دو یا تین شروحات لکھ ڈالتے۔ ان کی اکثر تصنیفات شروحات ہیں جن میں سے بعض طویل، بعض مختصر، بعض متوسط ہیں۔ ان کے بعض حواشی اور تعلیقات بھی ہیں۔

حسن اخلاق

وہ ہمیشہ وضوء کی حالت میں حدیث پڑھاتے تھے، دوران درس وہ ظریف مزاح دل لگی اور نوادرات پیش کر کے کسی طالب علم کو بے توجہی کا شکار نہ ہونے دیتے تھے۔

دنیاداروں اور دنیاوی مناصب سے وہ دور رہا کرتے تھے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ اچھے طریقے سے پیش آتے۔ ان کا خوب اکرام کرتے اور ان کو اپنے ساتھ بٹھاتے، ہمیشہ باوضو رہتے، جیسے ہی وضو ٹوٹتا فوراً دوبارہ کر لیتے۔

کچھ منفرد عادات[1]

تفریح گاہوں سے ان کو کوئی وحشت نہ تھی۔

عوام میں وہ چلتے تھے اور تلوار[2] وغیرہ سے مقابلہ کرنے والوں کا مقابلہ دیکھنے وہ کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ لباس میں وہ میانہ روی اختیار کرتے تھے۔

خودداری و تجرد

ساتھیوں کے چاہنے کے باوجود انہیں کبھی حج کرنے کا اتفاق نہ ہوسکا تا حیات

---

[1] ابن حجرؒ کی کتاب انباء الغمر ۲۴۲/۷ پر یہاں "المنفرجات" کی بجائے "المفترجات" کا لفظ آیا ہے اور حافظ سخاوی کی کتاب "الضوء اللامع" ۱۲/۳ پر یہ لفظ المفترجات آیا ہے لیکن صحیح لفظ "المتفرجات" ہے۔

[2] الضوء اللامع ۱۲/۳ اور الشذرات ۱۳۰/۷ میں یہاں "حلق المثاقفین" لفظ حلق کے بجائے لفظ "حمق المنافقین" آیا ہے اور یہ فحش غلطی ہے۔ انباء الغمر کے مصحح نے بھی یہ لفظ الضوء اللامع سے لے کر منافقین ہی لکھا ہے حالانکہ اس کے سامنے مذکورہ بالا کتاب کے دو نسخوں میں یہ لفظ مثاقفین ہے لیکن معنی نہ سمجھنے کی وجہ سے انہوں نے اس لفظ کو پھینک دیا۔

"بغیة الوعاة" ۲۳/۱ پر یہ لفظ "حلق المثاقفین" ہی ہے، اس میں کتاب کے محقق نے ثاء کی بجائے شین لکھ دیا۔ صحیح لفظ "مثاقفین" ہی ہے۔

القاموس اور اس کی شرح "تاج العروس" ۲۱/۹، ۲۵ پر ثقف کے مادے میں اس لفظ کا معنی یوں بیان کیا گیا ہے۔ ثقاف کتاب کے وزن پر باب مفاعلہ سے اس کا معنی ہے۔ "اسلحہ سے مقابلہ کرنا" اور تلوار وغیرہ سے مد مقابل کو غافل پا کر اس پر وار کرنے کا ارادہ کرنا۔

تاج العروس میں اس لفظ کا معنی بیان کرنے کے دوران لفظ مسابقہ کے بجائے لفظ سابقہ آیا ہے جو تحریف ہے۔

غیر شادی شدہ رہے، ان کی ایک سوتیلی ماں ان کے امور خانہ انجام دیتی تھی۔ وہ بھی اپنی اس سوتیلی ماں کے ساتھ اچھا سلوک اور اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا کرتے تھے۔

بعض عجمی عادتوں کی وجہ سے ان کو طعن زنی کا نشانہ بھی بنایا جاتا تھا، وہ مونچھیں بڑھایا کرتے تھے۔ مسواک نہ کرنے کی وجہ سے ان کے بعض دانت گر گئے تھے۔

تمیں نادر علوم کو جاننے کا دعویٰ

وہ فقہ، تفسیر، حدیث، علم عقائد، اصول، مناظرہ، اختلاف مذاہب، تجوید، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، ہیئت، حکمت، طب، شہسواری، نیزہ بازی، تیر اندازی، تلوار سے لڑائی، آہنی گرزوں سے مقابلہ، نیزے بنانے کی صنعت، رمل، زمین سے مٹی کا تیل نکالنے کا طریقہ، کیمیا، نجوم، علم الحرف، تعویذ اور اس کے علاوہ دیگر فنون میں بھی ماہر تھے۔

وہ کہا کرتے تھے، میں ایسے تمیں علوم جانتا ہوں جن کے ناموں سے بھی میرے ہم عصر واقف نہیں ہیں۔

قابل تعجب کثرت تالیف

انہوں نے بہت سی منتشر کتابیں تصنیف کیں، خود انہوں نے اپنی تصنیفات کے ناموں پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ جن کی کثرت کو دیکھ کر انسان تعجب ہی کرتا رہتا ہے لیکن ان میں سے اکثر تصنیفات طلبہ کے ہاتھوں ضائع ہوگئیں۔

ان کے تمام اوصاف حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "انباء الغمر بانباء العمر" اور "معجم الشیوخ" میں ذکر کیے ہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں

ان کا کہنا ہے کہ وہ امام علامہ فہامہ تھے اور بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔

وہ اپنی کتاب "انباء الغمر" میں مزید کہتے ہیں میں ان کی صحبت میں سن ۷۹۰ھ سے لے کر ان کی وفات ۸۱۹ھ تک رہا۔

وہ مجھ سے بہت محبت کرتے تھے، میری عدم موجودگی میں وہ میرے کمال کا اعتراف کرتے اور میرا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ میرے دل میں بھی ان کی حد درجہ تعظیم تھی جس کی وجہ سے ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کا نام لینے کی بجائے میں ان کو امام الائمہ کہا کرتا تھا۔

انہوں نے مجھے اور میری اولاد کو ایک سے زائد بار اجازت حدیث دی۔

آپ بیتی

حافظ سیوطی کہتے ہیں کہ

ان کی ایک خودنوشت سوانح حیات 'ضوء الشمس فی احوال النفس'' کے نام سے میری نظروں سے گزری ہے۔ میں نے ان کی تصنیفات کے نام تقریباً دو کاپیوں میں جمع کیے۔

تلامذہ

ان کے شاگردوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے۔ جس میں شیخ رکن الدین عمر بن قدید[1]، کمال بن ہمام، شمس قایاتی، محب اقصرائی، حافظ ابن حجر، قاضی القضاۃ علم الدین بلقینی اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔

مشرق و مغرب سے شاگردوں کا آنا

ان کا نام اور ذکر خیر دور دراز علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔

مشرق اور مغرب سے لوگ ان سے استفادہ کرنے کیلئے آتے تھے۔

زندگی کے آخری ایام

زندگی کے آخری ایام میں وہ کتب حدیث عبادت اور قیام اللیل میں مشغول

---

[1] قدید امیر کے وزن پر ہے۔ دیکھئے "تاج العروس" ۳۶۳/۲ اور یہ قدد کا، وہ "شذرات الذهب" ۱۳۰/۷ پر یہ لفظ ابن قدیل آیا ہے جو کہ غلط ہے۔

ہو گئے تھے۔

وفات حسرت آیات

سن ۸۱۹ کے درمیان میں انہوں نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، ان کے جانے کے بعد لوگوں پر غموں کی آندھیاں ٹوٹ گئیں۔

لاثانی عصر

انہوں نے اپنے بعد فنون میں اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑا۔[1]

☆ ☆ ☆

۱؎ ان کا تذکرہ ان کتابوں سے لیا گیا ہے۔ سخاوی کی "الضوء اللامع" ۱۷۱/۷، ۱۷۲ سیوطی کی "بغیۃ الوعاۃ" ۲۴۳/۱۔۱۹۹ ابن عماد حنبلی کی "شذرات الذہب" ۱۳۹/۷، ۱۴۰

﴿حافظ شمس الدین شافعی متوفی (۹۴۲ھ)﴾

امام محدث حافظ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی دمشقی شافعی۔

وفات

ان کا سن وفات ۹۴۲ ہے۔

ہمارے شیخ محدث حافظ محمد عبدالحئی کتانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عجیب کتاب ''فہرس الفہارس والاثبات و معجم المعاجم والمشیخات و المسلسلات''[1] میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

امام حافظ مصر کے محدث اور مسند شمس الدین محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی صالحی دمشقی

مولد

دمشق کے شہر صالحیہ میں پیدا ہونے کی وجہ سے ان کو صالحی کہا جاتا تھا ان کی تاریخ ولادت نا معلوم ہے۔

قاہرہ میں

صالحیہ میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد وہ قاہرہ منتقل ہو گئے۔ پھر اسی کو اپنا وطن بنالیا تھا، وفات تک وہ باب النصر کے باہر برقوقیہ میں مقیم رہے۔

اساتذہ

اپنے وقت کے جلیل القدر علماء سے انہوں نے علم حاصل کیا۔ جن میں حافظ سیوطی شارح بخاری شہاب قسطلانی شیخ شاہین بن عبداللہ خسوقی اور دیگر لوگ شامل ہیں۔

---

[1] ۲/۱۰۹۳_۱۰۹۴

حافظ سیوطی کے وہ اجل تلامذہ میں سے تھے۔

علمی کمال

علم تحقیق اور تالیف میں انہوں نے خوب محنت کی، یہاں تک کہ وہ اس میدان میں سب سے آگے بڑھ گئے۔

حتیٰ کہ وہ بعض علوم میں خاص طور پر سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے شیخ حافظ سیوطی سے بھی فائق نظر آنے لگے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع میں مہارت

سیرت نبی کے موضوع میں وہ باکمال تحقیق، وسیع مہارت اور مضبوط علمی شخصیت کے مالک تھے۔

سیرت کے متعلق کوئی بھی انوکھی بات ہوتی چاہے اس کا تعلق حدیث سے ہو یا فقہ سے یا لغت سے یا کوئی اور علمی بات ہوتی۔ وہ اس کو محفوظ کر لیتے اور اس کو اس کے مناسب مقام پر رکھ کر علم کے پیاسے کی پیاس بجھاتے۔

سیرت پر عظیم کتاب کی تصنیف

سیرت کے موضوع پر اس مہارت کی وجہ سے ان کی کتاب "سبیل الهدی والرشاد، في سيرت خير العباد" اپنے موضوع میں سب سے بڑی کتاب ہے۔ آج کل کی بہت سی اکیڈیمیاں بھی سیرت میں ایسی تصنیف پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

سیرت کی اس کتاب میں آپ کو شفاف روح "روشن چہرہ، اعلیٰ ذوق، لاجواب ترتیب اور شیریں اسلوب نمایاں نظر آئے گا۔"

تصنیف وتالیف میں ان کا تفوق

تصنیف وتالیف میں ان کے تفوق اور باکمال ہونے کی وجہ سے بہت سے علماء نے انہیں قوت یادداشت میں کامل اور مضبوط شخصیت قرار دیا ہے۔ ہمارے شیخ محمد عبدالحئی

کتانی اپنی کتاب "فہرس الفہارس والاثبات[1]" میں کہتے ہیں ان کے ہم عصر شہاب احمد بن حجر ہیثمی مکی اپنی کتاب "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان[2]" کے شروع میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھی شیخ علامہ صالح فہامہ، ثقہ، باخبر، حافظ، متبع، شریعت، شیخ محمد شامی دمشقی اور مصری شیخ ابوسالم عیاشی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ امام المحدثین تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے علماء نے انہیں خاتمۃ الحفاظ قرار دیا ہے۔ وہ "السیرۃ الشامیہ" کے نام سے مشہور کتاب کے مصنف ہیں۔ ان کی یہ تصنیف متاخرین کی سیرت کے موضوع پر لکھی گئی تمام تصنیفات سے زیادہ جامع اور مفید ہے۔

پندرہ جلدوں پر مشتمل سیرت کی کتاب

میرے پاس اس کتاب کا جو مخطوطہ ہے، وہ بڑے سائز کی نو موٹی موٹی جلدوں پر مشتمل ہے۔ البتہ اس کتاب کی آئندہ اشاعت بڑے سائز کی تقریباً پندرہ جلدوں پر مشتمل ہوگی۔

ہزار کتابوں سے استفادہ

مصنف نے کتاب کا مواد مکمل احتیاط کے ساتھ تقریباً ہزار کتابوں سے لیا ہے۔

ہر باب کے آخر میں مشکل مقامات کا حل، اس کے ساتھ ہر باب سے متعلق بعض نفیس اور عمدہ قلیل الاستعمال الفاظ کے معانی اور اعراب کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔

مورخ علامہ ابن عماد حنبلی اپنی کتاب "شذرات الذھب[3]" میں لکھتے ہیں۔

علامہ شعرانی نے اپنی کتاب "الطبقات" کے ذیل میں لکھا ہے کہ

"ہمارے صالح بھائی، عالم، زاہد، شیخ شمس الدین، محمد شامی جو کہ سنت محمدی کے متبع

---

[1] ۱۰۶۳/۲

[2] فہرس الفہارس میں یہ لفظ ہیثمی ثاء کے ساتھ آیا ہے جو غلط ہے۔

[3] ۲۵۰/۸ دیکھئے ۹۴۲ کی وفیات

اور سرزمین برقوقیہ کے ساکن تھے۔"

وہ عالم صالح اور علم میں پختہ شخص تھے۔ انہوں نے ایک ہزار کتابوں سے مواد لے کر سیرت کی مشہور کتاب لکھی۔

بہت سے لوگوں نے ان کی اس تصنیف کی کتابت میں دلچسپی لی ہے۔ انہوں نے اپنی اس تصنیف میں ایسا انوکھا انداز اختیار کیا ہے جو ان سے پہلے کسی اور نے اختیار نہیں کیا۔

شخصیت واخلاق

تاحیات وہ غیر شادی شدہ رہے۔

ان کے پاس جب کوئی مہمان آتا تو وہ فوراً ہانڈی چولہے پر چڑھا دیتے اور اس کے لیے کھانا تیار کرتے۔

ان کی گفتگو شیریں ہوا کرتی تھی، دیکھنے میں وہ بارعب دکھائی دیتے تھے۔

ذوق عبادت

اکثر وہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو اللہ کے ہاں مصلے پر کھڑے دکھائی دیتے۔

میرا ان کے ہاں کئی راتوں تک قیام رہا، میں نے انہیں رات کو بہت کم سوتے دیکھا۔

یتیموں کی کفالت

طلبہ میں سے جب کوئی مرجاتا اور اپنے پیچھے چھوٹے بچے چھوڑ جاتا تو شیخ شامی قاضی کے پاس جاتے اور اپنے وظائف لے کر اس طالب علم کے یتیم بچوں میں تقسیم کر دیتے۔ اس کے بعد وہ ان وظائف کو انہی کے نام سے جاری کروا دیتے۔

استغناء

حکمرانوں اور ان کے حاشیہ نشینوں کا ہدیہ قبول نہ کرتے اور نہ ہی ان کی دعوت قبول کرتے تھے۔

ان کا تمام سامان گھر کا ہوا کرتا تھا۔ وہ راستے میں چل رہے ہوں یا کہیں بیٹھے ہوں ہمیشہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کرتے تھے۔

ان کے عمدہ اخلاق بہت زیادہ ہیں جو ان کے ساتھیوں میں مشہور ہیں۔

تصنیفات

اپنے بعد اپنی مندرجہ ذیل تصنیفات چھوڑ کر گئے۔

(١)الآيات العظيمة الباهرة في معراج سيد اهل الدنيا والأخرة. اس کتاب کا اختصار الايات البينات في معراج سيد اهل الارض والسماوات (٢)اتحاف الأريب بخلاصتي الاعاريب (٣) الاتحاف بتميز ماتبع فيه البيضاوى صاحب الكشاف (٤) اتحاف الراغب الواعى في ترجمة ابى عمرو الاوزاعى (٥) تفصيل الاستفادة في بيان كلمتي الشهادة (٦) الجامع الوجيز الخادم للغات القرآن العزيز (٧) الجواهر النفائس في تحبير كتاب العرائس (٨) رفع القدر و مجتمع الفتوة في شرح الصدر (٩)خاتم النبوة . سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد[١] یہ کتاب آٹھ بڑی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ (١٠) نحو میں شرح الاجروميه (١١) عقود الجمان في مناقب الامام الاعظم ابى حنيفة النعمان یہ کتاب ہندوستان میں شائع ہو چکی ہے۔ (١٢) عين الاصابة في معرفة الصحابة (١٣) کلام میں الفتح الرحماني شرح ابيات الجرجانى (١٤)الفضل الفائق في معراج خير الخلائق (١٥) الفضل المبين في الصبر عند فقد البنات والبنين (١٦)الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة (١٧) كشف اللبس في

[١] مصر میں اس کتاب کا آدھا حصہ تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔ بیروت کے دار الکتب العلمیہ کی طرف سے بغیر تحقیق کے یہ مکمل بارہ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

رد الشمس سیدنا علی (۱۸) مرشد السالک الیٰ الفیتہ ابن مالک (۱۹) مطلع النور فی فضل الطور و قمع المعتدی الکفور (۲۰) النکت المهمات في الكلام على الاباء و البنين و البنات (۲۱) النکت علی مرشد السالک الی الفیتہ ابن مالک۔

اپنی اس کتاب کا مواد انہوں نے اپنے شیخ علامہ سیوطی کے اس کلام سے لیا ہے جو انہوں نے الفیۃ ابن مالک، الشذور، کافیہ، شافیہ اور التحفۃ پر کیا ہے۔ البتہ کچھ اپنی طرف سے بھی انہوں نے اضافہ کیا ہے۔

اللہ کی ان پر رحمت ہو اور وہ ان کو ان نافع اور نفیس کتابوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

امام ابن طولون رحمۃ اللہ علیہ (۸۸۰ھ تا ۹۵۳ھ)

یہ امام محدث علامہ مستند مورخ نحوی مختلف فنون کے ماہر شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن علی علی بن محمد الشہیر با بن طولون دمشقی صالحی حنفی ہیں۔

مولد

وہ دمشق کے شہر صالحیہ میں ۸۸۰ میں پیدا ہوئے۔ اسی شہر کی طرف نسبت کرکے انہیں صالحی کہا جاتا ہے۔

اپنے شہر کے بہت سے جلیل القدر ہمعصر علماء سے پڑھا اور سنا جن میں قاضی ابو البقاء ناصر الدین، ابو الفتح سکندری عزی اور آخر میں ابن نعیمی شامل ہیں۔

فقہ اور خط وکتابت کی تعلیم

فقہ کی تعلیم انہوں نے اپنے چچا جمال بن طولون وغیرہ سے حاصل کی۔ حافظ سیوطی سے انہوں نے خط وکتابت کے ذریعے اجازت حدیث حاصل کی۔

علم نحو میں بڑے ماہر تھے۔ فقہ میں علامت اور حدیث کے حوالے سے مشہور تھے۔

تدریس

مدرسہ شیخ الاسلام ابو عمر میں وہ حنفیہ کے مدرس رہے اور صالحیہ میں سلیمیہ کے امام رہے۔ نحو سننے اور پڑھنے کیلئے دور دراز کے طلباء ان کے پاس آتے تھے۔

تصنیف وتالیف

ان کے اوقات تدریس افادہ اور تصنیف وتالیف سے آباد تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھیں۔ ساٹھ اجزا جن میں سے ہر ایک جز کئی تالیفات پر مشتمل تھا۔ ان پر انہوں نے تعلیقات کے نام سے اپنے نوٹ لکھے۔ ان میں سے اکثر ان کی اور ان کے شیخ حافظ سیوطی کی تالیفات ہیں اور بعض دیگر علماء کی ہیں۔

ان کے تمام اوقات

زندگی بھر انہوں نے نہ شادی کی اور نہ ہی کوئی اولاد چھوڑی۔ ان کے تمام اوقات عبادت اور علم سے آباد تھے۔ تمام علوم حقہ کی طلب اور تعبیر سے بھی ان کو حصہ ملا تھا۔

تلامذہ

ان کے شاگردوں کی ایک جماعت ان کی زندگی میں ہی باکمال بن کر ابھر چکی تھی جن میں واعظین اور محدثین کے شیخ شہاب الدین طیبی، شیخ علاؤ الدین بن عماد الدین، خطیب دمشق شیخ نجم الدین البہنسی شامل ہیں۔ زندگی کے آخری ایام میں ان سے علم حاصل کرنے والوں میں شوافع کے مفتی شیخ الاسلام، شیخ اسماعیل نابلسی، احناف کے مفتی شیخ علامہ زین الدین بن سلطان، شوافع کے مفتی شیخ الاسلام شیخ شمس الدین عیثاوی، حنابلہ کے مفتی شیخ الاسلام شہاب الدین وفائی۔ ان کے رشتہ دار قاضی اکمل بن مفلح اور دیگر حضرات شامل ہیں۔

وفات اور تدفین

۹۵۳ھ میں دمشق میں انہوں نے انتقال فرمایا۔ قاسیون کے دامن میں ان کو دفن کیا گیا۔

تصنیفات

آپ نے بیچاس سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔

آپ بیتی

الفلک المشحون فی احوال محمد بن طولون کے نام سے انہوں نے اپنی آپ بیتی بھی لکھی ہے۔[1]

---

[1] ان کا تذکرہ ان کتابوں سے لیا گیا ہے۔ نجم الدین کی الکواکب السائرہ باعیان المئة العاشرة ۲/۵۲، ابن عماد حنبلی کی شذرات الذهب ۸/۲۹۸، زرکلی کی الاعلام ۶/۲۹۱، اسمٰعیل بغدادی کی هدية العارفین ۲/۲۴۰

﴿محشی جلالین سلیمان الجمل رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۰۴ھ)﴾

جلیل القدر علامہ شیخ سلیمان الجمل

مورخ جبرتی مصری اپنی کتاب "عجائب الاثار فی التراجم والاخبار"[1] میں سن ۱۲۰۴ کی وفیات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، اس سال جن شخصیات نے اس دار فانی سے کوچ کیا ان میں وہ علامہ فہامہ بھی ہیں کہ جن کے پاس دور دور سے طلبہ علمی پیاس بجھانے کیلئے آتے تھے۔

فقیہ محدث صوفی صالح شیخ سلیمان بن عمر بن منصور عجیلی شافعی ازہری المعروف بالجمل ہیں۔

مولد

شیخ سلیمان مصر کے مغربی سمت میں واقع ایک بستی "عجیل" میں پیدا ہوئے۔

قاہرہ میں

قاہرہ میں آکر انہوں نے شیخ حفنی کا دامن تھام لیا۔ شیخ حفنی کی برکات ان کے ساتھ شامل حال رہیں۔ فقہ کی تعلیم انہوں نے شیخ حفنی اور اپنے زمانے کے دیگر فضلاء مثلاً شیخ عطیہ الاجھوری وغیرہ سے حاصل کی۔

شیخ عطیہ الاجھوری کے اسباق میں وہ اکثر حاضری دیتے رہے۔

صلاح اور عفت

صلاح، نیکی اور پاکدامنی میں وہ مشہور تھے۔ شیخ حفنی ان کا خاص خیال کرتے

---

[1] ۲/۸۸ شائع کردہ دار الجیل بیروت سال اشاعت نامعلوم ہے۔

تھے۔

تدریس

مدرسہ اشرفیہ اور المشہد الحسینی میں وہ فقہ حدیث اور تفسیر پڑھاتے رہے ان کے درس میں بہت سے طلبہ شرکت کیا کرتے تھے۔

ان کی بہت سی تقریرات اور املاء کردہ کاپیاں محفوظ ہیں۔ المشہد الحسینی میں وہ مغرب سے لے کر عشاء تک ''المواھب'' ''الشمائل'' ''صحیح بخاری'' اور تفسیر جلالین پڑھایا کرتے تھے۔

طلبہ کی کثیر تعداد ان کے اس درس میں شریک ہوا کرتی تھی۔

تاحیات وہ غیر شادی شدہ رہے۔ زہد وصلاح میں مشہور ہوگئے تھے۔

وفات

اسی حالت پر ۱۱ ذوالقعدہ ۱۲۴۰ھ میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

تصنیفات

ان کی مطبوعہ تصنیفات میں سے نفیس فوائد پر مشتمل چار بڑی جلدوں میں ''الفتوحات الالھیہ بتوضیح تفسیر جلالین بالدقائق الخفیہ'' کے نام سے تفسیر جلالین پر حاشیہ ہے۔[1]

اس کے علاوہ ''الفتوحات الاحمدیہ علی الھمزیۃ'' فقہ شافعی میں ''فتوحات الوھاب بتوضیح شرح منہج الطلاب'' اور ''المواھب المحمدیۃ بشرح الشمائل الترمذی'' ہے۔ ان کی یہ آخری کتاب غیر مطبوعہ ہے۔

---

[1] مطبع بولاق سے یہ کتاب چار مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ سن ۱۲۷۵ھ، ۱۲۸۲ھ اور ۱۲۹۳ھ میں اتنی ہی تعداد میں یہ کتاب دیگر مطابع سے شائع ہو چکی ہے۔

ان پڑھ ہونے کے باوجود وہ اللہ کی ایک نشانی تھے۔

ہمارے شیخ عبدالحی کتانی اپنی کتاب "فھرس الفھارس ۔۔۔ والاثبات"[1] میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

شیخ ابوداؤد سلیمان بن الجمل مصری شافعی اور محشی جلالین بن عبدالسلام ناصری اپنی کتاب "رحلۃ الکبریٰ" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، یہ شخص ان پڑھ ہونے کی وجہ سے نہ حساب وکتاب جانتا تھا اور نہ ہی مطالعہ کرسکتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ مخلوق میں اللہ کی ایک بہت بڑی نشانی تھی۔

مختلف فنون میں سے وہ جتنا پڑھنا چاہتے تھے، ایک طالب علم سے کہہ دیتے تو وہ ان کے سامنے ایک مرتبہ پڑھ دیتا، وہ اس کو یاد کر لیتے اور پھر طلبہ کو پڑھا دیتے۔

ساری عمر انہوں نے شادی نہیں کی۔

شاگردوں کا جم غفیر

مدرسہ المشہد الحسینی میں ان کی تفسیر کے درس میں طلبہ کا ایک جم غفیر شریک ہوا کرتا تھا۔

ہم بھی اس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

تفسیر جلالین پر بہترین حاشیہ

تفسیر جلالین پر انہوں نے عمدہ حاشیہ اس طریقے سے لکھا کہ ان کا بھائی ان کے ایک شاگرد کو گھر لے آتا، وہ شیخ کے سامنے مختلف تفاسیر پڑھتے، شیخ ان کو مطلوبہ مواد نوٹ کرنے کا حکم دیتے رہتے۔

دلائل الخیرات پر بھی ان کی ایک شرح ہے، اسی طرح شاذلی کی حزب البحر کی بھی انہوں نے ایک شرح لکھی۔

---

[1] ۳۰۰/۱

سلیمان کی قدر و منزلت

ناصری کہتے ہیں کہ اگر سلیمان الجمل بھی ولی نہیں ہے تو پھر مصر میں کوئی بھی ولی نہیں ہے۔

اساتذہ

ان کے اساتذہ میں حفنی، احمد اشبولی، جوہری، ملوی، حسن ملوی، احمد صباغ اور شمس محمد دفری شامل ہیں۔

حجاز میں انہوں نے ابوالحسن سندی، ابراہیم اسعد مدنی، ابراہیم الرئیس زمزمی اور دیگر علماء سے علم حاصل کیا۔

نصری مکناسی نے اپنی فہرست میں ذکر کیا بلکہ ان کے پاس ایک کتاب تھی جس میں انہوں نے اپنی مرویات اور اپنے اساتذہ کے نام محفوظ کیے ہوئے تھے۔ اس کتاب میں ہم عبدالسلام ناصری کے حوالے سے ان سے بیان کرتے ہیں۔

قابل تعجب صلاحیت

استاد عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں کہ سلیمان جمل کے ان پڑھ ہونے کے بارے میں کہی جانے والی اگر ناصری کی بات صحیح ہو اور میرا خیال ہے کہ یہ صحیح ہے تو پھر ایک ان پڑھ شخص کا جو نہ لکھنا جانتا ہے اور نہ پڑھنا محض اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کی مدد سے اتنی عمدہ اور معتبر تصنیفات لکھنا واقعی عجیب بات ہے۔

یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے وہ عطا کرتا ہے لیکن یہ کوئی اتنی انوکھی بات نہیں ہے۔

بصارت سے محروم علماء کی خدمات

وہ باکمال علماء جو بصارت سے محروم تھے، ان کے فضل، علمی مقام اور مختلف فنون میں ان کی تالیفات ناقابل فراموش ہیں۔

لغت کے امام ابن سیدہ نابینا تھے

اس سلسلے میں امام ابن سیدہ اندلسی لغوی جو کہ نابینا تھے، ان کا نام لینا کافی ہے۔

لغت اگرچہ ایک مشکل اور دقیق فن ہے، اس کے باوجود اس میں ان کی کئی عمدہ تصنیفات ہیں جن میں "المحکم" اور "المخصص" اپنے موضوع میں عجیب اور بے نظیر کتابیں ہیں۔

بے شک اللہ کے انعامات غیر محدود اور بے شمار ہیں۔

☆.... ☆.... ☆

شیخ محمد اشمونی ازہری عِشیۃ (۱۲۱۸ھ تا ۱۳۲۱ھ)

یہ جلیل القدر علامہ لمبی عمر پانے والے ایک ذہین فاضل محمد اشمونی ازہری عِشیۃ تھے۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت ۱۲۱۸ میں وفات ۱۰۳ سال کی عمر میں ۱۳۲۱ میں ہوئی۔

علامہ احمد تیمور پاشا اپنی کتاب ''اعلام الفکر الاسلامی فی العصر الحدیث[1]'' یعنی تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری کے علماء کے تذکرہ میں شیخ اشمونی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اشمونی کی وضاحت

شیخ محمد اشمونی منوفیہ کے شہر اشمون جریس کی طرف نسبت کر کے انہیں اشمونی کہا جاتا ہے۔

ابو مدین تلمسانی کی نسل

ان کے کہنے کے مطابق وہ ابو مدین تلمسانی کی نسل سے تھے، سن ۱۲۱۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔

ازہر شریف میں

ازہر شریف میں انہوں نے وہاں کے اساتذہ قویسنی بولاقی فضالی امیر باجوری اور مرصفی وغیرہ سے پڑھا، اکثر ان کی حاضری بولاقی عِشیۃ اور باجوری عِشیۃ کے ہاں رہی۔

---

[1] ص ۴۳

تدریس

ذکاوت، عمدہ تعلیق کی صلاحیت اور علم کی مضبوطی میں شہرت کی وجہ سے ان کو ازہر میں تدریس کا اہل قرار دیا گیا۔ جامع ازہر میں انہوں نے وہاں کی چھوٹی بڑی متداول کتابیں پڑھائیں۔ اس کے علاوہ علوم بلاغت میں المطول اصول فقہ میں جمع الجوامع اور تفسیر حدیث عقائد وغیرہ میں دیگر بہت سی کتابیں متعدد بار پڑھائیں۔

علمی آثار

وہ شیریں لہجے میں بڑے عمدہ انداز میں درس دیا کرتے تھے، انہوں نے خود کوئی تصنیف نہیں کی۔

عقائد نسفیہ پڑھانے کے دوران بعض طلبہ نے ان کے بیان کردہ افادات قلمبند کیے تھے۔ اسی طرح علوم بلاغت میں سعد الدین تفتازانی کی المختصر پڑھانے کے دوران طلبہ نے ان کے افادات تین کاپیوں میں قلمبند کیے۔

ازہر کے بہت سے علماء ان سے پڑھتے رہے۔

لمبی عمر

انہوں نے لمبی عمر پائی، کئی لوگ ان کے سامنے دادا بنے، ازہر کے پورے عملے میں یا تو ان کے شاگرد تھے یا پھر ان کے شاگردوں کے طبقے کے لوگ۔

شادی نہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

امور خانہ داری انجام دینے والی بہن

ان کی ایک بہن ایک سیاہ فام لونڈی اور محبوب نامی ایک خادم جس کو انہوں نے منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا یہ لوگ ان کے امور خانہ انجام دیتے تھے۔

صلاح

انہوں نے اپنے خادم کا نکاح اپنی لونڈی سے کرا کے ان کو تجارت کیلئے ایک دکان کھلوا دی تھی اور ازہر کے قریب باطنیہ میں واقع اپنا گھر انہوں نے مذکورہ بالا تینوں افراد پر وقف کر دیا تھا۔

تدریس سے علیحدگی

موت سے چند سال قبل جب بڑھاپے نے ان کو ضعیف اور ناقابل حرکت بنا دیا تو تب وہ تدریس اور افادے سے علیحدہ ہو گئے۔

الوداع

جمعہ کی رات چار ذوالقعدہ سن ۱۳۲۱ھ میں ۱۰۳ سال کی عمر میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

نماز جنازہ

لوگوں کو جب ان کی وفات کا علم ہوا تو تقریباً چالیس ہزار لوگ ان کی نماز جنازہ میں شرکت کیلئے جمع ہو گئے۔ مغربی جانب کے وزیر وقائع مسٹی مراکشی جو کہ سفر حج میں تھے اور مصر سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے بھی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

شیخ الازہر سید علی بیلاوی نے جامعہ ازہر میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مرثیہ

نماز جنازہ سے کچھ دیر پہلے شیخ ابراہیم کی نظم سے مرثیہ پڑھا گیا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

لاقلب للاسلام غیر حزین فالیوم فیه انهد رکن الدین

ترجمہ: اسلام کا کوئی دل ایسا نہیں جو غمگین نہ ہو آج دین کا رکن

منہدم ہو گیا ہے۔''

مدفن

نماز جنازہ کے بعد ان کی میت قرافہ لائی گئی جہاں انہیں مقبرہ آبائی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اخلاق و عادات

شیخ انبابی رحمۃ اللہ علیہ مجلس کو خوشگوار رکھتے اور طلبہ کے ساتھ خوب ہنسی مزاح کرتے۔

شیخ انبابی عظیم تقویٰ سے لیس، زاہد اور سادہ زندگی گزارنے والے انسان تھے۔ پر تعیش زندگی کی طرف ان کی کوئی توجہ نہ تھی۔

راستے میں چلتے ہوئے ایک ہاتھ اپنی لاٹھی پر اور دوسرا ہاتھ ساتھ چلنے والے کے کندھے پر رکھا کرتے تھے، خاص کر بڑھاپے اور ضعف کے بعد ان کی یہ حالت ہوئی تھی۔

ایک حادثہ

ایک مرتبہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موضوع پر منعقدہ یا کسی چیز کی افتتاحی تقریب میں شریک تھے کہ کچھ لوگوں نے اپنی عادت کے مطابق آگ کے تیر پھینکے تو ایک تیر جلسے میں شریک حاضرین کی طرف آ کر شیخ کی ایک آنکھ پر لگا جس کی وجہ سے وہ اس آنکھ کی بصارت سے محروم ہو گئے۔

اس حادثے پر حکومت نے ازہر کے وظیفے کے علاوہ ان کیلئے علیحدہ ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ (رحمہ اللہ)

☆ ☆ ☆

علامہ عبدالحکیم افغانی (۱۲۵۱ھ تا ۱۳۲۶ھ)

یہ علامہ، محقق، فقیہ، حنفی، محدث، اصولی، مفسر، مقری، متقی، زاہد، عابد، عبدالحکیم افغانی دمشقی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت افغانستان کے شہر قندھار میں سن ۱۲۵۱ میں اور وفات دمشق میں سن ۱۳۲۶ میں ہوئی۔

استاذ زرکلی اپنی کتاب ''الاعلام[1]'' میں ان کا مختصر تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وہ ایک فقیہ، بڑے متقی اور زاہد شخص تھے۔ دمشق میں ایک عرصہ تک مقیم رہے، پھر وہیں انتقال فرمایا۔

ہاتھ کی کمائی کھانے کا التزام

وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے اور کسی کی کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے۔

جوق در جوق شاگردوں کی آمد

لوگ جب ان کے فضل وکمال سے آشنا ہوئے تو وہ جوق در جوق ان کے پاس فقہ اور حدیث پڑھنے کیلئے آنے لگے۔

تصنیف وتالیف

ان کی بہت سی علمی اور تحقیقی شروحات اور حواشی، ہیں جن میں فقہ حنفی کی کتاب ''کنز'' کی دو جلدوں میں کشف الحقائق شرح کنز الدقائق کے نام سے شرح ہے۔

---

[1] ۲۸۳/۳

علم القراءات میں "شاطبیہ" کی شرح "شرح بخاری" پر حاشیہ بدایہ اور ابن عابدین کا حاشیہ "رد المحتار علی الدر المختار" پر ان کے کئی حواشی اور تعلیقات ہیں۔ اصول فقہ حنفی کی کتاب "المنار" کی بھی انہوں نے شرح لکھی اسی طرح "التسہیل والتیسیر لفہم مدارک التنزیل" کے نام سے نسفی کی تفسیر پر انہوں نے حاشیہ لکھا۔

ان کا مبسوط تذکرہ

ان کا مبسوط اور جامع تذکرہ ان کے شاگرد علامہ فقیہ محمد سعید لبانی دمشقی سن وفات ۱۳۵۱ھ نے اپنی کتاب "عمدة التحقیق فی التقلید و التلفیق" میں کیا ہے۔[1] ان کے ذکر کردہ تذکرے سے چند اہم باتوں کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

ہمارے استاد علامہ شیخ عبد الحکیم افغانی جو کہ معقولات ومنقولات کے علامہ اور فروع واصول میں وحید عصر تھے۔

جائے پیدائش وتعلیم

افغانستان کے شہر قندھار میں ۱۲۵۰ھ[2] میں پیدا ہوئے عنفوان شباب ہی میں انہوں نے اپنے وطن کو خیر آباد کہہ کر طلب علم میں ہندوستان وغیرہ کا سفر کیا۔

ایک عرصہ تک حرمین شریفین اور بیت المقدس کے پڑوس میں بھی رہے۔ اس کے بعد دمشق میں مدرسہ "دار الحدیث اشرفیہ" کو تقریباً چوتھائی صدی تک اپنا مسکن بنائے رکھا۔

سفر آخرت

آٹھ شوال ۱۳۲۶ھ کو سرزمین دمشق سے سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

---

[1] ۶۸-۶۳

[2] زرکلی نے ان کا سن ولادت ۱۲۵۱ھ بیان کیا ہے۔

ان کے انتقال کی خبر پھیلتے ہی ہموار و ناہموار زمینوں سے لوگ جوق در جوق دارالحدیث کی جانب ان کے جنازے میں شرکت کے لیے دوڑ پڑے۔ چاشت کے وقت لوگوں نے اتنا بڑا مجمع دیکھا جتنا اس سے پہلے بہت کم دیکھنے میں آیا تھا۔ جامعہ اُمویہ سے لے کر مقبرے تک پھیلی ہوئی باتعداد مخلوق زار و قطار رو رہی تھی۔

تدفین

اس بندہ عاجز کی درخواست پر علامہ کو مقبرہ باب الصغیر میں صاحب درمختار اور علامہ ابن عابدین شامی رحمہما اللہ کے پڑوس میں دفن کیا گیا۔ احقر نے ان دونوں بزرگوں کے پاس انہیں دفنانے کی درخواست اس لیے کی تھی کہ صاحب درمختار امام علائی کی کتابوں شرح المنار اور درمختار پر ان دونوں بزرگوں کے حواشی ہیں لہٰذا اس نسبت کی وجہ سے ساتھ دفن کیا جائے لہٰذا دوسرے لوگوں کی درخواستیں رد کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

بے نظیر اجتماع

ان کی نماز جنازہ میں بہت بڑا اور فقید المثال اجتماع دیکھنے میں آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے زمانے میں اہل دمشق نے تقویٰ، زہد، سادگی، عبادت اور علم و فضل میں ان کی نظیر کوئی دوسرا شخص نہیں دیکھا تھا۔

سلف صالحین کا عملی نمونہ

ایسے زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کی تمام تر توجہات دنیاوی زندگی کی لذتوں، خواہشات نفسانی، مال و جاہ اور عہدہ و منصب کے حصول میں لگی ہوئی تھیں۔ ان کی زندگی ابتدائے اسلام کے سلف صالحین کی زندگی کے ساتھ مکمل مناسبت رکھتی تھی اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

شام کے مخلص علماء ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے جو علماء

سلف کو دیکھنا چاہتا ہے وہ شیخ عبدالحلیم کو دیکھ لے۔

صورت اور سیرت

ان کا قد لمبا، رنگ گندمی، آنکھیں کالی، پیشانی کشادہ اور داڑھی گھنی تھی۔ وہ مزاج کے سخت، باوقار اور بہت زیادہ رعب والے تھے۔ تمام معاملات میں وہ سنجیدہ رہتے تھے۔ علم اور عبادت میں مشغولیت نے پوری زندگی شادی کی مہلت ہی نہ دی۔

کثرت عبادت

کثرت عبادت کی وجہ سے ان کے قویٰ میں اضمحلال آ گیا تھا اور وفات سے کچھ عرصہ قبل ان کی کمر بھی کبڑی ہو گئی تھی۔

پیشانی کا پسینہ بہا کر پیٹ پالا

جوانی اور بڑھاپے میں وہ مٹی کا گارا بنانے والوں کے ساتھ اجرت پہ کام کرتے تھے تا کہ وہ دین کو ذریعہ معاش بنانے کے بجائے اپنے ہاتھ اور پیشانی کا پسینہ بہا کر اپنا پیٹ پالیں۔

جب کسی ایک شہر میں ان کی شہرت ہو جاتی تو وہ فوراً دوسرے شہر کی طرف ہجرت کر جاتے۔

تقویٰ اور احتیاط

امراء وزراء اور مالداروں سے وہ دور رہا کرتے تھے۔ کسی کی دعوت ولیمہ میں بالکل بھی نہیں جاتے تھے اور نہ ہی وہ کسی کا کھانا کھاتے تھے۔

البتہ جب کسی کی کمائی کے بارے میں یہ یقین ہوتا کہ وہ حلال کی ہے تو اس کے کھانے سے اتنی مقدار کھا لیتے جس سے بھوک کی شدت میں کمی واقع ہو جائے۔

اسلاف کی سنت کا عظیم نظارا

مجھے یاد پڑتا ہے کہ صدر اعظم مشیر جواد پاشا جب شام میں پانچویں بڑے لشکر کے سربراہ تھے تو وہ ایک دفعہ ان کی زیارت کیلئے آئے شیخ اپنے کمرے کے دروازے کے پاس زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سوائے سلام کا جواب دینے کے انہوں نے نہ ہی ان کے آنے کی کوئی پرواہ کی اور نہ ہی ان کے استقبال کیلئے وہ کھڑے ہوئے صدر اعظم ان کے ایک طرف دو یا اس سے زائد کچھ منٹ دوزانو بیٹھ کر چلے گئے لیکن شیخ نے اپنے بیٹھنے کی ہیئت تک نہ بدلی۔ ان کے جانے کے بعد شیخ نے جب ایک طرف التفات فرمایا تو ایک ٹوکری کو پایا جس میں سونے کے لاتعداد دینار تھے۔ اس کو دیکھ کر شیخ فوراً ننگے پاؤں دوڑے اور صدر اعظم کے ایک حاجب کو آواز دی۔

دیناروں کی ٹوکری ان کی طرف پھینکتے ہوئے کہا! ان سے کہہ دو کہ میں غنی ہوں اور کسی کا محتاج نہیں ہوں اتنا کہہ کر واپس لوٹے اور اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا، مالداروں اور حکمرانوں کے ساتھ اس نوعیت کے ان کے بہت سے واقعات ہیں۔

علماء اور فقراء کے ساتھ

علماء کے ساتھ وہ انتہائی ادب واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے، بڑھاپے کے باوجود وہ علماء کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا کرتے تھے۔

فقراء اور مساکین کے ساتھ بھی وہ ایسے ہی تواضع کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے، البتہ جب ان سے کوئی فقیر یا مسکین تعویذ وغیرہ مانگتا تو اس وقت وہ شدید غصے میں آجاتے تھے۔

بدعتوں کے خلاف

وہ ان بدعتوں کے شدید مخالف تھے جن کا شریعت مطہرہ میں کوئی ثبوت نہ تھا۔ اگرچہ ان کے کچھ ہم عصر ان بدعتوں کو عبادات میں سے سمجھتے تھے۔

زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہو

وہ اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتے تھے۔ دارالحدیث میں ہر روز وہ صبح اور بعد از ظہر دو سبق پڑھایا کرتے تھے۔ ہر سبق دو گھنٹوں کا ہوا کرتا تھا۔ پڑھانے سے پہلے وہ ہر سبق کا بمع تعلیق کے دو دو گھنٹوں تک مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ان آٹھ گھنٹوں کے علاوہ دن کے باقی حصے کو وہ عبادت، تلاوت قرآن کریم اور تصنیف و تالیف میں صرف کیا کرتے۔

ان کے اوقات کار

ان کا کھانا، سونا اور کلام بہت کم ہوا کرتا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اکثر اوقات ترتیب تقسیم اور اہتمام کے ساتھ تعلیم تقریر مطالعہ تصنیف و تالیف عبادت اور تلاوت قرآن جیسے نافع کاموں میں خرچ ہوا کرتے تھے۔

عربی اور فارسی کی مہارت

وہ عجمیت سے خالی خالص عربی بولا کرتے تھے۔ ان کا انداز تعلیم و تفہیم عمدہ تھا۔ فارسی زبان اور اس کے آداب میں بھی ان کو مہارت حاصل تھی۔ عوامی زبان میں بھی ان کا انداز تفہیم بہت عمدہ تھا۔

زندگی کے دو تہائی حصے انہوں نے عربی ممالک میں گزارے تھے۔

علم کے بحر ذخار

علوم عقلیہ و نقلیہ میں وہ بحر ذخار تھے۔ تحقیق و تدقیق سے بھی اللہ جل شانہ نے انہیں حظ وافر نصیب فرمایا تھا، زندگی کا آخری تہائی حصہ انہوں نے صرف علوم شرعیہ میں صرف کیا اللہ جل شانہ کی مہربانی سے میں ان کی صحبت میں ان کی خدمت اور ان سے پڑھنے کیلئے چودہ سال تک رہا۔

مذکورہ بالا مدرسے میں میرا کمرہ ان کے کمرے سے متصل تھا۔ میں نے ان سے

فقہ حنفی اس کے اصول علم میراث، حدیث شریف اور اس کے اصول اور نسفی ﷺ کی تفسیر قرآن پڑھی۔ اللہ جل شانہ میری طرف سے انہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔

ہمیں سلف صالحین کے عقائد ہی کافی ہیں

ایک دفعہ میں نے ان سے علم کلام پڑھنے کی فرمائش کی جس کو انہوں نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہمیں وہ اسلامی عقائد جن پر سلف صالحین نے زندگی گزاری کافی ہیں۔

علوم کی اجازت

سن ۱۳۱۲ھ میں انہوں نے مجھے اپنی تمام مرویات کی زبانی اجازت دے دی۔ اسی طرح صرف نحو فقہ اور وہ علوم جن میں انہوں نے مجھے اپنی سوچ کے مطابق تدریس کے قابل سمجھا ان کے پڑھانے کی اجازت دی۔

سن ۱۳۲۵ھ میں انہوں نے مجھے بذریعہ خط اجازت دی۔

اعلیٰ اخلاص اور اعلیٰ ذکاوت

یہ طویل مدت جو میں نے ان کی صحبت میں گزاری، اس میں میں نے ان کی ذات میں بہت سی عجیب اور قابل تعریف عادات واخلاق کا مشاہدہ کیا۔ دوران مطالعہ ان کی علمی تحقیق جو اشکالات ان کے ذہن میں پیدا کرتی تو تھوڑا سوچنے کے بعد ان کا ذہن ان اشکالات کا حل پیش کر دیتا اور مشکل بات کو واضح کر دیتا۔

کتاب کے حاشیہ پر وہ ان اشکالات کو جوابات کے ساتھ نوٹ کر لیتے۔

''جب کوئی مشکل علمی بات ان سے حل نہ ہوتی تو وہ اس بات کو کلاس میں لائق طلبہ سے یہ کہہ کر پیش کر دیتے کہ دوران مطالعہ ہمیں یہ عبارت مشکل لگی ہے اور مصنف کی مراد ہم نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ اے فلاں! اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس پر وہ شاگرد جواب دیتا، شیخ کو اگر اس کا جواب درست نظر آتا تو خوش ہوتے اور فوراً اس کو نوٹ کر لیتے اور اگر اس کا جواب پسند نہ آتا تو دوسرے شاگرد سے جواب طلب کرتے۔ اسی

طرح پھر تیسرے سے پھر چوتھے سے، آخر تک، اگر تمام طلبہ اس عبارت کے حل میں ناکام رہتے تو وہ یہ کہہ کر بات کو ختم کر دیتے کہ ہمارا رب جو ہمارے لیے مناسب سمجھے گا عطاء کر دے گا۔" یہ ہے اعلیٰ اخلاص کا منظر

تواضع

اور اس سے بھی انوکھی بات۔ جس کو اگرچہ میں لپیٹنا چاہتا تھا کیونکہ اپنی تعریف سننا ان کو ناگوار گزرتا تھا لیکن اس لیے ذکر کر رہا ہوں تا کہ موضوع کے حق کی کچھ ادائیگی ہو جائے۔

وہ یہ ہے کہ جب ان کو کسی کام کے سلسلے میں میری ضرورت پڑتی تو اپنے کمرے سے مجھے آواز دے دیتے تو میں فوراً لبیک کہہ کر ان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ آہ! ان کی خدمت میں مجھے کیا ہی لذت ملتی تھی لیکن نحو اور منطق کا جب کوئی دقیق مسئلہ ان کی سمجھ میں نہ آتا تو خود چل کر میرے کمرے میں آجاتے اور انتہائی تواضع کے ساتھ اس مسئلے کے بارے میں مجھ سے استفسار کرتے۔

چونکہ زندگی کے آخری ایام میں ان کی مکمل توجہ علوم شرعیہ کی طرف ہوگئی تھی۔ منطق اور نحو پڑھے ان کو ایک عرصہ ہو چکا تھا اس لیے ان علوم میں ان کو بعض اوقات مشکلات پیش آجاتی تھیں۔

ان علوم میں ان کا مجھ سے سوال کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ وہ ان علوم میں ناقص اور میں ان علوم میں اپنے استاد اور آقا پر فائق تھا بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ میری جوانی اور محنت کے صبح و شام ان علوم کے سیکھنے اور سکھانے میں گزرے تھے۔ (اللہ جل شانہ ان کی قبر کو اچھا کرے)

قابل اجر اور لائق زجر

ان کی کوشش یہ ہوا کرتی تھی کہ وہ جو بیان کریں طلبہ اس کو مکمل سمجھ لیں، اس لیے جب طالب علم سمجھنے کیلئے یا پختہ کرنے کیلئے ان سے دوبارہ سوال کرتا تو وہ اس کے

سوال کو رد کرنے کے بجائے بڑی کشادہ دلی سے اس کا جواب دیتے۔

اسی طرح جب کوئی طالب علم موضوع کے مناسب کوئی اعتراض کرتا تو اس کو بڑی خوشی اور رشک کے ساتھ قبول کرتے۔ البتہ جب کوئی موضوع سے باہر سوال کرتا تو ان کے رخسار سرخ اور سخت مزاجی کی وجہ سے وہ ناقابل بیان غصہ میں آجاتے۔ پھر آہستہ آہستہ بردباری کے دائرے کی طرف آتے اور سائل کو بڑی نرمی کے ساتھ ایسے فضول سوالات سے باز رہنے کا حکم دیتے۔

خواص کے معلم

اللہ جل شانہٗ ان کے اجر میں اضافہ کرے، تاحیات وہ خواص کی تعلیم میں ہی لگے رہے، یہاں تک کہ مرض الموت نے ان کو بٹھادیا، میں نے ان کو کبھی کسی جامع مسجد میں عوام کے حلقے میں وعظ کرتے نہیں دیکھا بلکہ وہ اس چیز سے سب سے زیادہ دور رہا کرتے تھے۔ بہرحال ہر انسان اپنے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے۔

تصنیفی خدمات

تفسیر نسفی، صحیح بخاری، درمختار اور اس کے حواشی پر ان کی تعلیقات موجود ہیں۔ اسی طرح علائی کی شرح المنار اور ابن عابدین کے حواشی پر بھی ان کی تعلیقات ہیں۔ کنز الدقائق کی شرح کے علاوہ ان کی کوئی بھی تصنیف مطبوع نہیں ہے۔ وہ جب بھی کوئی کتاب پڑھاتے تو اس پر مفید تعلیقات کا اضافہ کردیتے۔ جیسے ہدایۃ وغیرہ پر ان کی تعلیقات موجود ہیں۔

قرآن کریم ہاتھ سے لکھ کر وقف کرنا

چونکہ خوشخط تھے، اسی طرح صفحات رنگنے اور فہرست بنانے میں بھی ان کو مہارت تھی، اس لیے اپنے ہاتھ سے متقدمین کی طرز پر بہت سے قرآن مجید لکھ کر اللہ جل شانہٗ کیلئے وقف کردیئے۔ ہر سال قربانی کرتے اور اکثر خفیہ طور پر صدقہ بھی کیا کرتے

تھے۔

اسلاف کی چلتی پھرتی تصویر

یہ ہیں کچھ گوشے علامہ شیخ عبدالحکیم افغانی کی سیرت کے جن کو اس لیے بیان کیا گیا تاکہ اس زمانہ کے نوجوان اور بعد میں آنے والے لوگوں کو ایسے شخص کی سیرت سے مطلع کیا جائے جو اس زمانے میں ابتدائے اسلام کے علماء کی زندگی کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔

شیخ عبدالحفیظ فاسی کو دیا گیا اجازت نامہ

ہمارے شیخ علامہ محدث شیخ عبدالحفیظ فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ کے تذکروں پر مشتمل اپنی کتاب ''ریاض الجنۃ'' میں ان کا بہت عمدہ تذکرہ پیش کیا ہے۔

ہمارے شیخ سے بذریعہ خط شیخ فاسی نے ان کے علوم کی اجازت مانگی تو انہوں نے ۵ جمادی الاولی سن ۱۳۳۲ھ کو یہ اجازت نامہ ارسال کیا۔

حضرت شیخ عبدالحفیظ بن شیخ محمد طاہر نسباً فہری داراً اور لقباً فاسی نے جب مجھ سے علوم دینیہ پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت مانگی اگرچہ میں اس کا اہل نہ تھا لیکن چونکہ اچھا گمان رکھنے والے کا حسن ظن رد کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اس لیے میں اپنی تمام مرویات، تفسیر حدیث فقہ اور اوراد وادعیہ اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ میں سے جو مجھے آتا ہے اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی میں ان کو اجازت دیتا ہوں جیسا کہ مجھے اپنے زمانہ کے سید شیخ محمد خانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ . اس کے بعد انہوں نے بعض اساتذہ تک اپنی سند بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ (آمین)

☆ ☆ ☆

شیخ طاہر جزائری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۸ھ تا ۱۳۳۸ھ)

جلیل القدر علامہ، ماہر علوم جمیل شیخ طاہر بن محمد صالح بن احمد بن موہوب سمعونی اصلاً جزائری اور ولادت وفات کے اعتبار سے دمشقی ہیں کہ مفسر محدث فقیہ اصولی مورخ لغوی باثر ادیب اور منقول ومعقول کے علامہ تھے۔

ولادت اور وفات

سن ۱۲۶۸ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور وہیں پر ۱۳۳۸ھ میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔

ابتدائی تعلیم

ان کے والد محمد صالح نے امیر عبدالقادر جزائری کے ساتھ سن ۱۲۶۳ھ میں جزائر سے دمشق کی طرف ہجرت کی اور اپنی سن وفات ۱۲۸۵ھ تک وہیں مقیم رہے۔ وہ شریعت اور قرآن کے علوم کے ماہر اور مذہب مالکیہ کے فقیہ تھے۔ زندگی کے آخری ایام تک وہ دمشق میں مالکیہ کے مفتی رہے۔ شیخ طاہر نے پہلے اپنے والد سے علم حاصل کیا، پھر اس کے بعد دمشق کے دیگر علماء کے ساتھ لگ گئے۔

مختلف زبانوں سے واقفیت

فارسی، عربی اور ترکی یہ تینوں زبانیں مختلف علماء سے سیکھیں، وہ بعض اہل جزائر کی قبائلی زبان "بربریہ" سے بھی واقف تھے۔

علمی کمال

علوم شرعیہ میں ان کے جلیل القدر اساتذہ میں ایک احناف کے فقیہ، ثقہ، محقق علامہ عبدالغنی غنیمی دمشقی میدانی بھی ہیں۔ یہ ابن عابدین کے شاگرد ہیں۔ ان سے انہوں

نے فقہ پڑھی۔اسی طرح مشکل مسائل کے حل اور درس وتدریس میں تحقیق وتدقیق کا ملکہ بھی انہی سے حاصل کیا۔ اللہ نے چونکہ قوی اور امین حافظہ دیا تھا اس لیے تحقیق کے میدان میں خوب ترقی کی جو چیز ایک مرتبہ ان کے ذہن میں آجاتی، وہ ان کے ذہن سے محو نہ ہوتی تھی۔

وہ اپنے نفس اور دل کو دنیاوی مشغل سے فارغ کر کے تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے، پھر اللہ نے علوم شرعیہ، عربیہ اور علوم طبعیہ میں جو دیا اس سے خوب سیر ہو کر لیا۔ ریاضیات، فلکیات اور تاریخ کو انہوں نے خوب پڑھا۔ گزرے علماء کے تذکروں اور ان کی تصنیفات پر جتنا ان کو عبور تھا، ان کے ہمعصر علماء میں سے کسی کو نہ تھا۔

الجمعیۃ الخیریہ کی رکنیت اور تصنیف وتالیف

عنفوان شباب میں وہ الجمعیۃ الخیریہ جس کی بنیاد دمشق کے کچھ علماء نے ۱۲۹۴ھ میں رکھی تھی اس کے رکن بن گئے۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں ان کو مدارس ابتدائیہ کا نگران بنا دیا گیا۔ اس عرصے میں وہ ابتدائی مرحلے کی وہ کتابیں جو ان مدارس کے لائق تھیں، ان کی تصنیف وتالیف میں مشغول رہے اور یہ کام انہوں نے بڑی عمدگی اور مفید طریقے سے انجام دیا۔

المکتبۃ الظاہریہ کی بنیاد

۱۲۹۶ھ میں شیخ نے دمشق کے مختلف مدارس میں پھیلی ہوئی وقف شدہ ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں (مخطوطات) جمع کیں اور ان سے المکتبۃ الظاہریہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مکتبہ آج کل بلاد عربیہ میں (مخطوطات) ہاتھوں سے لکھی ہوئی عمدہ کتابوں کو جمع کرنے میں سب سے بڑا کتب خانہ ہے۔

المکتبۃ الخالدیہ کا قیام

دمشق میں "المکتبۃ الظاھریۃ" کے قیام میں کامیابی کے بعد انہوں نے

القدس میں ''المکتبۃ الخالدیہ'' کی بنیاد رکھنے کی کوشش شروع کی جس میں وہ کامیاب رہے۔ یہ کتب خانہ بھی ایک عرصہ تک تصنیف و تالیف اور علم کی نشر و اشاعت میں مصروف عمل رہا۔

قاہرہ میں قیام

سن ۱۳۲۵ھ میں ان کو حکومت کی طرف سے بعض سختیوں کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے انہوں نے مصر کی طرف ہجرت کی، پھر اسی کو اپنا مسکن اور وطن بنالیا۔ یہاں ان کے جاننے والوں نے ان کا استقبال خوشدلی اور خوب احترام کے ساتھ کیا۔ خاص طور پر علامہ احمد تیمور پاشا اور علامہ احمد ذکی پاشا نے جب ان کے پاس اپنا مقصود یعنی وسیع علم تصنیفات اور علم و علماء کی تاریخ سے واقفیت دیکھی تو وہ ان کے ساتھ انتہائی ادب و احترام سے پیش آئے۔ مصر کے شہر قاہرہ میں وہ تیرہ سال تک مقیم رہے۔

دمشق واپسی

سن ۱۳۳۷ھ کے آخر میں شدید بیمار پڑ گئے جس کی وجہ سے انہوں نے واپس دمشق کا رخ کیا۔ دمشق آنے کے فوراً بعد انہیں المجمع العلمی العربی دمشق کا رکن اور المکتبۃ الظاہریہ کا مدیر عام بنادیا گیا۔

سفر آخرت

لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور چار ماہ کے بعد وہ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

سیرت اور صورت

ان کا چہرہ خوبصورت، درمیانہ قد، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، بال اور آنکھیں کالی، گھنی داڑھی، سخت مزاج، تیز حرکت والے، کشادہ قدم، زبان اور کلام کی حفاظت کرنے والے اور بے ہودگی سے ناواقف تھے۔ ان سے کبھی بھی فحش گوئی، بے ہودگی، گالی گلوچ اور ادب و مروت کے منافی کوئی بات نہیں سنی گئی۔ وہ کبھی کبھی مزاح اور نادر باتیں

کرایا کرتے تھے۔

اس معاملے میں میں شاذ ہوں

لباس وغیرہ کی صفائی میں وہ تساہل پسند تھے ان چیزوں کی صفائی میں لگنے والے وقت کا ضیاع سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ ابن خشاب (جن کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے) کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے۔ انہوں نے شادی بھی نہیں کی۔ شادی نہ کرنے اور صفائی وغیرہ میں تساہل پسندی میں یہ دونوں علماء ایک طرح تھے اور شیخ طاہر اپنے اندر یہ کمی محسوس بھی کیا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ صفائی ستھرائی کے معاملے میں "میں شاذ ہوں، مجھے پسند نہیں ہے کہ اس میں میری کوئی پیروی کرے۔"

وہ تمام رات یا اس کا کچھ حصہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزارتے تھے اور باقی رات اکیلے تصنیف وتالیف یا مطالعہ میں گزارتے تھے۔

نماز کا حد درجہ اہتمام

نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کا ان کو شدید اہتمام تھا۔ اذان کی آواز جیسے ہی ان کے کانوں میں پڑتی تو وہ فوراً نماز کی طرف چل پڑتے۔ چاہے وہ اپنے گھر میں ہوں یا کسی عام پارک میں یا بازار میں۔ اگر وہ بازار میں ہوتے تو جیسے نماز کا وقت داخل ہوتا، کسی دوست کی دکان میں داخل ہو کر نماز ادا کر لیتے۔ کسی عام محفل میں ہوتے تو جیسے ہی اذان کی آواز سنتے فوراً ایک کونے میں نماز کی نیت باندھ لیتے۔ ان فضائل کے ساتھ ساتھ وہ بہت زیادہ عفیف اور پاکدامن بھی تھے۔

استغناء وخودداری

حکمرانوں کے ہدایا بالکل قبول نہیں کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر اپنی کتابیں بیچ کر گزر اوقات کیا کرتے۔

سب سے قیمتی چیز

سب سے قیمتی چیز ان کے ہاں علم علمی کتابیں اور علم کیلئے یکسوئی تھی اور اسی لیے یہ جاننے کے باوجود کہ اسلام رہبانیت کی اجازت نہیں دیتا تا حیات غیر شادی شدہ رہے تاکہ ان کا ذہن بیوی، بچوں کی فکروں سے آزاد رہے اور وہ زمین میں جہاں چاہیں جب چاہیں گھومیں، پھریں اور اپنے کمرے میں کتابوں اور کاپیوں میں مگن رہیں۔ نہ ہی ان کے کمرے میں کوئی آئے اور نہ ان کی توجہ کا رخ دوسری طرف پھرے۔

وہ ہفتے بھر کا قہوہ ایک ہی دفعہ بنالیا کرتے تھے

کتابوں، صفحات، قلموں اور دواتوں سے ان کا بستر بھرا رہتا تھا، وقت کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے وہ ہفتے بھر کا قہوہ ایک ہی دفعہ بہت بڑے برتن میں بنالیا کرتے تھے، جب سستی محسوس کرتے تو اسی برتن سے ایک کپ ٹھنڈا اور باسی قہوے کا لیتے اور پی جاتے۔ یہ قہوہ بھی نیند دور کرنے اور نشاط پیدا کرنے کیلئے استعمال کرتے تھے۔

تاکہ یہ وقت بھی ضائع نہ ہو

وہ جب گھر سے یا کتب خانے سے نکلتے تو کوئی کتاب یا کچھ صفحات پڑھنے کیلئے ضرور ان کی جیب میں ہوتے تاکہ راستے میں چلنے کے دوران یہ وقت بھی ضائع نہ ہو۔ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ تصنیف و تالیف، تحقیق، علمی بحث و مذاکرہ اور مطالعہ سے خالی نہ ہوا کرتا تھا۔ ان کو جب کوئی کتاب پسند آتی تو وہ اس کا بار بار مطالعہ کرتے۔ لہو و لعب اور ہنسی مزاح کیلئے ان کے پاس کوئی وقت نہ تھا۔ ان کا تمام وقت محنت اور تحصیل علم کیلئے وقف تھا۔

چھٹیوں کے دنوں کیلئے ان کی ایک نصیحت

چھٹیوں میں کم پڑھنے اور ذہن کو تازگی بخشنے اور جسم میں نشاط پیدا کرنے کیلئے ورزش اور پارکوں میں سیر و تفریح کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ دمشق کے پارک اس

وقت ہر قسم کی آوارگیوں سے پاک ہوا کرتے تھے کیونکہ ہر وقت کتابوں پر جھکے رہنے سے انسان تنہائی اور لوگوں سے کنارہ کشی کا عادی ہو جاتا ہے۔

وہ اپنی اس نصیحت میں اس قول کی طرف اشارہ کرتے تھے، جو میں نے اپنے بعض جلیل القدر شیوخ سے مغرب میں سنا تھا کہ چھٹی کے وقت جو پڑھے گا تو وہ پڑھائی کے وقت میں نہ پڑھ سکے گا اور یہ قول صحیح اور سچا ہے۔

چلتا پھرتا کتب خانہ

انہوں نے عقائد، تفسیر، علوم قرآن، تجوید، علوم حدیث، سیرت، اصول علوم بلاغت، نحو، عربیت اور اس کے آداب، حکمت طبیعات، ریاضیات، تاریخ، اسلام کے علمی ذخیرے کی بہت سی مخطوط کتابوں کا تعارف جیسے مختلف موضوعات پر تقریباً پینتیس کے قریب چھوٹی بڑی تصنیفات لکھیں۔ ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ گھومتے پھرتے علماء اور چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔

تصنیفات

ان کے شاگرد استاذ محمد کرد علی کہتے ہیں کہ ان کی چند مطبوعہ کتابوں میں سے یہ ہیں۔ (۱) شرح خطب ابن نباتہ، تربیت امثال میں (۲) ارشاد الألباء الیٰ تعلیم الف باء " (۳) التقریب الیٰ اصول التعریب (۴) التبیان لبعض المباحث المتعلقہ بالقرآن (۵) توجیہ النظر الی اصول الاثر۔ ان کتابوں میں ان کے علم کا خلاصہ ان کے کمال کی ایک نشانی نظر آتی ہے۔ ان کتابوں میں بحث و تحقیق اور دقیق مسائل میں ان کی گہرائی کی روح نمایاں طور پر آپ کو ملے گی۔ ان کے معاصرین میں بہت کم لوگوں کی ایسی تحقیق و بحث کی طرف رسائی ہوتی تھی۔

ان کی دو کتابیں

عبدالفتاح کہتے ہیں کہ ان کی آخری دو عمدہ کتابیں "التبیان" اور "توجیہ

"المنظر" طباعت کے عمدہ لباس میں اور مکمل تحقیق کے ساتھ میرے ہاتھوں بیروت سے دو مرتبہ شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی مرتبہ ۱۴۱۱ھ میں اور دوسری بار ۱۴۱۵ھ میں۔

اٹھائیس رجسٹر

مکتبہ ظاہریہ میں ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اٹھائیس رجسٹر موجود ہیں جن میں سے بعض سوانح یاداشتیں تاریخی فوائد اور بعض مخطوطات اسماء اور ان لوگوں کے تذکرے ہیں جس کو انہوں نے دیکھا یا ان سے پڑھا، یہ سب کچھ تفصیل کے ساتھ دارالکتب الظاہریہ کی فہرست "التاریخ و ملحقاته[1]" میں موجود ہے۔ استاد زرکلی "الاعلام[2]" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی یادگار "مکتبہ ظاہریہ" ہے جو مختلف موضوعات کی کتابوں کا بہت بڑا مجموعہ ہے۔[3]

نادر کتابوں کی نشر و اشاعت

ان تمام علمی کمالات کے ساتھ وہ نادر کتابوں کی نشر و اشاعت اور ان کی طباعت میں خاص دلچسپی لیتے تھے تاکہ ان نادر کتابوں سے لوگ واقف ہوں اور ان سے استفادہ کریں۔ ادب اخلاق اور تاریخ وغیرہ میں انہوں نے کئی نادر کتابوں کو حیات تو بخشی جن میں سے ایک احمد بن طیفور کی کتاب بلاغات النساء ہے۔

وفات تک

خلاصہ یہ ہے کہ جس دن سے انہوں نے علم سے رشتہ جوڑا اس دن سے لے کر

---

[1] ۲/۲۲۸ ط ۵ ۶ء

[2] ۲۲۲/۳

[3] "الاعلام" میں یہاں المطبعۃ کے بجائے لفظ المکتبۃ آیا ہے جو کہ غلط ہے۔ انہوں نے اپنی فہرست مصادر ۸/۳۴۹ میں لفظ کو صحیح بیان کیا ہے۔ وہاں انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

علامہ بشیر احمد غزی حلبی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۷۴ھ تا ۱۳۳۹ھ)

یہ حلب میں ہمارے اساتذہ کے استاذ علامہ فقیہہ، مفسر، نحوی، لغوی، ادیب، اریب، حافظ شیخ بشیر غزی حلبی ہیں۔

ولادت اور وفات

ان کی ولادت حلب میں سن ۱۲۷۴ھ اور وفات سن ۱۳۳۹ھ میں وہیں پر ان کا انتقال ہوا۔

ان کے شاگرد ہمارے شیخ علامہ محدث مؤرخ حلب محمد راغب طباخ نے اپنی تاریخ "اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء"[1] میں ان کا مبسوط تذکرہ بیان کیا ہے۔ یہاں اس کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔ عالم و علامہ حبر فہامہ قاضی القضاۃ شیخ محمد بشیر بن شیخ محمد ہلال بن سید محمد لالا جاتی حلبی غزی رحمۃ اللہ علیہ

غزی کہنے کی وجہ

ان کو غزی اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ماں شریک بھائی علامہ مؤرخ و ادیب "نہر الذہب فی تاریخ حلب" کے مصنف شیخ کامل غزی حلبی کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے ان کی نسبت آل غزی کی طرف کی جاتی تھی۔

ان کے ماں شریک بھائی ہمارے لائق فاضل شیخ کامل غزی نے ان کا تفصیلی تذکرہ بیان کیا ہے۔

میں تھوڑے تصرف کے ساتھ ان کے ذکر کردہ تذکرے کا اختصار بیان کرنے کے بعد میں ان کے وہ احوال بیان کروں گا جو مجھے معلوم ہیں۔

---

[1] ج ۷/ ۶۲۴_۶۳۵

سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ

ان کے بھائی کہتے ہیں

میرے بھائی ۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں انہوں نے ولی اللہ شیخ شریف جو اعرج کے لقب سے مشہور تھے۔ سے قرآن مجید حفظ کیا۔

ایک سال ان کے ہاں ٹھہرنے کے بعد وہاں سے نکلے تو پڑھنے اور لکھنے کو اپنا مشغلہ بنالیا۔

فصیح لہجے میں پڑھنا

نو سال کی عمر میں ان کو ہاتھ سے لکھی ہوئی ایسی کتابیں دیتا جن کی لکھائی صحیح نہ ہوتی تھی تو وہ ان کتابوں کو تیزی کے ساتھ فصیح لہجے میں پڑھتے اور بہت کم ان سے غلطی سرزد ہوتی۔

نو سال کی عمر میں بڑے کام

اسی عمر میں انہوں نے امام غزالی کی طرف منسوب ”خاتم مخمس“ شیخ یوسف سرمینی سے جو کہ اپنے زمانے میں ذکاوت اور فطانت میں مشہور تھے، بنانی سیکھی۔

اوقات معلوم کرنے کے فن میں مہارت

کچھ عرصہ تک وہ اوقات معلوم کرنے کے فن میں مشہور ایک شخص کے پاس بھی آتے جاتے رہے۔ شیخ عبدو نامی یہ شخص جامع عدلیہ میں مقیم تھا۔ انہوں نے اس فن میں مہارت حاصل کر لی تھی۔

تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے میرے ہمراہ کتابوں کے متون یاد کرنے شروع کیے۔

الفیہ ابن مالک بیس دنوں سے بھی کم میں یاد کی

جامع فنہ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے علم نحو کی اہم کتاب "الفیہ ابن مالک" کو جو کہ ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے بیس دنوں سے بھی کم میں انہوں نے یاد کیا۔

میں ان کے حافظے کی قوت اور تیزی سے بڑا حیران ہوا کرتا تھا۔

ادب کی تعلیم

اس کے بعد انہوں نے ادب کی کتابوں کو یاد کرنا شروع کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے بہت سے عربی اشعار اور ادب و اخلاق کی کتابوں کی بہت سی منتخب عبارتیں یاد کرلیں۔

کنز الدقائق کا اکثر حصہ بھی ان کو زبانی یاد تھا

فقہ حنفی کی مشہور کتاب کنز الدقائق کا بھی اکثر حصہ انہوں نے زبانی یاد کیا۔

مدرسہ رضائیہ میں تعلیم

سن ۱۲۹۵ میں وہ مدرسہ رضائیہ جو کہ آج کل باب النصر کے قریب مدرسہ عثمانیہ کے نام سے مشہور ہے میں چلے گئے۔ یہیں سے ان کا علمی کمال لوگوں میں مشہور ہونے لگا۔

خوش الحانی

سب سے پہلے جس چیز سے ان کی شہرت ہوئی وہ اچھی آواز میں تلاوت قرآن تھی۔ لوگ جمعہ کی رات اور نماز جمعہ سے پہلے مدرسہ رضائیہ کی جامع مسجد میں ان کی تلاوت سننے آیا کرتے تھے۔

ان کی اقتداء میں نماز فجر

کچھ عرصہ بعد حلب کی جامع مسجد میں ماہ رمضان میں نماز فجر میں امامت کرنے کا ان کو کہا گیا۔ فجر کی نماز میں ان کی قرأت سننے کیلئے لوگ شہر کے آخری کونے سے ان کی اقتداء میں آکر نماز فجر ادا کرتے تھے۔ پچیس سال سے زائد عرصہ تک وہ حلب کی جامع مسجد میں نماز فجر کی امامت کرتے رہے۔

علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم

علم نحو،صرف،معانی،بیان،انہوں نے علامہ شیخ شہید ترمانینی سے پڑھے۔

مدرسہ رضائیہ میں قیام کے دوران وہ پابندی سے شیخ مصطفیٰ کردی کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

ان سے انہوں نے المواقف اور اس کی شرح تفسیر اور عقائد نسفی پڑھی۔

فقہ حنفی میں الدر المختار کا اکثر حصہ انہوں نے شیخ محمد زرقاء سے پڑھا۔

علم میراث اور علم عروض انہوں نے شیخ عالم فاضل محمد صابونی سے پڑھا۔

مدرسہ رضائیہ میں جب شیخ محقق حسین کردی کو مدرس بنایا گیا تو انہوں نے ان کی مصاحبت مستقل اختیار کر لی اور ان سے منطق بحث ومناظرہ کے آداب تفسیر اور مصطلح الحدیث کا کچھ حصہ پڑھا۔

''علم میقات اور فلکیات'' انہوں نے استاد اسحاق ترکی سے پڑھے۔

جدید علوم کی تعلیم

وہ جدید علوم پڑھنے سے بھی پیچھے نہ رہتے تھے۔وہ کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے ہر علم میں بصیرت حاصل ہو کیونکہ دوران تدریس مجھے اگر کسی علم کے پڑھانے کا کہا جائے تو مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں یہ کہہ کر جواب دوں کہ میں اس علم سے ناواقف ہوں،اس وجہ سے وہ طبیعات اور مغربی فلسفہ کی کتابیں بھی پڑھا کرتے تھے۔

شیخ بدوی کی صحبت میں

ان کے وہ اساتذہ جن کی مصاحبت کو انہوں نے لازم کرلیا اور ان کے علوم و صلاح سے نفع حاصل کیا۔ ان میں ایک نام شیخ محمد بدوی سن ولادت ۱۲۴۹ھ سن وفات ۱۳۳۱ھ کا ہے۔ یہ مشہور امام اور علامہ شیخ احمد ترمانینی کے شاگرد تھے۔

شیخ بدوی علم کے خزانہ اور تقویٰ عبادت اور علمی اشتغال کے آخری درجہ پر فائز تھے۔

شیخ مدرسہ رضائیہ میں رہتے تھے، مدرسے کے صحن میں چہل قدمی کے دوران شیخ بشیر بھی ان کے ساتھ چلتے اور مشکل مسائل کے بارے میں ان سے دریافت کرتے۔ اس چہل قدمی کے دوران ان کو وہ قیمتی اور خاص فوائد حاصل ہوتے جن سے عام طلبہ محروم رہتے۔ ایک دفعہ شیخ بدوی ان سے ناراض ہوگئے اور ان کو ڈانٹ دیا۔ اس ناراضگی سے شیخ کے ان خاص فوائد کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اس محرومی پر شاگرد کی پریشانی جب بڑھی تو اس نے ایک صفحے پر علم النحو میں بطور استشہاد کے پیش کیا جانے والا یہ مشہور شعر لکھ کر شیخ کے کمرے کی کھڑکی میں ایسی جگہ رکھ دیا جہاں سے شیخ کی اس پر نظر پڑ سکے، وہ شعر یہ ہے۔

ببذل وحلم ساد في قومه الفتى　　وكونك اياه عليك يسير

ترجمہ "سخاوت اور بردباری کی وجہ سے ہی نوجوان اپنی قوم کی سرداری کرتا اور آپ کا اس طرح ہو جانا آسان ہے۔

شیخ نے یہ شعر پڑھ کر ان سے درگزر فرمایا اور ان کا سینہ دوبارہ سے اپنے شاگرد کیلئے کھل گیا اور ایک بار پھر ان افادات اور مشکل مسائل کے جوابات کا سلسلہ چل پڑا۔

عربی ادب میں وہ ایک بہت بڑی نشانی تھے

علوم کثیرہ میں اشتغال کے باوجود انہوں نے اپنی توجہ لغت اشعار کے دیوان اور ادبی کتابوں کو مکمل سمجھ کے ساتھ یاد کرنے کی طرف مبذول رکھی۔ یہاں تک کہ وہ اس موضوع میں سب سے آگے بڑھ گئے اور اپنے معاصرین پر فائق نظر آنے لگے۔ لغت اور

ادب میں ممالک عربیہ کے جلیل القدر علماء اور ناقدین نے ان کے کمال کا اعتراف کیا اور ان مسائل میں جن کا سمجھنا مشکل اور ان کا ادراک عام عقلوں سے بعید تھا۔ ان کو مرجع خلائق اور با اعتماد عالم قرار دیا گیا۔

کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ ہم ایک چیز کو جانتے تھے لیکن عربی میں ہمیں اس کا نام معلوم نہیں ہوتا تھا۔

عربی لغات کی جن جن جگہوں کے بارے میں ہمارا خیال ہوتا کہ اس کا نام وہاں مل جائے گا، وہ سب ہم چھان مارتے لیکن طویل محنت اور جستجو کے بعد جب ہمیں کچھ نہ ملتا تو ہم ان سے دریافت کرتے تو وہ فوراً فی البدیہہ یوں گویا ہوتے اس کا نام یہ ہے اور یہ فلاں لغت کے فلاں مادے میں یا فلاں شعر میں مذکور ہے۔ جب ہم ان کی بتائی ہوئی جگہ پر دیکھتے تو بالکل ویسے ہی پاتے جیسے انہوں نے بتایا ہوتا تھا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ وہ عربی زبان، اس کے اشعار اور اس کی تاریخ میں ایک بہت بڑی نشانی تھے۔

ادب میں ان کی گفتگو سننے والا یہ سمجھتا تھا کہ اس فن کی کوئی بھی نادر بات اس شخص کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔

الاغانی، شرح دیوان حماسہ، امالی القالی، کامل المبرد تینوں مشہور عربی شعراء طائی، بحتری اور متنبی کے مختارات اور ابو العلاء کے اشعار اللزومیات سقط الزند وغیرہ جن کے یاد کرنے اور سینے میں محفوظ کرنے کو عقل ناممکن سمجھتی ہے۔ یہ سب ان کو زبانی یاد تھے اور وہ طلبہ کو یہ سب زبانی لکھانے پر قادر تھے۔

علمی مشغولیت

ان کی پرورش اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نہج پر ہوئی۔ انہوں نے جب سے ہوش سنبھالا اور ان کے ناخن اگے اس وقت سے سوائے علمی مشغولیت کے ان کی کوئی دوسری بچگانہ مشغولیت نہ تھی۔ ہمیشہ وہ مدرسے میں رہتے اور برے دوستوں کی صحبت سے دور رہے۔

شادی کی ترغیب پر ان کا جواب

تاحیات وہ غیر شادی شدہ رہے، میں جب ان کو نکاح کی ترغیب دیتا تو وہ مجھے متنبی کے اس شعر سے جواب دیتے۔

وما الدهر اهل ان یؤمل عنده ۔ حیاۃ وان یشتاق فیہ الی النسل

ترجمہ ''زمانہ اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کی زندگی کی آرزو کی جائے اور اپنی نسل بنانے کا شوق رکھا جائے۔ اس کے بعد وہ اس موضوع میں ابوالعلاء کی المعرہ وحیات وغیرہ سے دیگر بہت سے اشعار سنائے

زہد

دنیا کے احوال میں غور وفکر اور مراقبے سے وہ غافل نہ رہتے تھے۔ اپنے پیچھے بھاگنے والوں کے ساتھ وہ کیسی آنکھ مچولی کرتی ہے، یہ سب کچھ ان کی نظروں سے اوجھل نہ تھا۔

وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ یہ دنیا محنت ومشقت کا گھر ہے۔ اس کی نعمتیں ختم ہونے والی اور اس کا سایہ اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے، اس میں رہنے والوں کو خوشیوں اور محرومیوں کا سامنا ہر وقت رہتا ہے۔ اس لیے دنیا کے عشاق اور اس کے پیچھے مارے مارے پھرنے والوں کے دل میں جو اس کی محبت ہوتی ہے۔ ان کا دل اس سے کوسوں دور تھا، جو مل جاتا اس پر وہ اتراتے نہ تھے اور جو نہ ملتا اس پر غمگین نہ ہوتے، حسد کی بیماری سے ان کا دل صاف اور غیبت وغیرہ سے ان کو نفرت تھی۔ اپنے حاسدین اور غیبت کرنے والوں کو ان کا جواب یہ ہوا کرتا تھا، اللہ اس کا بھلا کرے۔

سخاوت

ان عمدہ خصلتوں کے ساتھ وہ طبیعت کے سخی بھی تھے، اپنے بھائیوں پر احسان کرتے، ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے اکرام میں کوتاہی نہ کرتے۔ اسی طرح نادار

فقراء و مساکین پر خرچ کرنے میں بھی وہ کوتاہی نہ کرتے تھے جو بھی قرضہ مانگتا دے دیتے۔ اگرچہ اس کے بارے میں یقین ہوتا کہ یہ شخص واپس لوٹانے پر قدرت نہیں رکھتا۔

صاف دلی

صاف دلی کی وجہ سے وہ کسی سے بدگمانی نہ کرتے تھے، جو ان کے پاس امانت رکھاتا، اس کی بات پر خوب اعتماد کرتے اور اس سے کسی قسم کی گواہی کا مطالبہ نہ کرتے۔

ماہانہ وظیفہ

پچاس سال کی عمر تک ان کا ماہانہ وظیفہ صرف دو سو تر کی سکے رہا حالانکہ اس عمر میں ان کا علمی کمال مشہور ہو چکا تھا اور اسلامی ممالک میں ان کی شہرت پھیل چکی تھی اور دور دور سے طلباء مختلف فنون میں اپنی علمی مشکلات کے حل کرنے کیلئے ان کے پاس آتے رہتے تھے۔ ان کے وظیفے کی کمی کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی کے وظائف قبول نہ کرتے تھے۔ وہ اپنی علمی حیثیت کو تحقیر سے بچاتے اور اللہ جو گزارا لائق دے دیتا، اس پر قناعت کرتے تھے۔

ذمہ داریاں

سب سے پہلے ان کو افتاء کی امانت سپرد کی گئی، پھر بیانصہ کی جامع صروی میں ان کو مدرسہ سعد اللہ الملطی اور مدرسہ قرناسیہ کا مدرس بنایا گیا، اس کے بعد ارباب حل وعقد نے ان سے حلب میں مسند افتاء پر بیٹھنے کا پرزور اصرار کیا لیکن وہاں جو پہلے سے مفتی تھے۔ ان کی رعایت میں انہوں نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ان کو آستانہ میں بھیجے گئے سفیروں میں حلب کا سفیر بنا دیا گیا۔ جنگ عام کے بعد جب اس مجلس سفارت کو ختم کر دیا گیا تو ان کو محکمہ حقوق کا رکن بنا دیا گیا۔ تھوڑے عرصے بعد انہیں اس محکمے کا رئیس بنا دیا گیا، جنگ ختم ہونے کے بعد انہیں مدرسہ رضائیہ میں مدرس بنا دیا گیا۔ اس کے بعد حلب میں وہ محکمہ شرعیہ کے قاضی بنے، اس منصب پر وہ دو سال تک فائز

رہے، دو سال کے بعد حلب اور اس کے گردونواح کا انہیں قاضی القضاۃ بنا دیا گیا۔

مرض الموت

اسی عرصے میں وہ بیمار پڑ گئے، وفات تک دن بدن مرض بڑھتا ہی گیا۔

تلامذہ

مدرسۂ رضائیہ وعثمانیہ میں عرصۂ قیام کے دوران ان کے علمی کمال کو شہرت ملی، تو بڑے بڑے طلبہ علوم آلیہ اور فنون ادب سیکھنے کیلئے ان کے پاس آتے رہے۔ ترکی ادیبوں اور فضلاء کی ایک بڑی تعداد ان کی صحبت میں رہی، جن میں سے مظہر بک بن بدری بک ایک عرصہ طویل تک ان کی صحبت میں رہ کر ان سے علوم آلیہ اور فنون ادب سیکھتے رہے۔ انہوں نے شیخ کی اعانت سے الفیہ ابن مالک کا عربی سے ترکی زبان میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح مشہور ترکی تصنیفات کے مصنف ترکی فاضل رفعت بک مناستیری بھی ان کی صحبت میں رہے۔ انہی کے اصرار پر شیخ نے ترکی فاضل ضیاء پاشا کی حکمت کی باتوں میں منظوم کتاب "ترجیع بند" کا "حدائق الورند" کے نام سے عربی میں عمدہ اور منظوم ترجمہ کیا۔ ان کا یہ عربی ترجمہ اس لائق ہے کہ اسے عربی بلاغت کی "قسم السھل الممتنع" سے شمار کیا جائے۔

مصنف کے مقاصد کی بغیر کسی کمی و زیادتی کے انہوں نے خوب حفاظت کی ہے۔ "رفعت بک" نے شیخ کی مدد سے ترکی زبان میں قرآن کی تفسیر کا بھی آغاز کیا تھا لیکن دو تہائی قرآن کی تفسیر کے بعد وہ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

حلیہ

شیخ رحمہ اللہ بڑے سر والے، کندھوں کے درمیان فاصلہ، روشن چہرے والے، ہلکے پہلوؤں والے اور دل کے انتہائی نرم انسان تھے۔

اوصاف

مصیبت زدہ لوگوں اور فقراء کو دیکھ کر بہت جلد ان کا دل پسیج ہو جاتا تھا۔ اس شفقت اور نرم دلی کے ساتھ وہ شجاع قوی اور مضبوط دل کے بھی مالک تھے۔ بڑے سے بڑے حادثے کے وقت بھی وہ گھبراتے نہ تھے۔ عوام وخواص سب کو وہ محبوب تھے۔ ان کے شاگرد حد سے زیادہ ان کا احترام اور ان سے محبت کرتے تھے۔ ان کی گفتگو شیریں ہوا کرتی تھی۔ ہنسی مذاق بہت کم کیا کرتے تھے اور اکثر خاموش رہتے تھے۔ ان کے سمجھانے کا انداز بہت عمدہ تھا۔ بعض اوقات وہ ایسی نادر ادبی گفتگو کرتے تھے جس کو حاضرین میں سے بہت کم لوگ جانتے ہوتے۔

درس تفسیر بیضاوی

مدرسہ رضانیہ میں جب وہ تفسیر بیضاوی کا درس دیتے تو مسائل کتاب کی تقریر اس کے مخفی اشارات کی وضاحت اس کے حواشی میں موجود مشکل عبارات اور نادر ترکیبوں کا حل وہ پیش کرتے تو بڑے طلبہ عجائبات کا مشاہدہ کرتے۔

شعر وشاعری

ان کی خوبیوں میں سے ایک خوبی ان کی شعر وشاعری ہے۔ کسی موضوع پر جب وہ شعر کہتے تو انوکھے پن، وضاحت اور حسن بیان کے عمدہ پیرائے میں کہتے۔

تصنیفات

ان کی بہت سی تصنیفات ہیں لیکن وہ جو لکھتے تو وہ ان کی لاپرواہی کا شکار ہو جاتے۔ لغت میں ان کی ایک کتاب ہے جس میں انہوں نے مختار صحاح کے تمام لغوی کلمات ایک سیر وتفریح کرنے والے کی حکایت کے اسلوب میں بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں پہلے وہ ایک کلمے کا تعارف کراتے ہیں اس کے بعد وہ اس کی تفسیر کیلئے اس جیسے دیگر الفاظ کا ذکر کرتے ہیں۔

فقہ حنفی کی کتاب ''الدر المختار'' اور اس کی حواشی کی ایک ضخیم جلد میں انہوں نے تلخیص بھی کی لیکن یہ کتاب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ اس کے علاوہ مختلف واقعات کے بارے میں ان کے فتاویٰ کے کئی مجموعے ہیں اگر ان کو یکجا کیا جائے تو ایک بہت بڑی جلد تیار ہو جائے۔ البتہ یہ ساری کتابیں کچھ عرصہ تک مسودات کی شکل میں رہ کر ضائع ہو گئیں اور ان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہا۔

ان کی مطبوعہ کتابوں میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) علم تجوید میں ایک رسالہ (۲) ترجیع بند کا عربی ترجمہ (۳) علم منطق کی کتاب ''الشمسیہ'' کو انہوں نے بڑے دلنشین اور عمدہ انداز میں نظم کا لباس پہنایا۔ دیگر علمی متون کی نظموں میں جو تکلف ملتا ہے اس کا اس نظم میں کوئی نام و نشان نہیں ملے گا۔

ان کی مسودہ کی شکل میں محفوظ ایک مختصر اور مفید تفسیر بھی ہے جس کو قرآن مجید کے حاشیہ میں شائع کیا جا سکتا ہے۔

وہ واقعی ہی اس کا مصداق تھے

ہمارے شیخ علامہ طباخ گزشتہ کلمات نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ یہ تفصیل ان کے بھائی شیخ کامل غزی کے ذکر کردہ تذکرے کا خلاصہ ہے جو کچھ ان کے بھائی نے بیان کیا، وہ واقعی ہی اس کا مصداق تھے۔'' اللہ ان پر رحمت کرے'' لغت اور اس کے نادر الفاظ کے معانی یاد کرنے اور ان پر شواہد پیش کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ ایک کلمے کے استشہاد میں وہ دو دو تین تین اور چار چار اشعار پیش کر کے ہمیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے تھے۔

ان کو ''لزوم مالایلزم'' ''سقط الزند'' اور ''دیوان متنبی'' وغیرہ مکمل فہم معانی کے ساتھ ازبر تھیں۔

وہ اس لائق تھے کہ

ہمارے خیال میں ابو العلاء کی کتاب ''اللزومیات'' کی مشکل عبارت کی

وضاحت اور اس کی شرح لکھنے کے وہ زیادہ لائق تھے، ہم نے ان سے اس کی فرمائش بھی کی تھی لیکن ان کو اس کی فرصت نہ مل سکی۔ لغت کے علاوہ ان کو دیگر علوم مثلاً علم معانی بیان منطق تفسیر حدیث وغیرہ میں بھی کمال حاصل تھا۔

تدریس

جب وہ جامع کبیر اور مدرسہ رضائیہ میں پڑھاتے تھے، تو میں نے ان سے صحیح بخاری کتاب الحج تک پڑھی تھی۔ ان کا منظوم کلام سنجیدہ محکم اور حشو و زوائد سے خالی ہوا کرتا تھا۔ وہ خوبصورت روانی کے ساتھ بولا کرتے تھے۔ البتہ انہوں نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

وہ شعر اسی وقت کہا کرتے تھے جب ان سے اس کا تقاضہ کیا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے منظوم کلام کی حفاظت کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی جس کی وجہ سے ان کے اکثر منظوم کلام کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ان کے منظوم کلام کا جو حصہ محفوظ رہا، اس میں منطق کی کتاب ''الشمسیہ'' کا منظوم ترجمہ اور حدائق الرندفی ترجمۃ ترجیع بند کے نام سے حکمتوں، مواعظ، امثال اور حقائق پر مشتمل ایک کتاب ہے۔ اس کتاب کے بہت سے اشعار آج کل بطور استشہاد کے پیش کیے جاتے ہیں، اس کتاب کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

ذا ممل الضنع العجيب مكتب	تقرشه عن علم غيب تعرب
وفلك المشحونة المصائب	والناس فيها مثل حب ذاهب
ملتفما افراخه كالعفريه	وهو كوكدالطير واهي الأرويه
ومن يحقق يجد الأشياء	مناما اوخيالا اوهباءً
والمرء عن كسب اليقين عازب	والاعتقاد عن حجاه غائب
يارب ماهذه العناء واللدد	وحاجة المرء بكسرة تسد
لاعاصم من قدر السماء	بل كل شيء هدف القضاء
ولأصل ان يظهر مقدور الأزل	والخط والصواب في الناس علل

وکل تاثیر من الرحمن — لاحکم للأفلاک والازمان
سبحان من قد حیر العقلاء — بصنعہ واعجز الفحولا

ترجمہ ”عجیب مصنوعات کا یہ کارخانہ ایک مکتب ہے جس کے نقوش کسی علم غیب کے بارے میں خبر دیتے ہیں۔ مصائب سے بھری ہوئی یہ ایک کشتی ہے اس میں سوار لوگ ختم ہو جانے والی محبت کی طرح ہیں۔ عفریت کی طرح یہ اپنے بچوں کا لقمہ بناتی ہے اور یہ پرندے کے کمزور تاروں والے گھونسلے کی طرح ہیں۔

جو شخص غور و فکر کرے گا وہ اس دنیا میں پائی جانے والی چیزوں کو محض خواب و خیال اور غبار کے اڑتے ہوئے ذرات کی مانند پائے گا۔

آدمی یقین کی دولت حاصل کرنے سے دور ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتقاد اس کی عقل سے غائب ہے۔

اے رب! یہ مشقت اور مارے مارے پھرنا کیسا؟ انسان کی ضرورت تو روٹی کے ایک ٹکڑے سے پوری ہو جاتی ہے۔

آسمانوں کے فیصلوں سے بچنے والا کوئی نہیں ہر چیز ہی قضائے الٰہی کا ہدف ہے۔

قسمت میں جو لکھا ہے وہ تو مل کر ہی رہے گا لیکن صواب و خطا کی لوگوں میں بیماری ہے۔

جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب رحمٰن جل شانہ کی طرف سے ہے۔ افلاک اور زمانوں کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

وہ ذات ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، جس نے اپنی کاریگری سے عقلوں کو حیران اور سمجھداروں کو عاجز کر کے رکھ دیا ہے۔

مذکورہ نظم پہلی فصل میں ہے، چھٹی فصل میں وہ کہتے ہیں کہ

یفتر ورد والھزار ینتحب — یودی العلیل والطبیب یکتسب

وجیفة المیت الغنی مغتنم — ینتابھا العافون امثالرخم

نام الغریب فی تراب الذل — وارتفق الشری وساد الدل

چوتھا شعر کتاب میں واضح نہیں ہے البتہ پہلا مصرعہ واضح ہے۔

وازدھر الشمع بمجلس الطرب — اور شمع مجلس طرب میں روشن ہوئی

کالنرجس الثوم تبدی والبصل — والطیب قدخص بحبس ذی أزل

قدعزفی الدنیا الخسیس الجاھل — وعاش فی الذل الحسیب العاقل

ورب ذی جھل لدولة ملک — ورب ذی عقل للقمة ھلک

قدقبل الناس اللئیم المفسدا — ونابذوا الشھم النصیح المرشدا

کم فاضل لجاھل مسخر — وکم ادیب عنده محقر

اس کے بعد کا شعر بھی واضح نہیں ہے۔

سبحان من قدحیرا العقولا — بصنعه واعجز الفحولا

ترجمہ " گلاب کے پھولوں کی رونق ختم ہوگئی ہے اور خوشیوں سے چہچہانے والے پرندے موجود نہیں ہیں۔ مریض جاں بلب ہے اور طبیب کما رہا ہے۔ مالدار کا لاشہ گویا مال غنیمت ہے جس پر لوگ گدھوں کی طرح باری باری اتر رہے ہیں۔

غریب خاک ذلت میں سو رہا ہے اور مالداری اچھے حالات کا تکیہ بن گئی۔ لہسن اور پیاز کا راج ہے اور خوشبو کو دائمی قید کا حکم سنا دیا گیا ہے۔

گھٹیا اور جاہل شخص اس دنیا میں باعزت ہے اور سمجھدار عقلمند شخص ذلت کی زندگی گزار رہا ہے۔

کتنے ہی جاہل لوگ دولت کے مالک بن بیٹھے ہیں اور کتنے ہی عقلمند

لوگ ایک لقمے کو ترستے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے۔

لوگوں نے کمینے فسادی شخص کو قبول کر لیا ہے اور دانشور اور خیر خواہ

سیدھے راہ دکھانے والے کو پھینک دیا ہے۔

کئی فضلاء جاہلوں کے تابع ہیں اور کتنے ہی ادیبوں کو ان جہلاء کے

ہاں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی کاریگری سے عقلوں کو حیران اور

عقلمندوں کو عاجز کر دیا ہے۔ (نظم کا ترجمہ مکمل ہوا)

بہرحال اسی طرح کی بارہ فصلوں پر یہ کتاب مشتمل ہے اور ہر ایک فصل موتیوں اور قیمتی باتوں سے بھری ہوئی ہے اگر اس کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا منظوم کلام نہ بھی ہوتا تو صرف یہ نظم ہی ان کے فخر کے لیے کافی تھی۔

خلاصہ یہ کہ شیخ بشیر رحمۃ اللہ علیہ بڑے علماء کی ایک نشانی تھے۔ اپنے فنون میں وہ بڑے علامہ تھے۔ انہوں نے حلب میں اپنے بعد کوئی جانشین نہیں چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے اور ان کی قبر پر اپنی رضامندی کی بارش برسائے۔

شیخ بشیر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ختم ہوا۔ ان کے تذکرے کے ضمن میں شیخ بدوی کا کچھ تذکرہ بھی آ گیا ہے۔ میں نے یہ تذکرہ اپنے شیخ محمد ناجی ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے سن کر لکھا ہے۔

☆......☆......☆

علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۳ھ تا ۱۳۴۲ھ)

یہ امام عظیم محقق لغوی ادیب مضبوط علمی شخصیت علامہ سید ابوالمعالی محمود شکری آلوسی حسینی[1] بن عبداللہ ہیں۔

خانوادہ علم وشرف کے وہ چشم و چراغ تھے

مشہور مفسر فقیہ۔ اور اپنے ہمنام محمود شکری آلوسی کے پڑپوتے ہیں وہ خانوادہ علم و شرف کے چشم و چراغ تھے۔

ولادت

بغداد کے شہر "رصافہ" میں وہ سن ۱۲۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم

اپنے والد اور چچا نعمان خیرالدین آلوسی سے انہوں نے علم حاصل کیا، پھر کسی بغداد کی جامع صاعنہ کے مدرس شیخ اسمٰعیل بن مصطفیٰ سے پڑھتے رہے۔

تدریس

علم و معرفت میں کچھ کمال حاصل کرنے کے بعد کبھی اپنے گھر میں مسند تدریس کی صدارت کرتے رہے اور کبھی جامع عادلہ خاتون میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر جامع حیدر خانہ میں انہیں رسمی طور پر مدرس بنا دیا گیا۔

اس کے بعد ۱۳۱۰ھ مرجان میں تدریس کے ساتھ صدر المدرسین کے عہدے پر بھی فائز رہے۔

---

[1] آلوسہ کی طرف نسبت کر کے آلوسی بھی بولا جاتا ہے اور آلوی بھی آلوس صبور کے وزن پر ہے دیکھئے تاج العروس سہولت کی خاطر میں نے بغیر مد کے آلوی لکھ دیا ہے۔

تلامذہ

بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا جن میں سب سے زیادہ مشہور جلیل القدر علمی شخصیت ہمارے شیخ علامہ استاذ محمد بہجہ اثری ہیں۔

زندگی کے آخری ایام میں وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو کر تالیف اور تدریس میں مشغول ہو گئے تھے۔

زندگی کے آخری ایام

ان کے شاگرد اور ہمارے شیخ استاذ محمد بہجہ اثری ان کے جامع تذکرے پر مشتمل اپنی کتاب "محمود شکری الآلوسي و آرائوه اللغوية" میں کہتے ہیں کہ وہ تا حیات غیر شادی شدہ رہے۔ ان کی وفات سن ۱۳۴۲ھ ہے میں نے خود ان سے یہ کئی بار سنا۔ انہوں نے اپنے خوبصورت خط کے ساتھ مختصر طور پر مجھے یہ لکھ کر بھی دیا۔

ہمارے شیخ سید شریف ابو المعالی محمود شکری آلوسی غیر شادی شدہ تھے۔ انہوں نے نکاح پر علم کو ترجیح دی اور وہ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے دین کی طرف یکسو ہو کر زندگی گزارتے رہے۔

استاذ محمد بہجہ اثری کہتے ہیں

ہمارے شیخ اپنی کتاب محمود شکری آلوسی "و آرائوه اللغويه"[1] میں مزید کہتے ہیں جس طرز پر انہوں نے زندگی گذار کر یہ کمال حاصل کیا اور وہ اس طرز زندگی سے ہٹ جاتے تو زندگی ان کو طبعی تقاضوں نفسیات اور خواہشات کی طرف لے جاتی ہے، البتہ فطرتی طور پر ان کے دل میں معرفت کی محبت، علم کے لئے مکمل یکسوئی اور تمام دنیا کی خواہشات سے کنارہ کشی کا جذبہ راسخ تھا روح اور عقل کے توشے کے حصول میں وہ خود کو ہمیشہ محتاج سمجھتے تھے علم وادب اور زہد کے زیور سے خود کو آراستہ کرنے کی کوشش کرتے

[1] ۴۹

رہے۔

اس میں انہوں نے اپنی محنت فکر اور تمام توانائیاں لگا دیں اس چیز نے ان کو دیگر نفسانی خواہشات سے غافل کر دیا اس لیے وہ تا حیات غیر شادی شدہ رہے۔

نہ ان کے دل میں کبھی نسل بنانے کی فکر پیدا ہوئی اور نہ کوئی دوسری لذت کی اور نہ ہی انہوں نے کبھی کسی منصب کے حصول کی کوشش کی۔ دوسری جگہ استاد اثری کہتے ہیں[1]

اس شعبے میں کمال حاصل کرنے کے لیے انہوں نے خود کو تمام دنیاوی مشاغل اور قیود سے آزاد رکھا نہ شادی کی اور نہ کبھی نسل اور کسی منصب کی خواہش کی اپنی تمام تر کوششیں نیک عمل اور مفید کاموں کے انجام دینے میں صرف کر دیں[2]

عربیت اور علامہ آلوسی

اس کے بعد استاد اثری نے علامہ آلوسی کی عربی سے محبت، اس کی تدریس، تصنیف و تالیف کے اعتبار سے اس سے تعلق، اس کے دفاع اور عصر حاضر کے لوگ عربی زبان سے کیسے مستفید ہوں اس کے طریقے کو بیان کیا ہے۔

''سمتہ اللغویۃ'' کے عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں عربوں کی محبت کی وجہ سے آلوسی کو عربی سے محبت تھی ان کو عربوں سے دلی تعلق تھا۔

اپنے گھر اور ماحول میں عربی کے علوم اس کے شاندار خصائص اس کے زندہ اور مثالی نمونوں سے ان کو وہ تعلق تھا جس نے ان میں عربی کی شدید محبت اور ان کے سینے میں دبی چنگاری کو سلگا دیا۔

اور عربی کے یہ خصائص اور مثالی نمونے ہر عربی شخص کو ایسے ہی نہ ختم ہونے والے جوش سے نوازتے ہیں۔

---

[1] ص ۱۰۱

[2] استاذ اثری نے اپنی کتاب اعلام العراق ص ۱۴۳ پر بھی ان کے غیر شادی شدہ ہونے کو بیان کیا ہے۔

عرب اور عام مسلمانوں کی زندگی میں عربی زبان کی جو اہمیت ہے اس سے گہری واقفیت کی وجہ سے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان ان کی سوچ زندگی اور جدو جہد کا ایک لازمی جز بن کر رہ گئی تھی۔

ادبی فنون اور زبان کے علوم، یہ ایسا اعلیٰ مشغلہ ہے جو اس قابل ہے کہ اس میں فرصت کے اوقات صرف کیے جائیں۔ اور کسی انسان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس کے حصول سے پیچھے رہے۔

اس بات کی تائید میں وہ کہا کرتے تھے کہ عربوں کی دلی محبت اور ان کی زبان کی خدمت کو اعلیٰ عبادت سمجھنے میرے عزم اور ارادے کی آنکھ کو بیداری اور قوت بخشی ہے۔

اس کے بعد استاد اثری، اپنی بات کی دلیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں اس بات کی دلیل یہ ہے کہ عربی اور اس کے متعدد علوم میں لکھی گئی کتابوں کے حصول میں انہوں نے بقدر استطاعت خوب جستجو کی۔

وہ ایسی کتابوں پر بھی جھکے رہے جن سے عربی علوم میں لکھی گئی کتابوں پر کامیابی ہو سکتی تھی۔

ایک عرصے تک عربی کے کمال اور اس کی رونقوں سے لطف اندوز ہوتے رہے، اس کے پوشیدہ اسرار میں مہارت حاصل کرتے رہے اور اس کے فلسفے کی گہرائی میں غوطے لگاتے رہے۔

انہوں نے عربی کی طویل ڈکشنریاں کئی بار پڑھیں اور اس میں ان کو پوری لذت ملتی تھی۔

''لسان العرب'' جو کہ بیس جلدوں پر مشتمل کتاب ہے اس کو انہوں نے ترتیب کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک غور وفکر کے ساتھ تین بار پڑھا تاکہ مفردات کی ہیات ان کے ذہن میں نقش اور ان کی لغوی حس میں گہرائی آجائے۔

اور شاید ان کی پڑھی ہوئی کتابوں میں سب سے آسان "لسان العرب" تھی جس کو انہوں نے اپنی عمر میں بالاستیعاب پڑھا اور یہ سب کچھ ان کے اس عشق کی وجہ سے تھا جس نے ان پر غلبہ حاصل کر کے ان کو اس زبان اور اس کے پیش کردہ تہذیب و تمدن کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

عربی سے عشق

وہ جب دیکھتے تو اسی زبان کی طرف دیکھتے حالانکہ وہ مشرق کے ذوزبان فارسی اور ترکی کے باذوق عالم تھے۔

وہ اپنی زبان حال سے ذورمہ کا یہ شعر پڑھتے تھے۔

وانی متی اشرف علی الجانب الذی　　　به أنت من بین الجوانب ناظر

ترجمہ "میں جب جھانکتا ہوں تو تمام اطراف سے نظریں ہٹا کر اس جانب دیکھتا ہوں جس جانب تم ہوتی ہو۔

عبدالفتاح کہتے ہیں کہ اس عجیب صبر پر اللہ انہیں جزائے خیر دے اس لیے کہ بہت کم علماء ایسے ہیں جو "لسان العرب" کے کسی مادے کو مکمل پڑھتے ہوں گے کیونکہ اس کے مصنف ایک ہی مادے اقوال اور عبارات بار بار نقل کر کے بہت زیادہ طویل کر دیتے ہیں چنانچہ اتنی طویل کتاب کو علامہ آلوسی کا تین بار غور و فکر سے پڑھنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کو عربی سے محبت عشق اور اس کا ذوق تھا اور اس میں انہیں لذت ملتی تھی۔

ورنہ اگر ایسا نہ ہوتا تو بیس جلدوں کا تین بار پڑھنا تو بڑی دور کی بات ہے وہ اس بڑے صحیفے سے ایک جلد بھی نہ پڑھ سکتے۔

ان کی کتابوں اور لغوی آثار میں اگر اس بات کے واضح دلائل اور قطعی ثبوت نہ ہوتے تو "لسان العرب" کو تین بار پڑھنے کی اس خبر کو مبالغہ آمیزی سمجھ کر رد کر دیا جاتا۔

"اعلام العراق" ص ۱۳۰

وقت کی قدر و قیمت

استاد اثری ان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں وقت کی ان کے ہاں بڑی قدر و قیمت تھی، ایک لمحہ بھی ضائع کرنا ان کو گوارا نہ تھا، بحث و مباحثہ، تحقیق، کتابت اور مطالعہ میں وہ قوی اور باہمت تھے۔ اکتاہٹ اور سستی نام کی کسی چیز سے ان کی واقفیت نہ تھی۔ جتنا ممکن ہوتا آج کے کام کو کل پر نہ چھوڑتے۔ ایک کام سے فارغ ہوتے ہی فوراً دوسرا کام شروع کردیتے تھے۔

ان کو کوئی کتاب جب اچھی لگتی تو اگرچہ وہ کتنی ہی جلدوں پر مشتمل ہوتی اس کا بار بار مطالعہ کرتے۔

بلوغ الأرب فی احوال العرب

عربی اور اس کے علوم سے علامہ آلوسی کے اس انوکھے عشق سے واقفیت کے بعد ان کو وہ بے مثال کمال جو ان کی تین جلدوں میں عجیب اور اپنے موضوع پر منفرد کتاب "بلوغ الارب فی احوال العرب" کے صفحات میں نمایاں ہے، ہمارے سامنے واضح ہو کر آجاتا ہے۔

دیگر تصنیفات

ان کی دیگر شاہکار تصنیفات میں ایک "لعب العرب" ہے۔

سن ۱۳۲۶ھ میں "لسان العرب" پڑھنے کے دوران اس میں عربوں کے جو جو کھیل آتے گئے اس کو انہوں نے اپنے اس لطیف رسالے میں جمع کیا ہے۔ اسی سال انہوں نے "لسان العرب" سے علم عروض کی اصطلاحات نکال کر ان کو ایک رسالہ بنام "المفروض من علم العروض" میں جمع کیا۔

اسی طرح چالیس صفحات پر مشتمل ایک رسالہ "المسفر عن المیسر" ہے۔

اس کے علاوہ ان کا ایک اور رسالہ بنام "رسالة المسواک" بھی ہے جس میں انہوں

نے ان لکڑیوں کو ذکر کیا ہے جن سے عرب مسواک کیا کرتے تھے۔

علوم عربیہ میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ان کی اور بھی کتابیں ہیں جیسے ''ما اشتملت علیه حروف المعجم من الدقائق و الحقائق و الحکم'' ''الجواب عما استبهم من الأسئلة المتعلقة بحروف المعجم'' ''الضرائر وما یسوغ للشاعر دون الناثر'' ''تصریف الافعال'' ''الجواهر الثمین فی بیان حقیقة التضمین'' ''النحت و بیان حقیقته وقواعده'' ''اتحاف الأمجاد فیما یصح به الاستشهاد'' ''شرح'' ارجوزة تاکید الألوان'' ''شرح منظومة العطار'' ''فی فن الوضع من فنون اللغة العربیة'' اور ''فتاوی لغویة ونحویه'' اور اس کے علاوہ ان کی دیگر اپنے موضوع میں منفرد کتابیں ہیں۔

مغربیوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا

تصنیف وتالیف میں ان کے کمال اور ملک سویڈ اور ناروے کی جانب سے دیئے گئے انعام کا ذکر کرتے ہوئے استاد اثری کہتے ہیں کہ اپنی علمی زندگی کے ابتدائی مرحلے میں جبکہ ان کی عمر تیس سال تھی۔ تصنیف وتالیف میں ان کے کمال کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ اس عمر میں انہوں نے اپنی بڑی کتاب ''بلوغ الادب فی احوال العرب'' لکھی اس کتاب نے ملک سویڈ و ناروے کی جانب سے منعقدہ تصنیفی مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور یہ ایسی کامیابی تھی جس کے ذریعے نوجوان آلوسی نے عرب کی عبقریت کے نئے آثار چھوڑے اور مغربیوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

اپنی اس کامیابی سے انہوں نے قدرت کی عربوں کی نسلوں پر جو ہمیشہ سے نوازشات تھیں ان سے اہل مغرب وغیرہ کو روشناس کرایا۔

یورپ سے انعام لینے والے پہلے عرب

عربوں کے اہل مغرب کے ساتھ اس دور کے اتصال کی تاریخ میں آلوسی پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنے علمی کمال پر یورپ سے انعام حاصل کیا۔

تاریخ عرب کے موضوع پر منعقدہ اس تصنیفی مقابلے کا اعلان سن ۱۳۰۲ھ میں کیا گیا۔

آلوسی نے مقابلے کی آخری تاریخ سے پہلے ہی اپنی کتاب جمادی الاول کے شروع میں سن ۱۳۰۴ھ میں مکمل کر لی۔

سونے کا تمغہ

اس مقابلے میں جیسا کہ کونت کرلو دپی لند برج نے آلوسی کی طرف لکھے گئے اپنے خط میں ذکر کیا ہے، مصر، شام، عراق وغیرہ بہت سے مشرقی اور مغربی ممالک کی کتابیں پیش کی گئیں جن کا مقابلے کے کئی اجلاسوں میں باریکی سے جائزہ لیا گیا اور کافی بحث وتمحیص کے بعد تمام شرکاء کے متفقہ اعلان سے آلوسی کی کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی جس پر مؤلف کتاب کو سونے کا تمغہ انعام دیا گیا۔ اس کے بعد ملک ا۔ کا رسوید کے خرچ پر کتاب کی طباعت کا اعلان کیا گیا۔

علوم دین میں ان کی تصنیفی خدمات

عربی کے علوم میں آلوسی کے کمال اور اس موضوع پر ان کی تالیفات کا یہ مختصر تعارف اس کے علاوہ علوم دین وشریعت اور تاریخ کے موضوع پر ان کی تصنیفات اس سے بھی زیادہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کرنے والی کتابوں نے ان کی تصنیفات کی تعداد پچاس سے زائد بتائی ہے۔ طوالت کے خوف سے ان کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔[۱]

☆......☆......☆

---
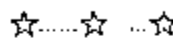
[۱] ان کا تذکرہ ان کتابوں سے لیا گیا ہے، "محمود شکری الالوسی و آراؤہ اللغوی" "اعلام العراق" یہ دونوں کتابیں ہمارے شیخ محمد بہجہ اثری کی ہیں۔ یونس سامرائی کی کتاب "تاریخ علماء بغداد"

ابوالوفاء خلیل خالدی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۲ھ تا ۱۳۶۰ھ)

باکمال علامہ فقیہہ قاضی باخبر فاضل شیخ ابوالوفاء خلیل خالدی جو کہ جلیل القدر صحابی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔

ہمارے شیخ علامہ محدث عبدالحفیظ فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سفر مغرب کے دوران جب شہر فاس کا دورہ کیا تو وہ شیخ خلیل سے ملے اور ان سے پڑھا بھی۔

انہوں نے اپنے شیوخ کے تذکروں پر مشتمل اپنی کتاب ''ریاض الجنۃ''[1] میں ان کا سب سے مفصل تذکرہ پیش کیا ہے وہ کہتے ہیں

نسب خلیل جواد بن بدر بن مصطفیٰ بن خلیل بن محمد صنع اللہ بن خلیل بن قاضی شرف الدین بن عبدالقادر بن طہ بن صالح بن یحیٰ بن قاضی القضاۃ محمود نجم الدین ابو البرکات دیری[2] بن زین الدین بن عبدالقادر بن زین الدین عبداللطیف بن شمس الدین بن شیخ الاسلام قاضی القضاۃ محمد بن عبداللہ بن سعد بن ابی بکر بن صالح (صحیح لفظ مصلح ہے جیسا کہ دیگر کتابوں میں ہے) بن علی بن جعفر بن مصلح بن غانم بن اوفی بن سلیمان بن جعفر بن محمد بن جلیل القدر صحابی مشہور فاتح اللہ کی نیام نکالی ہوئی تلوار بنو مخدوم کے شیر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مخزومی مقدسی جو کہ اصحاب علم و دانش میں سب سے زیادہ باخبر اور علم کی

---

[1] ۲/۲۷۔۲۹

[2] خلیل خالدی کے تذکرے میں اس نسبت دیری کی تحقیق میں دو ماہ سے زائد عرصہ تک کرتا رہا، اس سلسلے میں میں نے فلسطین کے جلیل القدر فضلاء کی طرف خطوط لکھ کر ان سے اس نسبت کی بابت سوال بھی کیا لیکن مجھے اس طرف سے بھی اس لفظ کی تفسیر نہیں ملی۔ دو ماہ کی محنت کے بعد اللہ نے اس نسبت کی تفسیر کی طرف میری رہنمائی کی اور یہ ان کے انیسویں دادا محمد بن عبداللہ بن سعد بن ابی بکر بن مصلح کی طرف نسبت ہے۔ حافظ زبیدی ''تاج العروس'' ۳/۲۲۱ پر کہتے ہیں دیر نابلس کے قریب واقع ایک بستی ہے۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن سعد بن ابی بکر بن مصلح

طلب میں بہت زیادہ سفر کرنے والے طالب علم اور عجیب حافظے کے مالک شخص تھے۔

کنز الدقائق انہیں زبانی یاد تھی

فقہ حنفی کی کتاب "کنز" انہیں زبانی یاد تھی۔ ملکہ تامہ اور قوی ادراک کے مالک تھے۔

بن ابی بکر بن سعد قاضی شمس الدین دیری اور ان کے خاندان کا تعلق اسی بستی سے ہے۔ مجیر الدین علمی حنبلی اپنی کتاب "الانس الجلیل فی تاریخ القدس و الخلیل" میں خلیل خالدی کے اسی دادا دیری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن جمال الدین عبداللہ بن سعد بن عبداللہ بن مصلح دیری خالدی عبسی حنفی نابلس کے شہر "مردا" کی بستی دیری طرف نسبت کرکے ان کو دیری کہا جاتا تھا اور حجاز کے ایک عرب قبیلے بنی عبس کی طرف نسبت کرکے انہیں عبسی کہا جاتا تھا۔ سن ۷۵۰ھ کے حدود میں ان کی ولادت ہوئی۔ بیت المقدس کو انہوں نے اپنا وطن بنایا۔

ان کا شمار جلیل القدر علماء میں ہوتا تھا۔ سن ۸۱۹ میں وہ مصر کے قاضی بنے تو ان کی خوب شہرت ہوئی۔ سن ۸۲۷ھ میں وہ دوبارہ بیت المقدس کی طرف لوٹے اور پھر یہیں پر ان کا انتقال ہوا۔ علمی نے ان کے تذکرے میں طوالت سے کام لیا ہے۔ ان کے وہ بیٹے اور پوتے جو علماء اور قاضی رہے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دیری کی اولاد بھی کئی زمانوں تک علم اور قضاء کی وارث رہی ہے۔ لکھنوی نے "الفوائد البہیۃ" ص ۷۹/۸۰۔۱۷۸ پر ان حضرات کے تذکرے میں اس کتاب سے مدد لی ہے۔

استاذ زرکلی "اعلام" ۳/۸۷ پر دیری کے بیٹے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں سعد بن محمد بن عبداللہ بن سعد بن ابی بکر بن مصلح ابوالسعادات کنیت سعد الدین لقب نابلسی، مقدسی اور حنفی ہے۔ ایک عرصہ تک قاہرہ میں رہے۔ ابن دیری کے نام سے مشہور تھے، فلسطین میں خاندان خالدیہ کے دادا تھے۔

پہلے گزر چکا ہے کہ اس خاندان کے دادا ان کے والد تھے۔ بیت المقدس میں سن ۷۶۸ میں پیدا ہوئے۔ نابلس کے شہر "مردا" کی بستی دیر کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے۔ ۸۴۲ھ سے لے کر ۲۵ سال تک وہ مصر میں احناف کے قاضی رہے۔ بینائی کمزور ہونے کے بعد اس عہدے سے علیحدہ ہوگئے۔ ۸۶۷ھ میں مصر میں انتقال فرمایا۔

علوم ادب

لسانیات اور علوم ادب میں ان کو گہری واقفیت حاصل تھی اس کے ساتھ وہ بلیغ انشاء پرداز بھی تھے۔ مشرق کے اکثر مدرسوں میں پڑھتے رہے، کتابوں کے صفحات میں جو نفیس کلمات، علمی آثار اور ذخیرے بکھرے ہوئے تھے، ان سب کا انہوں احاطہ کر لیا تھا۔
آئمہ کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی بہت سی کتابوں کا ایک ذخیرہ ان کے پاس محفوظ تھا۔
بہت زیادہ ہمت والے انسان تھے، مشرقی ممالک سے جتنے لوگ ہمارے پاس آئے، ان میں میں نے ان سے زیادہ باہمت کسی اور کو نہیں دیکھا۔

استغناء

ارباب حکومت کے در پر انہوں نے کبھی قدم نہیں رکھا اور نہ ہی ان کے عطایا اور ان کی عزت واکرام کی طرف کبھی نظر اٹھائی۔ بڑے بڑے علماء کی زیارت اور ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابوں میں بکھرے نفیس کلمات کی جستجو ہی ان کی سب سے بڑی تمنا تھی۔

منصب قضاء

سن ۱۳۱۹ھ میں حلب کے قاضی بنے اور رمضان ۱۳۲۱ھ تک اس منصب پر فائز رہے اور پھر معزول کر دیئے گئے۔

علمی اسفار

معزولی کے بعد مشرقی ممالک میں پھرتے رہے، اسی سال چھ ذوالقعدہ کو وہ مغرب اقصیٰ میں واقع شہر ''فاس'' میں داخل ہوئے۔ یہاں سے پھر مکناس۔ زیتون کی طرف سفر کیا۔ وہاں سے واپسی پر نصف ربیع الاول ۱۳۲۲ھ تک اپنے گھر میں رہے۔ پھر شہر ''طنجہ'' کا سفر کیا۔ وہاں سے ''اندلس'' کے سفر پر روانہ ہوئے۔ اندلس سے دوبارہ ''طنجہ'' آئے، پھر یہاں سے مغربی طرابلس کے راستے پر سفر شروع کیا۔ شام اور ترکی کے طویل سفر کے بعد وہ سات جمادی الثانی ۱۳۲۳ کو آستانہ علیہ میں پہنچے اور پھر ذوالحجہ کے شروع

تک یہاں رہے۔

قالقاندلس میں عہدہ قضاء

یہاں پر انہیں قالقاندلس کا قاضی بنایا گیا۔ قالقاندلس ایک لاکھ انسانوں کی آبادی پر مشتمل ترکی روم کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ پیداوار اور آبی ذخائر میں یہ شہر ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔ اسی شہر کو انہوں نے اپنی جائے مسکن بنایا۔

یہاں سے ہمارا ان سے رابطہ منقطع ہو گیا، وہ قدس شریف کے مشہور اور بڑے علماء میں سے تھے۔ مصر اور دار الخلافہ کے بہت سے اساتذہ سے پڑھتے رہے۔

اساتذہ

شیخ الاسلام عبدالرحمٰن شربینی مصری شافعی شیخ محمد اسعد مقدسی شافعی سن ولادت ۱۳۱۷ھ حکیم الاسلام اور فلسفی سید جمال الدین افغانی (آستانہ عالیہ میں سن ۱۳۱۴ میں وفات پائی) شیخ محمد عاطف رومی اسلامبولی (سن وفات ۱۳۱۶ھ) اور ہمارے شیخ ابوالفضل جعفر کتانی وغیرہ نے ان کو درس وتدریس کی اجازت دی۔

تصنیفات

''الاختیارات الخالدیہ'' کے نام سے انہوں نے تمیں کا پیوں پر مشتمل ایک کتاب ادب میں لکھی۔

اصول فقہ کی تعریفات میں بھی ان کی ایک کتاب ہے، اسی طرح حروف اور افعال کی وضع میں بھی ان کی ایک کتاب ہے، اسی طرح جامع منصوبہ بندی میں بھی ان کی ایک کتاب اور اس کے علاوہ ان کی دیگر تصنیفات ہیں، میں نے ان سے بلاد مغرب اور اندلس کا سفرنامہ لکھنے کا کہا تھا[1]

---

[1] عبدالفتاح کہتے ہیں کہ زرکلی کی کتاب ''اعلام'' ۲/ ۳۱۷ پر ان کے تذکرے میں یہ عبارت موجود ہے۔

شہر فاس میں

ہمارے ہاں جب وہ آئے تو میں ان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ انہوں نے مجھ سے استفادہ کیا۔ اس سے زیادہ میں نے ان سے استفادہ کیا۔

اس سفرنامے کا مسودہ اندلس نے شہر اشبیلہ کے قصر کی غیاد میں سن ۱۳۵۱ھ میں موجود تھا۔ اسی طرح سن ۱۳۶۰ھ میں مصر میں استاذ احمد خیری کو ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اجازت نامے کی کاپی بھی موجود ہے۔

اسی طرح کا ان کے ہاتھ سے لکھا ہوا اجازت نامہ جو ۱۳۵۷ھ میں انہوں نے قاہرہ میں شیخ علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام بھی بھیجا جو درج ذیل ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

وصلى الله على سيدنا محمد و آله و صحبه وسلم اما بعد!

شام مصر مغرب اور روم کے اپنے تمام شیوخ سے میری جتنی بھی منظوم منثور منقولی اور معقولی مرویات اور مسموعات ہیں، ان سب کی اجازت میں عالم، فاضل، دانشمند، کامل، ادیب، استاذ اور نقاد محمد یوسف بن سید محمد زکریا بن سید مزمل شاہ بن میر احمد شاہ بن سید میر موسیٰ بن سید غلام حبیب بن سید رحمۃ اللہ بن سید یحییٰ بن سید محمد اولیاء بن عارف محقق سید آدم بنوری مدنی کو دیتا ہوں۔ خاص طور پر موطا کی۔ اس میں میری سند عالم اندلس قاضی ابوالولید باجی تک ہے، اسی طرح فقہ حدیث کی معتبر کتابیں جیسے طحاوی کی "شرح الآثار" ابن عبداللہ کی "التمهيد" اور "الاستذكار" قاضی ابوالولید کی "المنتقى، شرح الموطا" ابن قدامہ کی "المغنی" اور اس طرح کی دیگر کتابوں کی بھی خاص طور پر ان کو اجازت دیتا ہوں۔

اپنی دعاؤں میں مجھے نہ بھولنے کی ان سے درخواست کرتا ہوں۔ کتبہ "الفقير الى عفو الله و رحمته خليل بن بدر بن مصطفى بن خليل خالدى مقدسى مصليا على النبى و آله"

شیخ خلیل خالدی سے میری پہلی ملاقات مکتبہ دار الکتب المصریہ قاہرہ سن ۱۳۵۷ھ میں ہوئی۔ دوسری بار قاہرہ میں ہماری رہائش گاہ میں وہ تشریف لائے، تب ملاقات ہوئی۔ اس بار انہوں نے مجھے اپنے علوم کی اجازت بھی دی اور تیسری بار علامہ بحاثہ اور نقاد زاہد کوثری کی قاہرہ میں واقع رہائش گاہ پر ان کی زیارت ہوئی۔

انہوں نے مجھ سے اہل مغرب کی تاریخ، شہر فاس کے گھر اور ان میں رہنے والے خاندان، وہاں کے علماء کے تذکروں اور وہاں کی حکومت کی سیاست وغیرہ کے متعلق معلومات لکھیں۔

شیخ عبدالحفیظ فاسی کو دیا گیا اجازت نامہ

میرے اجازت طلب کرنے پر انہوں نے مجھے محرم الحرام کے آخری ہفتے میں اپنے علوم کی عام اجازت دی۔

اس کے بعد قاالقاتدلس میں سکونت اختیار کرنے کے بعد وہاں سے انہوں نے میری طرف یہ اجازت نامہ ارسال کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ امام المرسلین سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ آلہ و صحبہ اجمعین! اما بعد۔

اللہ کی مغفرت اور رحمت کا محتاج بندہ خلیل جواد بن (اپنے رب کی رحمت کے محتاج) بدر بن مصطفیٰ بن خلیل بن محمد بن خلیل بن محمد صنع اللہ بن خلیل بن شرف الدین خالدی دیری اور مقدسی اللہ سب کی مغفرت فرمائے عرض کرتا ہے کہ

میں تفسیر حدیث، سیر کلام، فقہ اصول، خلاف جدل، مناظرہ، وضع صرف، اشتقاق نحو، بیان، معانی، بدیع عروض منثور اور منظوم میں سے اپنی تمام مسموعات اور مرویات کی باکمال، فاضل، منفرد اور کامل استاذ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے والے میرے سردار فقیہہ عبدالحفیظ بن سیدی بابرکت شخصیت طاہر فہری فاسی نفع اللہ بہ دیاباہ کو اجازت دیتا ہوں، خاص طور پر میری وہ مرویات اور مسموعات جس کو میں اپنے شیخ اور استاذ شیخ الاسلام مفتی الاعلام صدر الصدور العظام استاذ الشرق امام سیدی محمد اسعد مقدسی سے اور علامہ بقیۃ السلف مقتدائے خلف سیدی شیخ عبدالرحمٰن شربینی

شافعی شیخ الشیوخ بالجامع الازہر (اقتدار کو علم کیساتھ آباد رکھے) سے اور صدر الافاضل مختلف فضائل و علوم کے جامع روم کے علامہ سیدی محمد بن سیدی عبدالرحمن رومی سے نقل کرتا ہوں۔ ان کی میں ان کو اجازت دیتا ہوں، اسی طرح ہر وہ علمی بات جس کو میرے حوالے سے نقل کرنا صحیح ہو بشرط اہلیت اس کی میں ان کو اجازت دیتا ہوں۔

میں اپنے آپ اور ان کو اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، میری ان سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اپنی مقبول دعاؤں میں یاد رکھیں۔

اللہ ہمیں اور ان کو جو اس نے ہمیں سکھایا ہے، اس سے نفع دے، اپنے حقوق واجبہ کی ادائیگی میں ہماری مدد فرمائے اور اپنی مخلوق میں سے کسی کیلئے ہمارے دل میں رہبانیت نہ ڈالے اور ہماری پریشانیاں ہمیں اس سے غافل نہ کریں۔ بے شک وہ جو چاہتا ہے، اس کے کرنے پر قدرت رکھتا ہے، وہی دعا کو قبول کرتا ہے۔

ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم وصلى الله على سيدنا و مولانا محمد و آله و ازواجه و ذريته و صحبه وسلم تسليما۔

اس کو خلیل خالدی نے اپنے فانی ہاتھ سے رجب سن ۱۳۴۲ھ میں لکھا ہے۔

ولادت

سن ۱۲۸۲ھ رمضان المبارک کے آخر میں قدس میں ان کی ولادت ہوئی۔ یہ ہے علامہ خلیل خالدی کا وہ تذکرہ جس کو ہمارے شیخ عبدالحفیظ نے ذکر کیا ہے۔

بقیہ تعلیم

قدس اور مصر میں بھی وہ پڑھتے رہے۔ مدرسۃ القضاء الشرعی استنبول سے بھی انہوں نے سند فراغت حاصل کی۔ وہ حنفیہ کے مشہور فقہاء میں سے ایک تھے۔

سیرت اور صورت

ان کا قد لمبا تھا، وہ سخی، شریف، متواضع اور نرم مزاج انسان تھے۔ ایک مالدار اور پاکدامن شخص تھے۔

عہدے

خلافت عثمانیہ کے بہت سے شہروں میں قاضی کے عہدے پر فائز رہے۔ استنبول کے "دار المشیخۃ الاسلامیہ" کی مجلس تدقیق المصاحف والمؤلفات کے بھی رکن رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں قدس کے "محکمۃ الاستیناف" کے رئیس بنا دیئے گئے مگر بعد میں اس عہدے سے مستعفی ہوگئے تھے۔ علاوہ ازیں دمشق میں "المجمع العلمی" کے بھی وہ رکن رہے۔

نادر مخطوطہ کتابوں اور مکتبات سے ان کی واقفیت

نادر مخطوطہ کتابوں اور ان کے مکتبات سے جیسا کہ گزر چکا ہے وہ سب سے زیادہ واقف تھے۔

مخطوطات کی کتابوں سے واقفیت کیلئے دنیا بھر میں پھیلی ہوئی لائبریریوں کو جا جا کر کھنگالتے رہے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف سفر کرنے سے اکتاتے نہ تھے۔ سفر کی تھکاوٹوں اور اجنبی شہروں میں رہنے کی مشقتوں کو برداشت کیا کرتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ مخطوطات سے واقفیت ہی ان کا سب سے بڑا شوق تھا، اس کی محنت میں فرحت اور لذت پاتے اور اس کو سب سے زیادہ افضل سمجھتے تھے۔

مخطوطات اور ان کی لائبریریوں سے واقفیت میں ان کی شخصیت عجیب وغریب تھی۔ وہ ہر قسم کی نادر اور نفیس مخطوطے کی کتاب اس کے مکتبہ اور اس کے نسخوں کی تعداد کے بارے میں خوب جانتے تھے۔

ایک یادداشت

پچاس اجزاء پر مشتمل ان کی ایک یادداشت ہے، جس میں انہوں نے ان کتابوں اور ان مکتبات کو ذکر کیا ہے جن کے بارے میں ان کو معلومات تھیں۔

کتابوں سے عشق

مصر میں زندگی کے آخری ایام میں بڑھاپے کی حالت میں ہونے کے باوجود وہ کتابوں کو اگرچہ وہ بھاری ہوتی تھیں اپنی آستین یا بغل کے نیچے رکھا کرتے تھے اور اس عمل میں وہ فرحت محسوس کیا کرتے تھے۔ اس پر ان کی توجہ بہت تھی، ان کتابوں کی شرف اور علمی قدر و قیمت کے ساتھ وہ خود کو بھی باوقار رکھا کرتے تھے۔

علامہ احمد تیمور پاشا سے دوستی[1]

علامہ احمد تیمور پاشا کے وہ گہرے دوست تھے۔

سادگی

خود کو بنا سنوار کر رکھنے کا ان کا اہتمام نہ تھا حالانکہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی کشادہ تھا۔ اس لیے اس کا اہتمام نہ کرنا بخل یا کنجوسی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ علم اور کتابوں کے مطالعے کی مشغولیت کی وجہ سے تھا۔ کسی وجہ سے جب ان کو مطالعہ سے رکنا پڑتا تو وہ اپنی جیب میں موجود کاغذات یا نقدی کو کتاب میں نشانی کے طور پر رکھ دیتے تھے۔[2] اس

---

[1] یہ بات میں نے استاذ حسام الدین قدسی سے سنی ہے۔

[2] قدیم علماء اس چیز سے منع کیا کرتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ اپنی کتاب کو بوق اور صندوق نہ بناؤ۔ بوق کا مطلب یہ ہے آپ کتاب کو لپیٹ کر اس کو بگل کی طرح بنا دیں، پھر جب آپ اس کو کھولیں تو اس کا کچھ حصہ یوں ہی گھوما ہوا رہے، یوں کتاب جلد پھٹ جائے گی اور کتاب کو صندوق بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس میں صندوق کی طرح چیزیں رکھنا شروع کر دیں، اس سے منع اس لیے کیا گیا کیونکہ آپ کتاب میں جب کوئی چیز رکھیں گے تو بعد میں اگر آپ اس کے رکھنے کی جگہ بھول جائیں گے تو اس طرح وہ چیز ضائع ہو جائے گی۔ مترجم روئی عرض کرتا ہے کہ ہمارے ہاں اس چیز سے اس لیے روکا جاتا ہے کیونکہ اس میں کتاب کی بے ادبی ہے۔

وجہ سے ان کی بعض کتابیں، کاغذات اور کم وبیش دراہم کے صندوق ہوا کرتے تھے۔

عجیب وغریب

مالدار ہونے کے باوجود تاحیات وہ غیر شادی شدہ رہے، زندگی کے آخری ایام میں ان کے اہل خانہ نے ان سے شادی کرنے کا اصرار کیا لیکن انہوں نے نہ مانا لیکن جب ان کا اصرار حد سے بڑھا تو وہ راضی ہوگئے۔ اہل خانہ نے ان کیلئے ایک رشتہ دیکھا اور ان کی شادی کرا کے لڑکی ان کے حوالے کر دی گئی۔ انہوں نے اپنی دلہن اور اپنے اہل خانہ میں سے جو اس کو لے کر آئے تھے، ان کا استقبال کیا۔

اس کے بعد وہ اپنی دلہن سے اجازت لے کر کسی کتاب کے مطالعے کیلئے اپنے کتابوں کے کمرے میں چلے گئے، مطالعہ میں ایسے مستغرق ہوئے کہ دلہن انتظار ہی کرتی رہ گئی۔

ان کو جب یاد کرایا گیا کہ آپ کی دلہن آپ کا انتظار کر رہی ہے تو ان کا جواب تھا۔ ''میں مصروف ہوں'' اس کے بعد اس کو طلاق دے دی اور غیر شادی رہنے کا اعزاز اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

حالانکہ دلہن ان کے گھر میں داخل ہوچکی تھی اور وہ ان کی چھت کے نیچے آنکھوں کے سامنے اور ہر ایک چیز سے زیادہ قریب آ گئی تھی لیکن علم اور اس کے مسائل کے ساتھ جو تعلق اور اس کے لیے قربانی کا ان کے دل میں جو جذبہ تھا وہ دلہن اور اس کی زیب وزینت کے ساتھ تعلق سے زیادہ قوی تھا۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے، ان کے دل میں کس قدر علم کی قدر وقیمت تھی، علم کے عشق اور ہر چیز پر اس کو مقدم رکھنے کے جذبے کے ساتھ وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اللہ اس کے بدلے جنت میں انہیں حورعین عطا فرمائے۔ سن ۱۳۶۰ھ میں قاہرہ میں ان کا انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ[1]

---

1 استاد حسام قدسی کے حوالے سے جو خبر گزری وہاں سے لے کر یہاں تک مجھے استاذ فاضل محمد تمر خطیب نے بتایا ہے علماء فلسطین میں سے وہ شیخ کے جاننے والے تھے

وفات اور مدفن

ہمارے شیخ علامہ عبدالحفیظ فاسی کی کتاب "ریاض الجنۃ" کے حاشیے میں "استاذ احمد خیری" شیخ خلیل خالدی کے تذکرے کے آخر میں کہتے ہیں۔

بروز بدھ دس رمضان سن ۱۳۶۰ھ کو شیخ خلیل خالدی ایک معمولی مرض کے بعد قاہرہ میں سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔ اگلے دن بروز جمعرات گیارہ رمضان کو باب النصر کے مقبرے میں ان کو دفن کیا گیا۔

وہ حنفی المذہب تھے مگر امام مالک کے مذہب کے مطابق عبادت کیلئے گوشہ نشینی کو انہوں نے اختیار کیا۔

پہلی عالمی جنگ کے بعد

پہلی عالمی جنگ کے بعد ترکی سے وہ واپس لوٹے اور فلسطین کی شرعی عدالت عالیہ کے رئیس بنادیے گئے، کچھ عرصہ بعد اس عہدے سے دور یٹائر ہوگئے۔

ترکی سے لوٹنے کے بعد انہوں نے شادی بھی کی لیکن پھر طلاق دے دی اور اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اس سے پہلے انہوں نے کوئی شادی نہیں کی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ کتبہ احمد خیری ۱۵/۵/۱۳۸۰ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ اس سے قبل جو میں نے ان کے غیر شادی شدہ ہونے کے متعلق لکھا ہے۔ استاد احمد خیری کی یہ بات اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ شادی کے بعد بیوی اگرچہ ان کے حوالے کردی گئی تھی لیکن ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پہلے ہی انہوں نے ان کو طلاق دے دی اور غیر شادی شدہ رہنے کے اعزاز کو انہوں نے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

دیکھئے ان کا تذکرہ

ہمارے شیخ علامہ محدث عبداللہ الصدیق نے اپنی سوانح حیات "سبیل التوفیق

---

۱ ۴۹/۲

فی ترجمة عبدالله بن صدیق[1] ''میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے علوم کی اجازت مانگی تو انہوں نے دے دی۔ مصر میں میں نے ان سے کئی ملاقاتیں کیں۔ اس کے بعد شیخ عبداللہ نے ان کے علم وفضل مخطوطہ کتابوں سے ان کی واقفیت اور یورپی اور اسلامی کتب خانوں کے بارے میں ان کی معلومات کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ سن ۱۳۶۰ھ میں مصر میں انہوں نے انتقال فرمایا۔

گمنامی

ان کے علم وفضل اور سفرناموں کی کوئی شہرت نہ تھی۔ مصر میں وہ اجنبی تھے، ان سے کسی کی کوئی واقفیت نہ تھی۔

حتیٰ کہ ان کی نماز جنازہ میں چار پانچ افراد سے زیادہ لوگ بھی نہ تھے[2]۔

☆......☆......☆

---

[1] ۷۱-۷۲

[2] اس جلیل القدر شیخ علامہ مختلف فنون کے ماہر معزز شخصیت خلیل خالدی رحمہ اللہ کی قاہرہ میں کئی علمی مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں۔ جس میں وہ علماء کی تاریخ ان کی نادر کتابیں، ان کتابوں کے پائے جانے کی جگہیں۔

ان علماء کے مخطوط، مشرق ومغرب کے کتب خانوں میں جہاں جہاں نادر مخطوط موجود ہیں ان کی نشاندہی اور عالم اسلام میں پائے جانے والے قدیم مدارس کی تاریخ کے بارے میں وہ اپنی تحقیقی معلومات فراہم کیا کرتے تھے۔ فاضل استاذ ڈاکٹر عبدالوہاب عزام رحمہ اللہ نے یہ باتیں ان کے حوالے سے ''مجلة الرسالة'' میں لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر عزام کے کئی اہم اور نافع علمی مقالات ہیں جن کو انہوں نے ''رسالة الزهراء'' اس رسالے کو استاذ محب الدین صدیب قاہرہ سے شائع کرتے ہیں۔ میں نے ان تمام علمی مقالوں کو اشاعت کیلئے ایک کتاب بنام ''مجالس الشیخ خلیل الخالدی و مقالاته'' میں جمع کیا ہے۔ اللہ اس کی اشاعت میں اعانت فرمائے، اس کتاب میں آپ کو وہ علمی فوائد ملیں گے جو کسی اور کتاب میں نہیں ہیں اور آپ کی ان فوائد تک رسائی صرف شیخ خالدی کے ذریعے ہی سے ہو سکتی ہے۔ رحمہ اللہ

مجاہد کبیر شیخ سعید احمد نورسی (۱۲۹۳ھ تا ۱۳۷۹ھ)

مجاہد کبیر مصائب والام کی وادیاں عبور کرنے والی شخصیت مخلوق کیلئے نافع جبل استقامت عظیم داعی ظلم وتشدد کی سخت گھڑیوں میں بھی اپنے دین کے معاملے میں امانتدار، عبادت الٰہی کو اپنا شعار بنانے والے، مولیٰ کو یاد کرنے اور کرانے والے بدیع الزمان[1] کے لقب سے ملقب شیخ سعید بن مرزا نورسی جوکہ اصلاً کردی اور جائے ولادت اور وفات کے اعتبار سے ترکی تھے۔

ولادت اور وفات

جلیس نامی شہر کے ماتحت "عیزان" نامی شہر کی بستی نورس جوکہ ترکی میں واقع

---

[1] عبدالفتاح کہتے ہیں کہ بدیع الزمان احمد بن حسین ہمدانی جن کی ولادت سن ۳۵۸ھ میں اور وفات ۴۰ سال کی عمر میں سن ۳۹۸ میں ہوئی سے عقیدت کی بنا پر شیخ سعید نورسی اپنا لقب بدیع الزمان رکھا تھا۔ "معجم الادباء" (۲/۱۹۱-۲۰۲) میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے۔ قوت ذکاوت، سرعت حفظ، ذہن کی صفائی اور قوت نفس میں وہ اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ ان کی شخصیت میں عجائبات اور نوادرات پنہاں تھے۔ بعض اوقات ان کے سامنے پچاس اشعار سے زیادہ اشعار پر مشتمل قصیدہ پڑھا جاتا جس کو اس سے پہلے انہوں نے کبھی نہ سنا ہوتا۔ ایک دفعہ سننے کے بعد وہ پورا قصیدہ ان کو یاد ہو جاتا اور وہ اس کو شروع سے لے کر آخر تک بغیر کسی حرف کی کمی کے زبانی سنا دیتے۔ اسی طرح بعض اوقات کوئی ایسی کتاب جس کو انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوتا تھا، اس کے چار پانچ اوراق کو وہ ایک سرسری نظر سے دیکھتے اور پھر اس کو بڑی روانی کے ساتھ زبانی سنا دیتے بعض مرتبہ ان سے آخری طرف سے کسی کتاب کی تصنیف کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ کتاب کے آخری مضامین کو لکھنا شروع کرتے اور کتاب کو اس کے ابتدائی مضامین پر بڑے احسن اور انوکھے انداز میں مکمل کر دیتے۔
شیخ سعید نورسی بھی بعض خصائل میں ان کے مشابہ تھے جیسا کہ اگلے صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

مشرقی ''اناصول'' کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ اس میں ان کی ولادت سن ۱۲۹۳ھ میں ہوئی۔ اور شہراء ورقہ میں رمضان کی پچیسویں رات سن ۱۳۷۹ھ میں ۸۶ سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی۔ (اللہ کی رحمت اور رضامندی کی ان پر برسات ہو۔)

بچپن، تعلیم اور صلاحیتیں

یہ نوجوان بچپن ہی سے ذکاوت میں لاثانی عصر اور سرعت حفظ اور یادداشت میں خوب قوی تھا۔

عہد عثمانی میں ترکی میں پھیلے ہوئے ممتاز حیثیت کے حامل مدارس اور خانقاہوں میں انہوں نے علم حاصل کیا۔

اپنی بے پناہ ذکاوت اور حیرتناک فطری استعداد کی وجہ سے انہوں نے مختلف علوم بلوغت سے پہلے بہت تھوڑی مدت میں حاصل کر لئے تھے۔ علوم عربیہ یعنی نحو وصرف وغیرہ کے اندر دو سالوں میں وہ مضبوط استعداد کے مالک ہو گئے تھے۔

تین ماہ تک وہ علوم شرعیہ اور فقہ اپنے شیخ محمد جلالی سے پڑھتے رہے۔ مختلف علوم شرعیہ وعصریہ کو سمجھنے، یاد کرنے اور بوقت ضرورت ان کو پیش کرنے کی ان میں فطری صلاحیت تھی۔ وہ جو کتاب پڑھتے، اس کو خوب سمجھ کر پڑھتے، اکثر مطالعہ میں مشغول رہتے۔

سادگی

خود کو سنوارنے کا ان کو خاص اہتمام نہ تھا۔

بحث ومباحثہ ومناظرہ

گوشہ نشینی اور لوگوں سے کنارہ کشی کے زمانے کے بعد انہوں نے علمی مباحث اور مناظروں کا آغاز کیا، وہ علماء ومشائخ سے ملتے اور ان سے مختلف مسائل میں مناظرہ کرتے۔

بے نظیر حافظہ

اصول فقہ جیسے مشکل علم میں تاج سبکی کی کتاب "جمع الجوامع" انہوں نے محض ایک ہفتہ میں یاد کی۔

انہوں نے لغت میں فیروز آبادی کی کتاب "القاموس المحیط" کو شروع سے لے کر باب السین تک چند دنوں میں یاد کرلیا تھا۔

کسی زبان کی مفردات کو یاد کرنا، اصول فقہ کی عبارات یاد کرنے سے اور زیادہ مشکل ہے۔

اسّی سے زائد کتابیں حفظ تھیں

علم کلام منطق تفسیر حدیث اور فقہ کی بہت سی کتابوں کا انہوں نے مطالعہ کیا اور ان علوم اسلامیہ کی اسّی سے زائد بنیادی کتابوں کو زبانی یاد کیا۔

بہت ہی نادر قوت یادداشت

اپنی قوت ذکاوت اور سرعت یادداشت سے انہوں نے اپنے استاذ فتح اللہ آفندی کو ایک دفعہ ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

استاد فتح اللہ آفندی نے ایک دفعہ ان کا امتحان لیتے ہوئے ان سے پوچھا کہ "کیا اس کتاب کی چند سطریں دو دفعہ پڑھنے سے تمہیں یاد ہوسکتی ہیں؟ یہ کہہ کر مقامات حریری ان کو پیش کردی۔ شیخ سعید نے مقامات حریری کھول کر اس کے ایک صفحہ کو ایک مرتبہ پڑھا اور پورا صفحہ اپنے استاد کو زبانی سنا دیا۔ استاد نے ان کی اس بے پناہ ذکاوت اور قوت یادداشت کو دیکھ کر کہا۔ اس طرح کی خارق عادت ذکاوت کا اس قدر بے پناہ قوت یادداشت کے ساتھ جمع ہونا بہت ہی نادر و کمیاب ہے۔ علماء کی ایک بڑی تعداد نے چند دقیق مسائل میں ان کو پھنسانا چاہا لیکن انہوں نے ان کو لاجواب کردیا حالانکہ اس وقت ان کی عمر سترہ سال نہ تھی۔

ظلم برداشت کرنا ان کے مزاج کے خلاف تھا

وہ اپنی منفرد شخصیت اور عجیب طبیعت کی وجہ سے مشہور تھے۔ ظلم برداشت کرنا ان کے مزاج کے خلاف تھا، دین کی جو بھی مخالفت کرتا، وہ اس کا مقابلہ کرتے، اس کو نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے اور اس راستے میں آنے والی تکلیفوں کی قطعاً پرواہ نہ کرتے۔ اس سلسلے میں حکمرانوں، قاضیوں اور جابر حکمران مصطفیٰ کمال پاشا کے مقابلے میں ان کے بہت سے تابناک اور حیرتناک کارنامے ہیں جن میں انہوں نے دین کے دشمنوں کے مقابلے میں دین کی حمایت کی۔

وہ دین کی حمایت میں آنے والی سختیوں اور مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے رہے لیکن جیل، عدالت یا کسی اور بڑی تکلیف کے آنے پر اپنے موقف سے کبھی نہیں ہٹے۔ زندگی کے آخری سانس تک صبر کے ساتھ مخلوق کو اسلام قرآن اور دین کی طرف بلاتے رہے۔

شادی نہ کرنے کی وجہ

تاحیات وہ غیر شادی شدہ رہے۔ شادی نہ کرنے کی جب ان سے وجہ دریافت کی گئی تو ان کا کہنا تھا۔

''بے چینی اور اضطراب کی جو زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں میں بیوی کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہوں۔''

تدریس

مشرقی ترکی کے شمال میں واقع شہر ''وان'' میں وہ وہاں کے حاکم کی دعوت پر گئے اور پندرہ سال تک وہاں کے مدرسہ ''خورخور'' میں پڑھاتے رہے۔ بہت سے علماء و مشائخ ان سے پڑھتے رہے۔ ''وان'' کے پڑوس میں واقع قبائل میں گھومتے پھرتے اور لوگوں کی دین کی طرف رہنمائی کرتے۔

عصری علوم کی ضرورت

اس عرصے میں وہاں کے بڑے لوگوں کے ساتھ ان کے کئی مناظرے ہوئے، ان مناظروں اور مناقشات سے انہوں نے یہ سبق حاصل کیا کہ صرف علم کلام عصری علوم کے جاننے والوں کی تشفی نہیں کرسکتا۔ اس لیے انہوں نے طبعی علوم یعنی جغرافیہ، ریاضی، فلکیات اور فزیا، پڑھنے شروع کیے اور تھوڑی سی مدت میں ان علوم میں مہارت حاصل کرلی۔

مدرسہ زہراء کے اغراض و مقاصد

ان علوم میں مہارت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ دینی علوم اور اسلامی عقیدہ جو کہ بنیادی اور اصلی مقصد حیات ہے۔ اس کے پڑھانے کے ساتھ ان طبعی علوم کو بھی پڑھایا جائے تاکہ جو لوگ ان طبعی علوم کی زبان سمجھتے ہیں۔ ان کو اسلام اور اس کے عقائد کی طرف رہنمائی کرنے کا راستہ نکالا جائے۔ اس لیے انہوں نے اپنے مدرسے میں ان علوم کے پڑھائے جانے کا اہتمام کیا۔ ان کے جانے کے بعد بھی ان کے جاری کردہ طریقے کی پیروی کی گئی۔ ان کی اس فکر اور اسلام کے دین فطرت ہونے کو ان کی بعد والی زندگی اور کارناموں میں بنیادی سبب اور محرک ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ شہر ''وان'' میں انہوں نے جو مدرسہ زہراء کی داغ بیل ڈالی، وہ بھی اسی مقصد کی طرف ایک قدم تھا تاکہ لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ اسلام دین انسانیت اور فطرت ہے اور قرآن کریم صحیح اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنے والی اللہ کی کتاب ہے۔

انہوں نے طے کیا کہ مصر کی ازہر یونیورسٹی کی طرح یہاں بھی ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا جائے جس میں عصری علوم کے ساتھ قرآنی علوم بھی پڑھائے جائیں، اس مقصد کی تکمیل کیلئے انہوں نے مدرسہ زہراء کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔

تاکہ اس مدرسے سے ایسے نوجوان نکلیں جو جہاں بھی جائیں اسلام کی

نشر و اشاعت کا سبب نہیں۔

اصطنبول کا سفر

یہ افکار جو ان کے دل و دماغ میں گردش کر رہے تھے ان کو فکری سانچے سے نکال کر عمل اور تنقید کے مرحلے میں ڈالنا ضروری تھا، اس کے لیے انہوں نے اسطنبول کا سفر کیا وہاں پہنچتے ہی انہوں نے وہاں کے علماء اور باحیثیت لوگوں کو جمع کر کے اپنے آنے کا مقصد ان کے سامنے رکھا اور ان سے علمی اور مادی معاونت کا مطالبہ کیا۔

جمع ہونے والے علماء اور دیگر لوگوں نے ان میں بے مثال ذکاوت تیز نظر اور سلامت فکر پا کر ان کو خوب پسند کیا ان کے اسطنبول پہنچنے کے بعد ایک لکھنے والا کہتا ہے۔ وہ خارق عادت ذکاوت جو مشرق کی چٹانوں میں ابھری تھی، آج وہ اسطنبول کے آفاق میں طلوع ہو چکی ہے۔

اس نوجوان کا کوئی ہم پلہ نہیں

مصر کے مفتی اور بڑے عالم شیخ محمد بخیت المطیعی نے اسطنبول میں ان سے ملاقات کے دوران پوچھا آپ کی یورپ اور دولت عثمانیہ کے متعلق کیا رائے ہے تو انہوں نے کہا یورپ کے پیٹ میں اسلام کا حمل ہے اور عنقریب وہ اس کو جنم دے دے گا اور دولت عثمانیہ کے پیٹ میں یورپی افکار کا حمل ہے جس کو وہ عنقریب جنم دے دے گا۔ اس پر شیخ محمد بخیت نے کہا اس نوجوان کا کوئی ہم پلہ نہیں اور میں اس کی رائے سے متفق ہوں۔

اسطنبول میں انہوں نے جو زندگی گزاری وہ ایک حد تک سیاسی زندگی تھی۔

عثمانی انقلاب کے بعد

عثمانی انقلاب اور اعلان دستور کے بعد انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں بیانات کرنے اور مقالات لکھنے میں صرف کر دیں۔

ان بیانات اور مقالات میں وہ اسلام میں آزادی کا مفہوم سیاسی زندگی پر

اسلام کے احیاء اور نفاذ شریعت کے مطالبے پر مشتمل مضامین لکھتے رہے۔

وہ کہا کرتے تھے میرے ہم وطنوں آزادی کا صحیح سمت یگاڑ دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے ہاتھ سے چلی جائے متعفن غلامی کو ان دکھتے جسموں پر نہ انڈیلو ایسا نہ ہو کہ اس کے کڑوے گھونٹ پینے پڑ جائیں۔

آزادی احکام شریعت کے نفاذ اور اس کے آداب کی رعایت کے بغیر نہیں مل سکتی۔

اپنے سر کو بندوں کے سامنے نہ جھکائیں

انقلاب اور حکمرانوں کے لادینیت کی طرف رخ موڑ لینے کے بعد وہ ایک مقالے میں کہتے ہیں، شریعت محمدی اپنے اعتبار سے ازلی اور قدیم ہے وہ رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔ نجات اور انسانوں کے ظلم وشر سے خلاصی اسلام پر اعتماد اور اللہ کی مضبوط رسی کو تھامنے کی صورت میں ہی مل سکتی ہے۔

سچی آزادی سے فائدہ اور نفع حاصل کرنا ایمان کا جز اور اس کا تقاضہ ہے جو اللہ کا بندہ ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنا سر بندوں کے سامنے نہ جھکائے۔

ہمارا ہدف اعلاء کلمۃ اللہ ہے

اس حیثیت سے کہ ہر انسان اپنی دنیا کا ایک قائد ہے، اس پر جہاد اکبر لازم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کی اتباع کا اس کو حکم اور سنت نبوی کو زندہ کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔

حکمرانو! اگر مدد اور توفیق چاہتے ہو تو اپنے معاملات کو اللہ کے دنیا میں جاری کردہ قوانین کے سانچے میں ڈھالو، اگر اس طرح نہیں کرو گے تو شکست اور ذلت کے علاوہ کچھ نہ ملے گا۔

نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کی اتباع ان کو مضبوطی سے تھامنا ہمارا مذہب ہے۔

لے اس انقلاب کے حامیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ اور اسلام کو خلافت عثمانیہ کے شہروں سے نکالنے کا نام آزادی رکھا تھا۔

روشن شریعت ہمارا قائد ہے اور مضبوط دلائل ہماری تلواریں ہیں اور ہمارا ہدف اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔

اگر میری سو جانیں

آزاد کے مشہور حادثات وواقعات کے بعد قید کیے جانے والوں میں سے ایک یہ بھی تھے، عدالت میں حاکم عرفی نے جب ان سے کہا میں نے سنا ہے کہ نفاذ شریعت کا مطالبہ کرنے والوں میں سے ایک تم بھی ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا اگر میری سو جانیں بھی ہوتیں تو میں ان تمام کو شریعت کے احکام میں سے ایک حکم کی خاطر قربان کرنے میں تردد نہ کرتا۔ سعادت، انصاف اور اعلیٰ فضائل کے حصول کا صرف یہی ایک راستہ ہے۔

آپ بیتی

اس عدالت کے سامنے اپنے دفاع کی روئیداد انہوں نے اپنی دو کتابوں ''وثیقة مدرسة المصائب'' اور ''دیوان الاحکام العرفیة'' میں بیان کی ہے۔

ان کی سب سے بڑی فکر

اس عرصے میں ان کی سب سے بڑی فکر زندگی کے تمام معاملات میں شریعت کا نفاذ اور ان لوگوں پر رد تھا جو عالم زندگی سے شریعت کو دور کرنا اپنا نصب العین سمجھتے تھے اور یورپی زندگی اور اس کی ظاہری نمود و نمائش نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔

موت کا ایک وقت مقرر

''دار الحکمة الاسلامیہ'' کے ایک رکن سعد الدین پاشا نے ایک دن ان سے ملاقات کی اور ان سے کہا مجھے ایک بااعتماد شخص کے حوالے سے یہ خبر ملی ہے کہ زندیقوں کے ایک گروہ کا آپ کی ایک کتاب پڑھنے کے بعد یہ خیال ہے کہ جب تک یہ شخص زندہ ہے، ہم اپنے نظریات کی نشر و اشاعت نہیں کر سکتے۔ اس لیے اب وہ باہر کے لوگوں کی اعانت سے آپ کو راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ دلی تعلق کی بناء پر میں آپ کو پہلے

سے متنبہ کرنے آیا ہوں، یہ سن کر شیخ بدیع الزمان نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں نے اللہ کی پناہ لے لی ہے، اب وہی میری حفاظت کرے گا اور ویسے بھی موت کا اللہ کی طرف سے ایک وقت مقررہ ہے جس کو بدلا نہیں جا سکتا۔

دمشق میں آمد

سن ۱۳۲۷ھ میں وہ ترکی کو خیر باد کہہ کر دمشق تشریف لے گئے اور دمشق کی جامع اموی میں شامی خطبے کے نام سے مشہور خطبہ دیا، اس خطبے میں انہوں نے کہا۔

دولت عثمانیہ کے پیٹ میں یورپی افکار کا حمل

امریکہ اور یورپ کے پیٹ میں اسلام کا حمل ہے۔ جیسے دولت عثمانیہ کے پیٹ میں یورپی افکار کا حمل تھا۔ جس کو بالآخر اس نے جنم دے دیا۔ اسی طرح ایک دن یورپ بھی اسلام کو جنم دے گا۔

وصولی حق

اس زندگی اور مرنے کے بعد کے میرے بھائیو[1] میں آپ لوگوں کو نصیحتیں کرنے نہیں آیا لیکن میں عربوں اور ترکوں پر ہمارا جو حق ہے، اس کی وصولی کیلئے آیا ہوں۔

اے عرب آپ لوگ ہمارے اساتذہ اور بڑے ہیں اور اے ترکو آپ لوگ ہمارے حکمران ہیں۔ وہ ذمہ داریاں جو آپ لوگوں کے کندھوں پر ڈالی گئی ہیں، ان کی ادائیگی میں آپ حضرات کی سستی کی وجہ سے تمام مسلمان مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اے عظیم لوگو اور اے عرب کے ہوشیار لوگو میں پہلے آپ حضرات کی طرف مخاطب ہوں کیونکہ آپ حضرات ہمارے آئمہ ہیں۔

اتحاد

اے ترکو میں پھر آپ حضرات سے مخاطب ہوں کیونکہ ایک عرصے سے اسلام کی

---

[1] تم زندگی میں بھی بھائی ہو اور میرے مرنے کے بعد بھی بھائی ہی رہو گے۔

سیاسی باگ دوڑ آپ حضرات کے ہاتھ میں تھی۔ اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کرکے آپ حضرات نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ میں اس انتظار میں ہوں کہ ایک تو عرب اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں گے اور گزرے زمانے کی طرح دوبارہ اسلام کی طرف لوٹیں گے۔ مجھے قوی امید ہے کہ گزشتہ زمانوں کی طرح اس دور میں بھی اسلام اطراف عالم میں دوبارہ زندہ ہوگا۔

پہلی جنگ عظیم میں شرکت

شہر ''وان'' میں مدرسہ قائم کرنے اور اس میں تدریس شروع کرنے کے بعد جب پہلی جنگ عظیم کی آگ بھڑکی تو شیخ بھی اپنے وطن کے دفاع کیلئے اپنے تین ہزار شاگردوں کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہوئے۔

اپنی جماعت کے قائد ہونے کی وجہ سے اس جنگ میں انہوں نے بہادری کے ساتھ بہت سے کارنامے اور خدمات انجام دیں۔ جن کی گواہی ان کے ساتھ جنگ میں لڑنے والی جماعتوں اور گروہوں کے قائدین نے بڑے فخر اور ناز کے ساتھ دی ہے۔ اس جنگ میں شیخ اور ان کی جماعت خوب لڑی، یکے بعد دیگرے شہیدوں اور ارض اسلام کے چپے چپے کو اپنے خون سے سیراب کرتی رہیں۔ دشمن یعنی روس کا پلہ اس جنگ میں بھاری تھا کیونکہ شہر تبلیس ان کے ہاتھوں میں جا چکا تھا۔[1]

---

[1] ترکی کے مشہور شاعر محمد عاکف نے ایسے ہی موقع پر کیا ہی خوب کہا تھا، جیسا کہ میں نے فاضل بھائی قدیم اور وفادار بھائی استاذ علی یعقوب یوغسلافی اور استنبولی سے سنا۔

تامل سهول البيد او قمم الصخر … دم الشهداء الخالدين بها يجري

هم ركعوا صرعى ولا ركوعهم … لما سجد العباد لله في الدهر

ترجمہ: بیابانوں کی ہموار زمینوں یا چٹانوں کی چوٹیوں پر غور کرو، ہمیشہ رہنے والے شہیدوں کا خون ان میں جاری ہے، زمین پر لاشوں کی صورت میں گر کر انہوں نے رکوع ادا کیا اور اگر ان کا یہ رکوع نہ ہوتا تو اللہ کے عبادت گزار زمانے میں سجدہ بھی نہ کر سکتے تھے۔

گرفتاری

اس جنگ میں شیخ اور ان کے ساتھ زندہ بچ جانے والے طلبہ کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کو باقی قیدیوں کے ہمراہ سیبریا کے قید خانوں میں منتقل کر دیا گیا۔ وہ شہر ''کوسترما'' کے قید خانے میں دو سال تک رہے۔ قید کے دوران وہ وہاں کے سپاہیوں اور افسروں کو نصیحت اسلام کی طرف رہنمائی اور ان کو اسلامی عزت اور غیرت سیکھنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیتے رہے۔

خودداری

ایک دن روسی فوج کے ایک افسر نے قید خانے کا دورہ کیا۔ اس سخت مزاج افسر کے خوف سے تمام قیدی لرزتے تھے اور یہ چیز اس کو پسند تھی، اس دورے کے دوران اس نے ایک چیز محسوس کی کہ تمام قیدیوں میں سے ایک قیدی اس کے آنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے آنے پر وہ احتراماً کھڑا ہوتا ہے۔

تین بار جب ایسا ہوا تو وہ غضبناک ہو کر اس قیدی کے پاس آیا اور بولا شاید تم مجھے جانتے نہیں ہو؟ شیخ نے جواب دیا میں تمہیں جانتا ہوں تم روسی افسر ''فیکولو نیکولو فیتش'' ہو اس پر وہ افسر گھبرا گیا اور بولا پھر تم میرے لیے کھڑے کیوں نہیں ہوئے۔ شیخ نے جواب دیا، مجھے میرے دین نے ایک عزت دی ہے، وہ عزت مجھے کسی کیلئے احتراماً کھڑا ہونے سے روکتی ہے۔

اس جواب سے پھانسی کا پھندا ''بدیع الزمان'' جس کے ہاں عزت کی موت ذلت کی زندگی سے افضل تھی، کی گردن کے بالکل قریب آ گیا تھا لیکن اس کی گردن میں پھانسی کا پھندا ڈالنا اس افسر کے دل میں برا معلوم ہوا جس کی وجہ سے اس نے اپنا حکم منسوخ کر دیا۔

رہائی کے بعد

قید سے رہائی پا کر جب وہ اپنے شہر "وان" لوٹے تو مسلمانوں کی صفوں اور جماعتوں میں اپنا اسلامی نشاط پیدا کرنے کی سرگرمیاں انہوں نے دوبارہ شروع کر دیں۔

انقرہ میں استقبال

انقرہ کی حکومت اس عظیم شخص جو کہ امت کے مسائل میں اپنی جان ہتھیلی پہ لے کر پھر رہا تھا کی سرگرمیوں کو دیکھ کر اس کی عظمت کو سمجھ کر تو اس نے شیخ کو انقرہ کے دورے کی دعوت دی۔ ان کے دوست وان کے والی طاہر پاشا کی خواہش پر انہوں نے ان کی دعوت قبول کر لی۔ وہاں اعلیٰ پیمانے پر ان کے استقبال کی تیاریاں کی گئیں لیکن وہاں پہنچ کر جب انہیں خلاف توقع صورتحال نظر آئی تو ان کو بہت رنج ہوا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

وہاں کی حکومت کی حالت دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ اسلام کی روح اور اس کے شعائر سے دور ایک جدید یورپی حکومت کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر انہوں نے اس عنوان کے تحت ایک کتاب تیار کی جس میں وہ کہتے ہیں۔

دس بنیادی مطالبات

حکمرانو! ایک بہت بڑا دن آنے والا ہے، جس میں تم سب اللہ کے سامنے پیش کیے جاؤ گے۔ اس کتاب میں انہوں نے حکمرانوں سے دس بنیادی مطالبات کیے۔

حکومت دین اسلام کے شعائر کی پابندی کرے، جن میں سب سے اہم نماز ہے۔

حکومت یہ بات جان لے کہ جہالت اور حماقت میں مغرب کی اتباع امت کیلئے بہت بڑا خطرہ ثابت ہوگی۔ شعائر دینیہ کے اہتمام کے سلسلے میں ان مطالبات کا نتیجہ پارلیمنٹ میں ساٹھ حکومتی ارکان کی جانب سے برآمد ہوا۔

ان مقالات کی کاپیوں کو حکمرانوں، رہنماؤں اور جماعتوں کے قائدین کی طرف بھیجا گیا۔ ان کے اس عمل نے ان کے اور ملک کے سربراہ کے درمیان سخت چپقلش پیدا کردی۔

ایوان مملکت میں مصطفیٰ کمال پاشا اور سعید نورسی کی ملاقات

ایک دن ایوان مملکت میں بہت سے حکومتی ارکان کی موجودگی میں ان کی سربراہ مملکت مصطفیٰ کمال پاشا سے ملاقات ہوئی۔ مصطفیٰ کمال نے ان سے کہا، ہمیں آپ جیسے ایک تجربہ کار شیخ کی ضرورت ہے۔ ہم نے آپ کی ملاقات کی خواہش اس لیے کی تاکہ ہم آپ کے روشن افکار سے استفادہ کرسکیں لیکن سب سے پہلا مطالبہ جو آپ نے ہم سے کیا وہ نماز قائم کرنے کا تھا جس نے آپ کے اور ہمارے درمیان اختلافات پیدا کردیئے۔ یہ سن کر شیخ بدیع الزمان نے نماز کی اہمیت کے متعلق وارد ہونے والی آیات اور احادیث پڑھنی شروع کردیں۔

اس کے بعد سربراہ مملکت کی طرف گھور کر اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ پاشا! ایمان کے بعد جو سب سے بڑا فریضہ ہے، وہ نماز ہے۔ تارک نماز خائن ہے اور خیانت کرنے والے کا فیصلہ مردود ہے۔

دوسری گرفتاری

رسائل نور کے نام سے اپنے مجموعی مقالات میں سے انہوں نے دسواں مقالہ قیامت کے احوال میں لکھ کر اس کو اصطنبول سے خفیہ طور پر شائع کیا۔ یہ مقالہ جب مختلف شہروں میں پھیلا تو حکمرانوں نے اس مقالے کو ذریعہ بنا کر ان کو گرفتار کرلیا۔ ان کو مع ان کے ۱۲۰ شاگردوں کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جیل سے پھر انہیں مع شاگردوں کے اسکے شہر منتقل کردیا گیا۔ جہاں ان کے کیس کی سماعت چھ ماہ تک ہوتی رہی۔ بالآخر عدالت نے ان کے پانچ شاگردوں کے خلاف چھ ماہ کی قید کا حکم سنایا۔ البتہ شیخ سعید کے خلاف عدالت کو کوئی قانونی شواہد نہ ملے۔ اس کے باوجود عدالت نے حاکم کو یہ حکم دیا کہ وہ شیخ کو

ایک سال تک جیل میں نظر بند رکھیں۔ عدالت نے اپنے فیصلے کی تائید میں کہا کہ شیخ سعید نے حکومتی مذہب علمانیہ کی اپنی تصنیفات میں مخالفت کی ہے اور اپنے رسائل مثلاً "رسالۃ الحجاب" میں مصطفیٰ کمال پاشا کے انقلاب کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح حکومتی قانون کے خلاف وہ قرآن کریم کا دفاع کرتے ہیں۔ شیخ سعید نے عدالت میں قرآن کریم اور اپنی دعوت کے دفاع اور اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کے جواب میں کہا "انصاف کے علمبردارو! اگر اس تکلیف دہ قید کا تعلق میری زندگی اور میری ذات کے ساتھ ہوتا تو میں خاموش رہتا جیسا کہ گزشتہ دس سالوں سے میں خاموش رہا ہوں لیکن اس قید کا تعلق صرف میری زندگی اور میری ذات سے نہیں ہے بلکہ بہت سارے لوگوں کی زندگی اور ان کی سعادت اور قرآنی حقائق کو واضح کرنے والے "رسائل نور" سے ہے۔

اگر میرے سو سر ہوتے اور ہر روز میرا ایک سر کاٹا جاتا تو تب بھی میں اپنی ان سرگرمیوں سے باز نہ آتا۔

بے شک اللہ کا مقرر کردہ دن آ کر رہے گا، اگر مجھے تم سے نجات مل گئی تو موت سے تو مجھے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔"

دس سالوں میں اڑتالیس عدالتیں

اس عظیم ہستی کو ایک عدالت بری کرتی تو دوسری عدالت اپنے کٹہرے میں لا کھڑا کرتی۔ ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک ۴۸ عدالتوں میں وہ پیش ہوئے اور ان تمام عدالتوں نے ان کو بری قرار دیا۔

حکام کو وعظ و نصیحت

حکام کو وعظ و نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کرتے تھے، ان کے سامنے وہ اس بات کو واضح کرتے کہ عوام اسلامی احکام کی آزادی اور داعیان اسلام پر سے ہر قسم کی پابندی اٹھانے کی پرزور حامی ہے۔ اس بات کی تائید میں انہوں نے کہا کہ عوام اذان کو عربی

زبان میں دینے کا مطالبہ کر چکی ہے جس کو حکومت نے پہلے ہی سے منظور کر لیا تھا۔

عالم اسلام پر منڈلاتے ہوئے خطرے اشتراکیت سے خبردار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ ''اشتراکیت کے جو مخالف ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ کلی طور پر اسلام کے دامن میں آجائیں کیونکہ صرف اسلام ہی اشتراکیت کو مٹانے کی ضمانت دیتا ہے۔''

ان لوگوں کو ''رسائل نور'' کا مطالعہ کرنا چاہیے جو جدید زمانے میں اسلام کی شرح اور عقلی و منطقی دلائل سے مشکلات کا حل تلاش کرتے ہیں۔

انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا وہ مسجد ''آیا صوفیا'' نماز کے لیے کھول دے اور مدارس میں دینی اسباق کو دوبارہ جاری کرنے کا حکم صادر کرے۔ انہوں نے حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ وہ تمام اسلامی ممالک سے اپنے رابطے اور تعلقات مضبوط کریں۔

حکام کیطرف لکھے گئے خطوط

حکام کی طرف لکھے گئے ان کے خطوط اور نصائح میں چند نمونے ملاحظہ ہوں، ہمارا اہم مقصد اور وہ ہدف جس کے پیچھے ہم دوڑ رہے ہیں اور وہ کام جس کیلئے ہم اپنے آپ کو کھپا رہے ہیں اور وہ راستہ جس پر ہم گامزن ہیں۔

بے کسوں کے سامنے ایک راستہ روشن کرنا ہے تا کہ وہ سیدھے راستے یعنی اللہ کی شریعت رسول اللہ ﷺ کی سیرت، قرآن کے راستہ اور اس امت کو مشکلات اور اندھیروں سے نکال کر روشنی اور سعادت کی طرف لے جانے والے راستے پر چل سکیں۔

صدر اور وزیر اعظم کے نام خط

صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کے نام خط ایک ایسے شخص کی طرف سے جو قبر کے دھانے پر ہے، اس کی عمر ۸۰ کا ہندسہ عبور کر چکی ہے، کئی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ ا۔ جنبی اور عاجز ایک بوڑھا تمہارے سامنے دو حقیقتیں بیان کرنا چاہتا ہے۔ عراق اور پاکستان کے ساتھ مضبوط تعاون کر کے آپ حضرات نے ہمارے سینوں کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور میں امید رکھتا ہوں، یہ تعاون چار سو لین مسلمانوں کا نفع لے کر دوبارہ لوٹے گا اور میری خواہش ہے

کہ یہ تعاون تمام اسلامی ممالک کے مابین تعاون کا مقدمہ بنے۔ میں نے اپنے اوپر لازم سمجھا کہ میں اس سلسلے میں آپ حضرات کی طرف لکھوں۔ تمام لوگ جانتے ہیں کہ عرصہ چالیس سال سے میں نے دنیا اور سیاست سے کنارہ کشی کر لی ہے لیکن پاکستان اور عربوں کے مشکلات سے نجات حاصل کرنے کیلئے قرآنی راستہ اختیار کرنے اور یہاں سے زیادہ ان ممالک میں ہماری جماعت کے لوگوں کے وجود نے مجھے زندگی کے ان آخری ایام میں مجبور کیا ہے کہ میں قرآنی حقائق کے ثمرات کو بغور دیکھوں، پھر ان حقائق سے حاصل شدہ نتائج کو لوگوں کے سامنے رکھوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ امویوں کی حکومت کی تباہی کے بعد قومیت اور عصبیت کے نعروں کے جو نقصانات تھے، وہ عیاں ہو چکے ہیں، ان نعروں نے لوگوں میں ایسی ہی بدترین تفریق پیدا کی ہے جیسا کہ عربوں کی عصبیت نے ان کے ترکی بھائیوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ مجھے واضح نظر آرہا ہے کہ یہاں کچھ خفیہ ہاتھ ہیں جو از سرنو قومیت کے نعروں کو بھڑکانا چاہتے ہیں تاکہ امن وسکون برباد ہو اور مصائب عام ہوں اور اس امت کے دشمن ہنسیں اور خوشی سے ان مصائب پر رقص کریں، قومیت کی یہی فطرت ہے جس پر اس کے علمبرداروں کی پرورش ہوتی ہے۔

ترکی قوم کو اسلام سے جدا کرنا ناممکن ہے، وہ امت مسلمہ کا ناقابل انفصال جزء ہے حتیٰ کہ ترکیوں میں جو لوگ غیر مسلم ہیں، وہ ترکی ہیں ہی نہیں لہٰذا ہر ترکی مسلمان ہے، اسی طرح عرب بھی مسلمان ہیں۔ اسلام ان میں سرایت کر چکا ہے لہٰذا ان کو اسلام سے جدا کرنا ناممکن ہے۔

عربوں کو اگر اسلام سے علیحدہ کر دیا جائے تو ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی لہٰذا قومیت ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔

تصنیفات

اس مجاہد عالم نے اپنے بعد تیس کے قریب تصنیفات چھوڑیں جن میں ایک تہائی

عربی میں اور باقی ترکی زبان میں ہیں۔ اختصار کی غرض سے ان کے ناموں کو یہاں نہیں ذکر کیا جارہا ہے۔

مأخذ

یہ ہے اس مجاہد عالم سعید نورسی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق چند صفحات اور اشارے جن کو میں نے فاضل استاذ عاصم حسینی کی کتاب "سیرة امام مجدد، قبسات من حياة الامام العلامة بديع الزمان سعيد النورسي" سے لیا ہے۔

ان کی سوانح حیات سیرۃ امام مجدد کا مقدمہ

کتاب کے شروع میں مصنف نے ایک جامع مقدمہ بھی ذکر کیا ہے، جس سے اس جلیل القدر عالم کے جہاد پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ اس مقدمے کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے تاکہ ان کی ذات اور ان کے آثار صالحہ کا تعارف مکمل طور پر سامنے آجائے۔ وہ مقدمہ یہ ہے۔

مسلم ترکی کفر والحاد کی زد میں

مسلم ترکی میں جو ہوا لیکن ان حادثات میں سب سے اہم اور خطرناک حادثہ وہ رکاوٹیں ہیں جو مسلم ترکی قوم اور ان کے روحانی ذخیروں سے انتفاع حاصل کرنے کے درمیان ڈالی گئیں۔ یہ روحانی ذخیرے ترکی قوم کی اجتماعی اور انفرادی حیثیت کے ناقابل انفصال اجزاء تھے۔ ان کے ہاں یہ ذخیرے ہر چیز سے مقدم اور ہر چیز سے افضل تھے بلکہ یہ ذخیرے دنیا و آخرت میں ان کی سب سے زیادہ عزیز اور نفیس چیز تھی۔ اس مسلم قوم کے ان قیمتی روحانی ذخیروں پر کئی دفع کتمان کا پردہ ڈالنے کی مکروہ کوشش کی گئیں، اس مسلم قوم کو جزئی مسائل میں الجھایا گیا تاکہ وہ اپنے اس تابناک ماضی کو بھول جائے جس نے اس قوم میں شجاعت کی عمدہ مثالیں اعلاء کلمۃ اللہ اور قرآن کے جھنڈے کو بلند کرنے کے راستے میں فنا ہونے کا جذبہ پیدا کیا تھا۔

وظیفہ خوروں اور حکومت کیلئے کام کرنے والوں کی زبانیں بے دینی اور الحاد کی ترویج میں چلنے لگیں اور دن دہاڑے کفر کا اعلان کرنے لگیں تو ایسے وقت میں اسلام کی نام لیوا زبانیں گونگی ہو گئیں اور اسلام کا دفاع کرنے والے اور اس کے قلعہ کی حفاظت میں جاگنے والوں کی زبانوں کو تالے لگ گئے تھے۔

ایک وحشت ناک خاموشی نے مسلم ترکی کے آسمانوں پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، سخت اندھیروں کے لشکروں نے اس مسلم ترکی کا پیچھا کیا اور اس کی بھاری طنابوں کو جڑوں سے اکھیڑ کر تمام ممالک میں بکھیر دیا تھی کہ فسادی اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ تھا یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ان بے دینوں کی سلطنت کا عرش زمین میں نصب ہو چکا ہے اور ان کے دین کا جھنڈا جھک چکا ہے۔ کئی زمانوں سے جو ملک اسلام کا قلعہ تھا اس میں کتنے ہی ایسے غریب آ چکے تھے جو اسلام کی طرف اپنی نسبت کو لائق تعزیر گناہ اور قابل سزا جرم سمجھتے تھے۔

خاموشی کی اس دیوار کو توڑنے اور اندھیروں کے پردوں کو چاک کرنے کیلئے ایک بہادر آواز بلند ہوتی ہے۔ یہ زبان قوت اور اصرار کے ساتھ یہ نعرہ لگاتی ہے۔

کوئی کفر بے دینی ارتداد اور الحاد نہیں چل سکتا جتنے میرے جسم میں بال ہیں اگر میرے اتنے سر ہوتے اور میں ان سے ہر روز ایک سر کو میرے جسم سے جدا کیا جاتا تو تب بھی میں قرآنی حقائق کے اظہار کیلئے وقف کردہ اس سر کو بے دینی اور کسی قسم کے کفر کے سامنے نہ جھکاتا۔ کفر اور الحاد کے مقابلے میں ان کا یہ انکار اتنا بے وقعت نہ تھا کہ جس کو ہوائیں لے اڑتیں یا نگل جاتیں یا وہ باقی آوازوں میں دب کر ضائع ہو جاتا بلکہ اس نے حیرتناک سنسناہٹ پیدا کی اور اس کی صدا دنیا کے طول وعرض میں پھیلی۔ اس ندائے حق پر مسلم ترکی قوم کے ہزاروں بلکہ کئی ملین انسانوں نے لبیک کہا تا کہ وہ سب ایک زبان اور ایک دل کے ساتھ یہ آواز لگائیں کہ "کفر ارتداد اور الحاد نامنظور ہے۔"

ماضی اور اس کی شجاعت و شرافت کے تابناک کارناموں سے روگردانی اور ان کو

بجھایا نہیں جا سکتا۔ اس وقت اللہ کے اس فرمان کی تفسیر دوبارہ روشن ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

﴿یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ یَاْبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

"چاہتے ہیں کہ بجھادیں روشنی اللہ جل شانہٗ کی اپنے منہ سے اور اللہ جل شانہٗ اپنی روشنی کو پورا کیے بغیر نہ رہے گا اور چاہے برا مانیں کافر"

مسلم ترکی حق و باطل کی کشمکش کے ایک نئے مرحلے میں

یہاں سے مسلم ترکی حق کے مددگاروں اور باطل کے پیچھے چلنے والوں کے درمیان کشمکش کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوتا ہے اور زمین کے قانون اور آسمانی طریقے کے درمیان نزاع کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔ گویا تاریخ ہمیں یہ سمجھانے کیلئے ماضی اور مستقبل میں اللہ کی زمین پر اس کے بندوں کے درمیان کیا ہوا اور کیا ہوگا؟ خود کو دہرا رہی ہے۔

غالباً اس صفحے میں سب سے زیادہ قابل توجہ وہ خارق عادت معجزہ ہے جس کو بہادر ایمان نے انجام دیا ہے۔

ندائے حق

اس سنجیدہ گرجدار للکار والی یہ شخصیت فطرت کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھنے والوں کے خلاف یہ ندائے حق اور ضمیر کی آواز سے منہ موڑنے والی عدالت کے تمام ارکان کے سامنے کھڑے ہونے والے اس شخص سے کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ کیا وہ ان سے نرمی کے ساتھ پیش آئے گا؟ حالانکہ وہ ایسا مومن ہے جو اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اللہ کا دین مدارات اور نرمی کو قبول نہیں کرتا یا وہ اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گا؟ حالانکہ وہ دنیا میں اس لیے نہیں آیا ہے کہ لوگ اس کی قسمت کے فیصلے کریں اور وہ اپنے

کیے گئے فیصلوں کو سن کر صبر کرے۔

ہرگز نہیں، نہ پہلی بات ہوسکتی ہے اور نہ ہی دوسری۔

میں تمہارے پاس ایک خواہش لے کر آیا ہوں، اپنی ذات سے پابندیاں ختم کرانے اور اپنی آزادی کی بھیک لینے کی درخواست نہیں جیسا کہ عام طور پر ہو رہا ہے، ہاں اپنے لیے سختیاں اور سخت مصائب لینے آیا ہوں۔

یہ ہے واضح اور قاطع رد اور یہ ہے وہ لہجہ جس کو وہ لوگ سمجھتے تھے۔

اور جوان کے شایانِ شان تھا، رہا نرمی اور مصالحت والا لہجہ وہ تو بزدلوں اور کمزوروں کا لہجہ ہے، جب وہ اس لہجے کو صحیح طریقے سے نہ سمجھ سکے تو انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے مزید کہا۔ خبردار خوب اچھی طرح سن لو، اگر میری ہزار روحیں ہوتیں تو میں ان سب کو ایمان اور آخرت کے راستے پر قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتا۔

”فخر اور تکبر کے ساتھ عدالت کے ارکان کے سامنے وہ اسی طرح چیلنج کرتے رہے اور ان کو دہشت اور خوف میں اسی طرح ڈالتے رہے۔ ایک جج یہ برملا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے اس جیسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا۔ یہ شخص موت پر تھوکتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے، حتیٰ کہ موت بھی اس سے خائف ہے۔“

ہاں واقعۃً موت اس سے ڈرتی کیونکہ وہ موت سے نہیں ڈرتے تھے اور وہ بخوبی جانتے تھے کہ موت روشنی اور سعادت کی دنیا میں داخلے کا ٹکٹ اور ویزا ہے۔ وہ شخص جو ایمان کی گہرائی کی اس حد تک پہنچ چکا ہو۔ اس کو اس حقیقت کے اظہار میں کیا تردد ہوگا۔ وہ حقیقت جس کے لیے کئی ملین لوگوں نے اپنے سر قربان کر دیئے، ہمارے سر بھی اس کیلئے قربان ہیں۔

ہر بات گوارا ہے لیکن

ہزاروں بلکہ کئی ملین وہ مجاہدین جن کی کھالیں ایمانی حقائق کے راستے میں ادھیڑ دی گئیں وہ ہمارے مقتدا اور قابلِ تقلید ہونے چاہئیں۔ جب ان سے کہا جاتا کہ

آپ اپنی کتابوں اور رسائل کے ذریعے ہمارے ماحول کو خراب کر رہے ہیں اور آپ ہماری دنیوی لذات اور آرائشوں سے انتفاع کے درمیان حائل ہو رہے ہیں۔ سنو! وہ جواب دیتے ہوئے کیا کہتے ہیں؟

''میں تمہارے دنیوی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتا لیکن یہاں ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کنارہ کشی اور اس کی شان میں کمی نہیں ہو سکتی۔

مذہب اور دین سے علیحدگی ممکن نہیں

وہ یہ ہے کہ کسی بھی قوم کیلئے یہ ممکن نہیں کہ وہ دین و مذہب سے علیحدہ ہو کر زندگی گزارے۔ دین و مذہب ایسا دستور ہے جس کو پوری دنیا جانتی ہے۔ جب اس حقیقت کی پوری دنیا معترف ہے تو اس سلسلے میں ایشیا تو ایک خاص اہمیت سے دیکھا جاتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس ایشیا سے جو کئی زمانوں سے وحی کے اترنے کی جگہ اور مختلف ادیان کی آغوش رہا ہے۔ اس سے ایمان کو نکال دیں۔

یہ خارق عادت قوت کہاں سے آئی

انسان کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے یہ خارق عادت قوت جس کے ذریعے اس نے سرکشی اور فساد کی ان طغیانی موجوں سے ٹکر لی ہے۔

یہ شخص کفر سے لڑ رہا ہے اور ارتداد، گمراہی اور حق سے روگردانی کے آشیانوں کو روند کر یہ اعلان کر رہا ہے۔ تمہارے بے دینوں کے گڑھ پورے یورپ سے ''میں'' ٹکر لوں گا۔

ایمان اور قرآن نے میرے اندر پچاس ملین افراد کی قوت پیدا کر دی ہے

اس سوال کا جواب ایک میں دیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اس خارق عادت قوت کا سرچشمہ ایمان اور قرآن ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایمان اور میری وہ محنت جو قرآن سے

وابستہ ہے۔ ان دو چیزوں نے میرے اندر پچاس ملین افراد کی طاقت پیدا کر دی ہے۔

''ایمان اور قرآن'' دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔ وہ ایمان جس کا سرچشمہ قرآن ہے، یہ ہے ان کی تمام تر طاقت کا سرچشمہ۔

اور اس طاقت کے سامنے کتنی ہی طاقتیں جھکی ہوئی ہیں اور کتنے عرش اور تاج اس کے سامنے لرزتے ہیں جس کے پاس یہ قوت ہو۔ اس کو کسی قسم کی دھمکی نہیں ڈرا سکتی اور اس کو بڑے سے بڑے نام اور عہدے بھی مرعوب نہیں کر سکتے۔

اس کے سامنے دشمنوں کی کثرت اور سامان جنگ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

اگر پوری دنیا ہمارے مقابلے میں آجائے تب بھی

اگر پوری دنیا ہمارے مقابلے میں آجائے تو تب بھی وہ ہمیں اللہ کی مدد اور قرآن کی طاقت کی وجہ سے شکست اور مغلوب نہیں کر سکتی۔ ہم ان مرتدین، بے دینوں اور زندیقوں کے ہاتھ میں کسی حال میں بھی قیادت نہیں دے سکتے۔

چند اشارے

شدید اختصار کے ساتھ پیش کیے گئے یہ چند اشارے اور اقوال ہیں جو اپنے اندر دین کے ہیں محافظ اور عالم دین کے دفاعی کارناموں کے کئی صفحات سموئے ہوئے ہیں۔ ان اشارات کو ہم سعادت سمجھ کر عربی قاری کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس مواد کو انہی ''استاد و معلم'' کے ان اقوال سے منتخب کیا گیا ہے جو انہوں نے مختلف مناسبتوں سے ارشاد فرمائے۔ خاص طور پر ان اقوال سے جو انہوں نے ترکی کی بعض عدالتوں میں اپنے دفاع میں ارشاد فرمائے۔

---

[1] حضرت استاد عبدالفتاح ابوغدہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عظیم ترک مجاہد کے کارنامے عرب دنیا کے سامنے پیش کیے اور احقر کو یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے، ہم اردو دان طبقے کی خدمت میں ان کے حالات پیش کر رہے ہیں۔ شاید اس طرح کوئی ایسا مجاہد پیدا ہو جائے جو جدید دور کے پاشا اور اس کے حواریوں کے خلاف میدان میں اتر آئے۔

یہ عدالتیں حدود کے اعتبار ''اسکی شہر افیون اور دینیزلی'' کی عدالتیں ہی ہیں۔
ان عدالتوں کے احوال کو تفصیل کے ساتھ ''مدافعاتی'' نامی ضخیم کتاب میں جو تقریباً پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، جمع کیا ہے۔ یہ صفحات جو قارئین کے سامنے ہیں جسامت میں کمتر ہونے کے باوجود ہمارے سامنے اس محافظ اور استاذ کے دفاعی کارناموں کی ایک جیتی جاگتی تصویر پیش کرتے ہیں جس نے اپنی عقل، ذہن، فکر اور قلم کو بلکہ پوری زندگی کو ایمان اور قرآن کی خدمت کی نذر کر دیا تھا۔

اس نے اپنی نایاب ہمت اور صبر کے ساتھ ان دونوں کا دفاع کیا۔

استقامت

دھمکیاں اور مصائب ان کو اس دفاع کے کام سے دور نہیں ہٹا سکے۔ زندگی کا ایک بڑا حصہ جلاوطنی جیلوں کی قید اور پابندیوں میں گزارنے کے باوجود بھی ان کے عزائم میں کمی نہیں آئی۔

ان کی وہ زندگی جو روشنی کی وہ کرن تھی جس نے دنیا کو روشن کیا اور وہ سلگتی چنگاری تھی جس نے اللہ کے دین کے دشمنوں کی آرزوئیں خاکستر کر دی تھیں۔ اپنی زندگی کے آخری سانس تک وہ جہاد اور دین کا دفاع کرتے رہے۔

استاد اور معلم کے کارناموں اور آثار کو شمار کرنے سے مقام انتہائی تنگ دامنی کی شکایت کر رہا ہے۔

مختصر طور پر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ قیادت کرنے والے ایک ایسے فکری مدرسے کے بانی تھے جس کی آغوش میں مسلم ترکی قوم مختلف طبقات کے ہزاروں نہیں بلکہ کئی ملین افراد نے تربیت پائی۔

یہ مدرسہ ''رسائل نور'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کے یہ مجموعہ رسائل دنیا کے مختلف شہروں اور دیہاتوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے علاوہ ان کے دیگر رسائل جو تقریباً ایک سو تیس کے لگ بھگ ہیں۔

یہ تمام رسائل قرآنی آیات اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کرنے کے ساتھ امت مسلمہ کو درپیش بہت سے مسائل اور مشکلات کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔

ترکی میں دینی بیداری کا وہی باعث تھے

ہم اپنے اس اقرار میں نہ حق سے تجاوز کرنے والے ہیں اور نہ ہی اس کی تحقیر کرنے والے ہیں کہ استاذ ہی ترکی میں دینی بیداری کا باعث تھے اور ہمارے اس دور جدید کی اسلامی تحریکوں کے وہ ایک بڑے قائد تھے۔

اللہ ان کو اپنی وسیع مغفرت اور رضامندی میں ڈھانپ لے اور اپنے فضل و احسان کی ان پر بارش برسائے ہمیں اور دیگر مسلمانوں کو ان کے علوم سے نفع پہنچائے۔ (آمین)

(استاذ فاضل عاصم حسینی کا کتاب ''سیرۃ امام مجدد/بدیع الزمان النورسیؒ'' پر لکھا ہوا مقدمہ مکمل ہوا۔)

ایک نصیحت

شیخ سعید نوری کی لمبی داستان سے یہ مختصر تذکرہ اگرچہ میری اس کتاب ''العلماء العزاب'' کے پیمانے سے بڑا ہے لیکن میں پھر بھی اس مجاہد عالم بدیع الزمان نوری کے حالات زندگی کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے والے قاری کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ استاذ فاضل احسان قاسم صالحی کی کتاب ''بدیع الزمان سعید النورسی نظرۃ عامۃ عن حیاتہ و آثارہ'' کا ضرور مطالعہ کرے۔

یہ کتاب جامع اور انتہائی مفید ہے، اس کتاب میں آپ کو اس داعی اسلام پر ڈھائے گئے مختلف مصائب و آلام کی تصویریں اور اسلام و انسانیت کے دشمن ''کمال

---

۱ یہ مبسوط سوانح حیات ایک عمدہ رسالے کی صورت میں پہلی مرتبہ ۱۹۷۳ء میں مکتبہ دارالنور مطبول سے شائع ہو چکی ہے۔ دوسری بار اس کی اشاعت ۱۹۸۰ء کو ہوئی۔

پر شاہی' حکمرانوں کے سیاہ کارنامے دیکھنے کو ملیں گے۔

اس کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ دین اسلام کو جدید علمانی ترکی میں کیسے ستایا جاتا تھا اور اس کی کیسے کیسے اہانت کی جاتی تھی۔

اس کتاب میں شیخ نورسی کے حالات زندگی اور ان کے اقوال کا ایک بڑا علمی ذخیرہ آپ کو ملے گا۔ اسی طرح بعض مشکل معاملات کے حل اہل سنت والجماعت کے حقوق کی رعایت اور مختلف مسلمانوں کے مابین اخوت ایمانی کی رعایت کے متعلق بہت سے علمی جوابات بھی آپ کو اس کتاب[1] میں ملیں گے۔

☆ ☆ ☆

[1] سن ۱۹۸۷ء کو مکتبہ قشاق اسطنبول سے یہ کتاب شائع ہوئی۔ تیسری بار اس کتاب کی اشاعت ۱۹۸۸ء کو مصر کے شہر منصورہ کے مکتبہ وفاء سے ہوئی۔ اس کتاب کی عام اشاعت ترکی کے "دار سی آسیا للنشر" سے ہوئی۔

﴿مالکی مذہب کے فقیہہ شیخ محمد بن یوسف (۱۲۷۸ھ تا ۱۳۸۰ھ)﴾

یہ طویل عمر پانے والے ایک جلیل القدر عالم، مالکی مذہب کے فقیہہ، ایک دانشور شیخ محمد بن یوسف بن محمد کافی تونسی اور دمشقی ہیں۔

ولادت اور وفات

تیونس کے شہر ''الکاف'' میں سن ۱۲۷۸ھ کو پیدا ہوئے اور سن ۱۳۸۰ھ کو دمشق میں ۱۰۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

نسب

ان کا نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے۔

حفظ قرآن اور تصوف کی تعلیم

چھوٹی عمر میں ہی انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد انہوں نے شیخ محمد بن محمود جیناتی سے طریقہ خلوتیہ کی تعلیم حاصل کی۔

تعلیم

ان کے کہنے پر انہوں نے طلب علم کیلئے ساحل تیونس کے شہر ''سوسہ'' کے قریب واقع ''بلد الواردنین'' نامی شہر کی طرف سفر کیا۔

۲۷ سال کی عمر میں انہوں نے علم حاصل کرنا شروع کیا۔ نحو میں انہوں نے ''الاجرومیہ'' نامی کتاب پڑھی۔

اور فقہ ''شیخ حبیب بکوش'' سے پڑھنی شروع کی۔ ''بلد الواردنین'' میں وہ دو سال تک مقیم رہے۔

طلباء علم میں ان کے اسفار کی مختصر کہانی

اس کے بعد دل میں ''جامع ازہر'' کے سفر کا خیال آیا، چنانچہ ''شہر صفاقس'' کو سن ۱۳۰۲ھ میں چھوڑ کر مغربی طرابلس کے سفر پر روانہ ہوئے۔ چند دن وہاں رہ کر وہ ''بنی غازی'' کی طرف چل پڑے اور پھر اسکندریہ کی طرف جانے والے بحری جہاز کے انتظار میں تقریباً پانچ ماہ تک یہیں ٹھہرے رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے ''حاشیہ الباحوری علی صغری السنوسیہ'' اور ''شرح الشہر قاری علی حکم ابن عطاء اللہ'' یہ دو کتابیں شیخ بدرالدین جزائری فلیجی سے پڑھیں۔

اسکندریہ کی طرف جانے والے بحری جہاز کے آنے میں جب تاخیر ہوئی تو وہ پہلے بیروت پھر دمشق کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

خان المغاربہ میں اترے اور شاذلیہ کے شیخ طیب سے ملاقات کی۔

پھر ان کو چھوڑ کر پہلے ''النبک'' پھر ''حمص'' روانہ ہوئے۔ یہاں وہ شیخ عبداللہ سعداوی کی قیام گاہ میں اترے۔

ان کے پاس وہ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک مقیم رہے، اس ڈیڑھ ماہ کے عرصے میں سوائے ضروری اوقات کے وہ ہر وقت شیخ عبداللہ کے ساتھ رہتے۔ کھاتے پیتے اور مذاکرے کے وقت دونوں حضرات جمع ہوتے اور علمی گفتگو کرتے، پھر یہاں سے شام کی طرف اور پھر بیروت، یافا، اور رملہ کی طرف روانہ ہوئے۔

بیت المقدس میں قیام

بیت المقدس پہنچ کر مغربی باشندوں کے اس احاطے میں ٹھہرے جو قرآن مجید حفظ کرنے والوں کیلئے مختص تھا، اس عرصہ قیام کے دوران انہوں نے الخلیل، بیت اللحم اور مقدس مزارات کی زیارت کی۔

یہاں کچھ عرصہ قیام کر کے وہ واپس ''یافا'' لوٹے اور بحری جہاز کا انتظار کرنے لگے۔ بحری جہاز میں سوار ہو کر وہ بوسعید اور اسماعیلیہ سے ہوتے ہوئے قاہرہ جا پہنچے۔

جامع ازہر میں آمد

۲۴ شوال سن ۱۳۰۷ھ کو انہوں نے جامع ازہر میں قدم رکھا۔ امتحان میں کامیابی کے بعد مغربی طلبہ کی رہائش گاہ میں ان کو رہائش ملی اور طلبہ کے رجسٹر میں انہیں رہائش گاہ کا نگران مقرر کیا گیا۔

سفر حجاز

جامع ازہر میں ایک سال گزارنے کے بعد وہ سفر حج پر روانہ ہوگئے۔

جامع ازہر سے فراغت

جامع ازہر میں انہوں نے تقریباً دس سال گزارے۔ سن ۱۳۱۷ھ جمادی الاول کے آخر میں انہوں نے اپنی اس مادر علمی کو خیر باد کہا۔

اساتذہ کرام

اس عرصے میں انہوں نے مندرجہ ذیل اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ شیخ احمد رفاعی فیومی انہوں نے ان کو اپنے علوم کی اجازت بھی دی۔ شیخ سلیم بشری، شیخ ابوالفضل جیزاوی، شیخ خلف حسینی، شیخ حسن داؤد صعیدی اور شیخ محمد حسنین صعیدی ان تینوں حضرات نے بھی ان کو اپنے علوم کی اجازت دی۔

شیخ علی جمعہ، شیخ خراشی، شیخ حسن زاہد، شیخ علی صالح، شیخ علی بولاقی، انہوں نے بھی ان کو اپنے علوم کی اجازت دی۔

شیخ عبدالغنی محمود شیخ بخیت ادریس ان سے انہوں نے حساب کی تعلیم حاصل کی۔

شیخ خلف فیومی، شیخ سقاء اور شیخ محمود محمد خطاب انہوں نے بھی ان کو اپنے علوم کی اجازت دی۔

تدریس

جامعہ ازہر سے نکل کر وہ "صفاقس" کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں وہ مدرسہ

سوق الجمعہ میں پڑھاتے رہے۔ بہت سے طلبہ نے یہاں ان سے خوب استفادہ کیا۔

دیگر اسفار

اس کے بعد وہ مغربی ممالک میں پھرتے رہے، پھر استانہ کی طرف سفر کیا اور شیخ ابوالہدی صیادی سے ملاقات کی۔

یہاں سے نکل کر حج کے زمانے تک مصر اور بیروت میں گھومتے پھرتے رہے۔

دیار محبوب میں

اس کے بعد پھر حج کیلئے روانہ ہو گئے، دوران حج مدینہ منورہ کی زیارت بھی کی اور وہاں پڑھاتے بھی رہے اور بہت سے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔

دمشق میں قیام

مدینہ منورہ سے دمشق روانہ ہوئے، وہاں محلہ عقیبہ میں مکان کرائے پر لے کر علمائے دمشق سے رابطے میں رہے۔

جامع کی تدریس

جامع اموی میں فقہ مالکی کا درس بھی دیتے رہے۔

تصنیفات

ان کی بہت سی تصنیفات ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

(١) "الحصن والجنة على عقيدة اهل السنة للامام الغزالي"

(٢) "نصرة الفقيه" (٣) "المسالك على إنكار مشهورية السدل في مذهب مالك" (٤) "توضيحات الوفية" (٥) "نبذة من الأحاديث القضاعية"

(٦) "منحة رب العالمين على عقيدة الامام" (٧) "السيوطي جلال الدين"

(٨) "هبة المالك على مناسك سيدى على النورى الصفاقسي

(۹)"والأجوبة الكافية على الاسئلة الشامية"

(۱۰)"النور المبين على المرشد المعين للعلامه ابن عاشر"

(۱۱)ایقاظ ابوسنان" (۱۲)"الفاتح لمنظومة التوحيد لابن عبدالرحمن"

(۱۳) "المرآة في الرد على من غير نصاب الزكاة" (۱۴) "احكام الاحكام على تحفة الحكام على منظومة القاضي ابي بكر محمد بن عاصم الأندلسي الغرناطي"

(۱۵)"البيان الكافية في خطأوضلال الطائفة الاحمدية القاديانية" (۱۶) "الشذرات الذهبية على النصيحة الزروقية" (۱۷)"السيف اليماني المسلول في عنق من طعن في أصحاب الرسول ﷺ" (۱۸) "نقض إسلام الشاشيبي الصحيح" (۱۹)"البيان للمراد بالتغني بالقرآن" (۲۰) الدرة الثمنية في الكلام على حكم العورة في مذهب عالم المدينة[1]" (۲۱)"نسف الصوفيات وإثبات التصوف"

---

[1] عبدالفتاح کہتے ہیں کہ میں نے سن ۱۳۶۷ھ میں شیخ کافی سے دمشق میں واقع ان کے گھر میں ملاقات کی تھی۔ اس ملاقات میں میں نے بہت سے عمدہ علمی فوائد حاصل کیے۔ انہوں نے مجھے اپنی کتابوں میں سے چند کتابیں ہدیہ دیں۔ ان میں سے ایک کتاب یہ بھی ہے۔

عام علماء میں جو مشہور ہے کہ امام مالک کے نزدیک ران کو چھپانا ضروری نہیں ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اس کی تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بھی اس کو چھپانا ضروری ہے۔ البتہ دوران نماز ان سے اگر کپڑا ہٹ جائے تو اس سے ان کے ہاں نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس ملاقات میں مجھے نصیحت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ "علماء کا کہنا ہے کہ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اس سے بھی علم حاصل کرے جو اس سے مرتبے میں بڑا ہو اور اس سے بھی حاصل کرے جو اس کا ہمسر ہو اور اس سے بھی جو اس سے کمتر ہو۔

پھر انہوں نے ہر ایک کی وجہ بھی بتلائی کہ" اپنے سے بڑے آدمی سے علم حاصل کرنا اس کی وجہ تو ظاہر ہے اور اپنے ہمسر سے علم حاصل کرنے کی بھی انہوں نے کوئی وجہ بیان کی تھی جو اس وقت

(۲۲) وبغية ذي الجلال في حكم الاحتكار والعقوبة بالمال (۲۳) فوائد الحسان في بيان رسم القرآن" (۲۴) اور ضياء المبين في رسم و ضبط كلام رب العلمين"

عبادت اور زہد

وہ عبادت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مشغول رہے۔ سادہ زندگی گزارنے والے ایک عابد، متقی اور زاہد انسان تھے۔

مزاج

مزاج کے وہ ذرا سخت تھے۔ ۲۹ ربیع الثانی بروز اتوار سن ۱۳۸۰ھ میں ۱۰۲ سال کی عمر میں دمشق میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔

تجرد سے سوانح نگاروں کا اغماض

استاذ محمد مطیع اور استاذ نزار اباظہ کی تصنیف "تاریخ علماء دمشق فی القرن الرابع عشر" میں ان کے متعلق جو اہم باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ان کو نقل کر دیا گیا۔

---

۱۹ مجھے یاد نہیں ہے۔

۲۰ اور اپنے سے کمتر شخص سے علم حاصل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات تحریروں میں وہ کچھ مل جاتا ہے جو سمندروں میں نہیں ملتا۔ شیخ رحمہ اللہ نے بالکل سچ فرمایا۔

۲۱ کتنی ہی بار انسان اپنے سے کمتر شخص سے جو کچھ سنتا ہے وہ یا تو کوئی نئی علمی بات ہوتی ہے یا وہ سننے والے کے علم میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔

۱ جلد ۲/۴۳۷۔۴۳۶ ان حضرات نے ان کے تذکرے کی کتابوں کو بھی بیان کیا ہے جو یہ ہیں۔ "اتحاف ذوی العنایة" ص ۵۷ مصنفہ محمد عربی عزوزی "التوسلات الكافية" اور "احقاق الحق وابطال الباطل" ان دو کتابوں کے مقدموں میں ان کا تذکرہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں صاحب سوانح کی تصنیفات ہیں اور دیکھئے "معجم المؤلفين" ۱۴/۱۳۶۔

عجیب بات ہے کہ ان حضرات نے اپنی اس کتاب میں شیخ کے غیر شادی شدہ ہونے کو تو صراحۃً بیان کیا ہے اور نہ ہی ان کی زندگی کے اس اہم پہلو کے متعلق کہیں اشارہ کیا ہے۔

شیخ علی طنطاوی کہتے ہیں

استاد علامہ عظیم ادیب شیخ علی طنطاوی (اللہ ان کی ذات سے مخلوق کو نفع دے۔ آمین) نے اپنی انوکھی اور عمدہ کتاب ''رجال من التاریخ[1]'' میں ان کا طویل تذکرہ کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے جاننے والے اور ان کے مخالفین میں سے تھے۔ ان کے بیان کردہ تذکرے سے چند باتیں میں یہاں بیان کرتا ہوں۔

حرکت زمین کے وہ قائل نہ تھے

شیخ کافی: اس شخص سے اگرچہ آپ ناواقف ہوں گے لیکن حرکت زمین کے انکار اور اس مسئلے کے قائل پر ان کے رد کے بارے میں ان کی کچھ آراء سے آپ ضرور واقف ہوں گے۔ اپنی رائے پر ان کے بیان کردہ وہ دلائل جن کا اس مسئلے سے تعلق ہی نہیں ہے، اس سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ یہ تیونس کے ایک شیخ ہیں۔

ہمارے خاندان کے ساتھ ان کا تعلق

پہلی عام جنگ کے بعد سلامتی کے ساتھ وہ دمشق آئے تھے۔ میرے والد اور میرے چچا ان کی صحبت میں رہے۔ ایسے گھل مل کر رہے کہ حتیٰ کہ ان کو انہی کے گھر کا ایک فرد سمجھا جانے لگا۔

تیونسی اور شامی کا ایسے گھل مل کر رہنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان حدود کا اس وقت کوئی وجود نہ تھا۔

ہمارے ہاں بعض اساتذہ تیونس جزائر اور مغربی طرابلس کے تھے، ان تمام

[1] صفحہ ۳۲۱،۳۲۲

جگہوں کو لیبیا جس کا قدیم نام لوبیہ تھا کہا جاتا ہے۔

اس طرح ہمارے ہاں بعض اساتذہ ترکی کے ایک اور استاذ جن کا نام شیخ عبدالواسع بن یحییٰ واسعی تھا وہ یمن کے تھے۔

شیخ کافی جن کے متعلق میں گفتگو کر رہا تھا، وہ اپنے ہم عصروں میں منفرد شخصیت کے مالک تھے، وہ مالکی مذہب میں راسخ اور اس کی تقلید میں متشدد تھے۔

وہ جیسی چاہتے زندگی گزارتے

لیکن تقلید کی اس شدت نے انہیں اپنے ہمعصروں میں ممتاز نہیں کیا ورنہ تو اس زمانے میں کتنے ہی فقہاء مقلد ہیں، ان کی اصل خصوصیت یہ تھی کہ وہ جیسی چاہتے تھے زندگی گزارتے تھے۔

کسی طرف سے ان کی تنخواہ مقرر نہیں تھی جس کو بچانے کیلئے وہ مالداروں کی چاپلوسی کرتے، نہ ہی وہ سیاستدانوں میں سے تھے۔

کہ اپنی حیثیت برقرار رکھنے کیلئے ان کو عوام کو راضی کرنا پڑتا اور جمہور کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے پاپڑ بیلنے پڑتے، نہ ہی وہ تاجر تھے کہ ان کو لوگوں کے ساتھ نرمی کرنی پڑتی تاکہ ان کے خریدار اور ان کے ساتھ کام کرنے والے ان سے دور نہ ہوں۔

خودداری

ضرورت کے وقت بھی کسی کی خاطر داری کرنا ان کو گوارہ نہ تھا، تیونس میں ان کا کوئی ذریعہ معاش تھا جس کی آمدنی ان کے لیے کافی ہو جاتی تھی اور میرے خیال میں وہ کوئی فصل تھی کیونکہ چند سال وہ (شیخ کافی) زیتون کا تیل بھی بیچتے رہے۔

دوسری صدی میں قدم

وفات سے دس دن پہلے انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اپنی عمر کی دوسری صدی میں قدم رکھ چکے ہیں۔ "مقبرہ دحداح" میں تدفین کے وقت ان کی تعزیت میں میں نے

یہ بات کہی تھی۔(مترجم)

اس تمام زندگی میں وہ غیر شادی شدہ ہی رہے۔

آزادی

رشتہ ازدواج کی پابندی سے وہ ایسے ہی آزاد رہے جیسا کہ تنخواہ کے سلسلے میں روابط اور اجتماعی طور پر معاشرت کی رعایت رکھنے سے وہ آزاد رہے۔

اخلاق

محلہ دوبچہ میں واقع ہمارے چھوٹے سے گھر میں وہ تیس سال تک رہائش پذیر رہے۔ میری پیدائش اور تربیت اسی گھر میں ہوئی۔ شیخ کافی ہمارے جانے کے بعد اس گھر میں آئے۔

انہوں نے اپنے ساتھ اس گھر میں مدینے کے ایک خاندان کو بھی ٹھہرایا ہوا تھا، میرے خیال میں یہ خیاری کا خاندان تھا۔

خیاری ایک نیک، شیخ کا خیال رکھنے والا اور صالح شخص تھا، وہ اپنے گھر سے کھانا تیار کرکے خود شیخ کو ان کے کمرے میں پیش کرتا تھا، میرے دل میں شیخ کافی کا مرتبہ شیخ صالح تونسی کے مرتبے سے زیادہ تھا۔

شیخ صالح تونسی سے میں نے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، ان کے اپنے اوپر احسان کا مجھے انکار نہیں ہے۔ وہ شیخ کافی کے ساتھی اور دوست ہیں۔ شیخ کافی بعض اوقات مزاج کے نرم ہو جاتے تھے حتیٰ کہ ہم ان سے مانوس ہو جاتے، وہ ہمیں پکڑ کر شام کے باغیچوں یا وادی میں واقع ''سیران'' نامی سیرگاہ میں لے جاتے۔ ہمارے لیے وہ بڑے لڑکوں کو بھی بلا لیتے اور نشانہ بازی کے کھیل کا آغاز کرتے اور اس میں سب کو شریک کرتے ایک پتھر کو ہدف بنا کر کھڑا کر دیتے اور یہ اعلان کرتے کہ جس کا نشانہ صحیح لگا اس کو یہ انعام دیا جائے گا۔ کبھی کبھی وہ ہمارے درمیان دوڑنے کا مقابلہ بھی کرواتے۔ ہر مرتبہ وہ ایسے کھیل ایجاد کرتے تھے جس سے لوگ ناواقف ہوتے تھے۔

سیران نامی اس سیرگاہ میں وہ اپنی سنجیدگی اور مزاج کی تیزی سے دور رہتے تھے۔ یہاں وہ سب سے زیادہ خوش رو اور سب سے زیادہ نرم مزاج ہوا کرتے۔ نوادرات اور لطائف بیان کرکے خود بھی ہنستے اور اپنے ساتھیوں کو بھی ہنساتے گوند کے درخت پر چڑھتے اور اس کے آخری حصے تک پہنچ جاتے، ان کے بوجھ سے جب درخت جھکتا تو وہ بھی اس کے ساتھ جھک جاتے۔

لطائف

ان سے جب کوئی کسی چیز کے بارے میں پوچھتا تو ان کے جوابات عجیب ہوا کرتے تھے، ایک رات وہ میرے چچا کے گھر میں سوئے، رات کی نیند کے بارے میں جب صبح ان سے پوچھا گیا تو ان کا جواب تھا کہ بستر سردیوں کی نیند کیلئے مناسب ہے۔ جب تک خود انہوں نے اس جواب کی وضاحت نہ کی، اس وقت تک ہم ان کے اس جواب کو نہ سمجھ سکے۔ ان کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ بستر چھوٹا ہے۔ سردیوں میں اگر اس میں سویا جائے تو وہ کشادہ ہوگا کیونکہ سردیوں میں انسان اپنے جسم کو سمیٹ کر سوتا ہے اور گرمیوں میں اس بستر میں سویا جائے تو وہ تنگ دامنی کی شکایت کرے گا کیونکہ گرمیوں میں انسان جسم پھیلا کر سوتا ہے۔

متوفی اللہ ہے

ایک مرتبہ ہم ان کے ساتھ کسی جنازے میں شریک تھے، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ متوفی (فاء کے ساتھ) کون ہے؟ جواب میں انہوں نے کہا متوفی اللہ جل شانہٗ ہے۔ اس شخص نے سمجھا کہ یہ کفر کر رہے ہیں۔ وہ کچھ لوگوں کو ان کے خلاف جمع کرکے لے آیا۔ اس پر ہم نے ان کے جواب کی وضاحت کی۔ اس کا معنی ہے اٹھانے والا اور اٹھانے والا تو اللہ جل شانہٗ ہی ہے اور میت کیلئے جو لفظ استعمال ہوتا ہے، وہ فاء کے فتح کے ساتھ یعنی متوفّٰی ہے۔

ان کا منظور نظر

جو بات ان کو صحیح معلوم ہوتی اس پر وہ مضبوطی سے قائم رہتے، ہر مسئلے میں ان کا ایک ہی قول ہوا کرتا تھا، جو اس کو مان لیتا وہ ان کا منظور نظر ہوتا اور جو اس کو رد کر دیتا اس کو ان کی بارگاہ سے بھی مردود قرار دے دیا جاتا۔

استقبال کے لیے کھڑے ہونے کا مسئلہ

باہر سے آنے والے شخص کے استقبال کے لیے کھڑے ہونے سے وہ منع کیا کرتے تھے، ایک دن میرے والد اور علماء فضلاء کی ایک جماعت کے ساتھ تھے کہ محکمہ اوقاف کا بڑا نگران آیا اور یہ نگران اس سے قبل شام اور لبنان کے اوقاف کا بھی نگران رہ چکا تھا تو گویا یہ ایک بڑا آدمی تھا۔ اس کے استقبال کے لیے تمام لوگ کھڑے ہوئے لیکن وہ کھڑے نہ ہوئے اور اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔

کتابوں کی نشر واشاعت

وہ کتابیں تصنیف کر کے ان کو اپنے خرچ پر شائع کرتے اور لوگوں میں تقسیم کرتے۔

سب سے پہلے انہوں نے متاخرین کے طریقے پر "الاجوبة الكافية على الاسئلة الشامية" لکھی۔

متاخرین میں سے کوئی عالم جب کسی شہر میں جاتا تو جو سوالات اس سے کیے جاتے، وہ ان کے جوابات دے دیتا اور پھر ان جوابات کو ایک تصنیف کی صورت میں شائع کر دیا جاتا ان کی یہ پہلی تصنیف اسی طریقے پر تھی۔

اس کے بعد انہوں نے "المسائل الكافيه" لکھی۔

محمد عبدہ اور شیخ رشید رضا کے خلاف فتویٰ

زمین کے گھومنے کے نظریے کا انکار کرتے تھے اور اس کے قائل کو کافر قرار دیتے تھے، اس مسئلے میں انہوں نے شیخ محمد عبدہ اور سید رشید رضا کو بھی معاف نہیں کیا۔

گزشتہ چند سالوں سے اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا، اس کا اکثر حصہ تقریباً لفظ بہ لفظ شیخ کافی ہی کی کتابوں سے لیا گیا ہے۔

درود وسلام اور نعتیں کھینچ کھینچ کر پڑھنے والوں کے خلاف

صوفیاء کے طریقوں پر چلنے والوں کی مخالفت کیا کرتے تھے، ایک دن وہ تیونس میں تھے، اسی دن تیونس میں کسی مناسبت سے صوفیا کا اجتماع ہوا تھا، اس اجتماع میں وہ آپ ﷺ کی شان میں گلوکاری کے لہجے میں ایسے طریقے سے نعتیں پڑھتے تھے جس سے بعض کلمات میں تبدیلی آجاتی تھی۔ کلام کو کبھی توڑ کر اور کبھی ملا کر پڑھنے کے اس طریقے سے بعض اوقات معنی بھی بدل جاتا تھا۔

ان لوگوں کی جماعت جب شیخ کافی کے قریب سے گزری تو وہ خیزران نامی درخت کے نرم ڈنڈے لے کر اپنے شاگردوں کی معیت میں ان کے خلاف نکل آئے اور ان کی جماعت کو منتشر کر دیا اور ان کو آگے جانے سے روک دیا۔

اس پر پولیس ان کو پکڑ کر ''والی شہر'' کے پاس لے گئی۔ ''والی شہر'' کے پاس پہنچ کر انہوں نے

﴿السلام علیکم ما أحلی عیونک، وما أبهی جبینک یا سید الملاح﴾

ترجمہ ''آپ پر سلامتی ہو، آپ کی آنکھیں کس قدر شیریں اور کتنی پیاری ہیں۔ آپ کی پیشانی کس قدر خوشنما ہے۔

انہوں نے اس کلام کو ان کی طرح ترنم کے ساتھ یوں پڑھا۔ السلام علی علی علی علیکم علیکم کم کم ما ح ماح ماحلی عیونک ما ابهی جبینک یا سیدنا الملاح لاح لاح

کلام کو سن کر والی غصے سے بولا یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا تم پاگل ہو؟ والیوں کو کیا ایسے مخاطب کیا جاتا ہے؟ اس پر انہوں نے کہا کیا والی کا مقام رسول ﷺ کے مقام سے

بلند ہے۔

والی نے کہا اللہ کی پناہ میں کہاں؟ اور رسول اللہ ﷺ کہاں؟ انہوں نے کہا آپ کو اس طرح سلام کرنے سے اور آپ کے بارے میں اس طرح غزل کہنے سے جب غصہ آتا ہے تو آپ نے ان لوگوں کو کیوں اجازت دی ہوئی ہے کہ وہ اس طرح سید البشر خاتم الانبیاء کی بارگاہ میں اپنا کلام پیش کریں، یہ سن کر والی نے کہا، آپ صحیح کہتے ہو۔

نا قابل معافی

جس بات کو وہ صحیح سمجھتے اس پر ڈٹے رہتے تھے۔ اگرچہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہوتا تھا۔

ان کی رائے کو چھوڑ کر جو دوسروں کی رائے کو صحیح سمجھتا، وہ ان کی تنقید سے بچ نہیں سکتا تھا۔

پہلے دور کے آدمی

وہ ایک عبادت گزار، ذاکر، شاکر، رات کو مصلے پر کھڑے ہونے والے، شیخ کی تصویر تھے۔

حق بات کا برملا اظہار کر دیا کرتے تھے لیکن زندگی پہلے دور کی عقل کے ساتھ گزارتے تھے حالانکہ وہ اس جدید دور کے لوگوں کے درمیان تھے۔

شرف قبولیت

صحیح بات ان کے ہاں وہی ہوا کرتی تھی جس کو انہوں نے پڑھا اور یاد کیا ہوتا تھا، اس کے علاوہ کسی بات کو وہ نہ ہی پسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے اور نہ شرف قبولیت بخشتے تھے۔

متعصب فقیہ

طحطاوی لکھتے ہیں کہ مذہب مالکیہ کے متعصب فقیہ تھے جو بات ان کے علم

سے باہر ہوتی تھی اس کو وہ پھینک دیتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے زمین کی حرکت کا انکار کیا ہے اور اس کے قائل کو کافر قرار دیا ہے۔

دو بار انہوں نے دمشق کی فضا میں ارتعاش پیدا کیا

اپنی آراء سے انہوں نے دوبار دمشق کی فضاء میں ارتعاش پیدا کیا۔

بدعات کے خلاف

پہلی بار اس وقت جب انہوں نے کسی کا یوم ولادت منانے کو ناجائز قرار دیا اور اپنے زمانے میں رائج بہت سی بدعات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس پر شام کے بہت سے مشائخ اور خاص طور پر صوفیاء ان کے خلاف محاذ آراء ہو گئے لیکن انہوں نے ان کی کوئی پرواہ نہ کی اور اپنے نظریات پر ثابت قدم رہے۔

جدید طرز پر لکھے گئے قرآن پڑھنے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ

دوسری بار انہوں نے اپنی نظریات سے دمشق کو پہلے سے زیادہ اس وقت ہلایا جب انہوں نے ہر اس شخص کو کافر قرار دیا جو جدید طرز کتابت پر لکھے گئے قرآن مجید پڑھے۔

امام مالک کے مذہب کے مطابق ان کی رائے تھی کہ قرآن کو صرف اسی طرز پر لکھنا صحیح ہے جس طرز پر وہ قرون اولیٰ میں لکھا گیا لیکن اس سلسلے میں انہوں نے ایسا مذہب اختیار کیا جو اس سے پہلے کسی کے بھی وہم وگمان میں نہ تھا اور اس مذہب کا ان لوگوں میں سے بھی کوئی قائل نہ تھا۔

جو قرآن مجید رسم عثمانی کے مطابق لکھنے کے قائل تھے، ان کا کہنا تھا کہ مصحف عثمان میں باء، تاء، ثاء، جیم، خاء وغیرہ حروف پر نہ نقطے تھے اور نہ ہی اس میں زیر، زبر اور پیش یہ حرکات تھیں۔ لہٰذا ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم اپنے مصاحف کو ان چیزوں سے خالی رکھیں۔

اس سلسلے میں انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا جس میں انہوں نے اپنی عادت

کے مطابق تشدد پسندانہ لہجہ اختیار کیا ہے اور ان تمام کا انکار کیا ہے جن کا مصحف عثمان پر بعد میں اضافہ کیا گیا، اس رسالے میں انہوں نے ان تمام مسلمانوں کی خوب مخالفت کی ہے جو ان مصاحف میں تلاوت کرتے ہیں۔

ان کے اس نظریے کی وجہ سے ان کے تمام دوست اور ساتھی ان سے جدا ہو گئے۔

شیخ محمد اھدلی کا ان پر رد

جری عالم اور فاضل شیخ محمد اھدلی یمانی جو کہ محکمہ قضاء میں میرے دوست اور مجھ سے افضل ہیں۔ انہوں نے ایسی عورت کی طرف سے ایک فرضی دعویٰ مرتب کیا جو اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کر رہی ہو کیونکہ اس کا شوہر جدید طرز پر لکھے گئے مصاحف میں تلاوت کرنے سے مرتد ہو چکا ہے اور وہ اس پر حرام ہو چکی ہے۔

اس دعوے کے جواب میں انہوں نے خود ایسا عجیب اور تفصیلی فیصلہ صادر کیا جو اس سے قبل کسی عدالت نے صادر نہ کیا تھا۔ اپنے اس فیصلے کو انہوں نے علمی دلائل، مفید ابحاث اور نادر عبارات سے مزین کیا اور ماہر علماء کے حوالے سے بندوں کے مقاصد کے مخفی پہلوؤں کو واضح کیا۔

اس فیصلے میں انہوں نے طٰہٰ حسین پر ان کی کتاب ''الشعر الجاہلی'' کے بارے میں اور رصافی کے ان خیالات پر جن کو ان سے ''امین ریحانی'' نے نقل کیا ہے، رد کیا ہے۔

یہ فیصلہ بہت سے مفتیوں کے فتاویٰ خاص طور پر دمشق میں حنابلہ کے مفتی ''شیخ جمیل شطی'' کے فتویٰ جس پر شوال سن ۱۳۶۰ھ کی تاریخ درج ہے، جس میں کہتے ہیں۔

قرآن مجید کو مصحف عثمان کی طرز پر لکھنے کے دعوے پر اجماعی بات کہنے پر کوئی دلیل نہیں ہے جو اس بات کا مدعی ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش کرے۔ اس کے علاوہ اس فیصلے کی تائید میں ''شرح شاطبیہ'' کے حوالے سے ''ملا علی قاری

جزیبیہ'' کا کلام''زکریا انصاری'' کے فتاویٰ کے حوالے سے ان کا کلام اور زرکشی کی
''البرہان'' کے حوالے سے عزبن عبدالسلام کے کلام کو ذکر کیا گیا ہے۔

آج کل قرآن مجید کو قرون اولیٰ کے طرز پر لکھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے جاہل شخص قرآن مجید پڑھنے میں غلطیاں کریں گے۔

اس فیصلے میں شام کے قراء کے شیخ سلیم حلوانی کے اس رسالے کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جو انہوں نے شیخ کافی کے اس نظریے کے خلاف لکھا تھا۔

شیخ سلیم حلوانی میرے والد اور چچاؤں کے بعد شیخ کافی کے سب سے قریب ترین ساتھی تھے۔ وہ ان سے کسی حال میں جدا نہ ہوتے تھے لیکن اس رسالے کی اشاعت کے بعد وہ بھی ان سے جدا ہو گئے۔

ایک حادثہ

ایک مرتبہ گرنے کی وجہ سے ان کی کمر کی ہڈی ٹوٹ گئی، تمام ڈاکٹروں نے ان کو لاعلاج قرار دے دیا۔ اس کے بعد چلنے پھرنے سے قاصر ہونے کی وجہ سے زندگی کے باقی ایام انہوں نے کرسی پر بیٹھ کر گزارے۔ وہ اسی حالت پر تھے کہ دوسری جنگ عظیم شروع ہوگئی اور وہ ہمارا تیونس سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ رابطے کے اس انقطاع کی وجہ سے ان کی مالی امداد بھی رک گئی۔

اس پر میں نے اور میرے چچازاد بھائی ڈاکٹر سامی بیبیہ نے خوب غور کیا۔ کہ ان تک مالی امداد کس طرح پہنچائی جائے لیکن سونے کے چار انگریزی سکوں سے زائد ہم امداد حاصل نہ کر سکے۔ یہ تھوڑی سی مالی امداد لے کر ہم ان کی طرف چل پڑے لیکن راستے میں ہم یہ سوچ رہے تھے کہ ہم ان کو یہ پیش کیسے کریں گے۔

عجیب وغریب ایثار

وہاں پہنچ کر آنے کا مقصد بیان کرنے سے قبل میں نے لمبی تمہید باندھی وہ سمجھ گئے اور ہنس کر بولے واضح کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

میں نے کہا میں اور ساتھی کچھ ہدیہ پیش کرتا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا لاؤ، یہ کہہ کر بغیر تردد کے انہوں نے ہمارا ہدیہ قبول کرلیا جس پر ہمیں بہت تعجب ہوا۔ (مگر یہ تعجب حیرت میں یوں بدل گیا کہ)

ان دنوں میں ''دوما'' کا قاضی تھا، اس علاقے میں بعض مغربی لوگ بھی رہتے تھے۔ شمالی افریقہ کے تمام مسلمانوں کو چاہے اس کا تعلق طرابلس سے ہو یا تیونس سے یا جزائر سے یا مراکش سے ہم مغربی ہی کہہ کر پکارتے تھے۔

کچھ دنوں بعد میرے پاس ان مغربی مسلمان میں سے ایک شخص آیا اور اس نے میرے سامنے شیخ کافی کی تعریف کرنی شروع کردی اور ان کے لیے دعائیں کرنے لگا، پھر اس نے ہمیں کہا کہ انہوں نے میری ضرورت معلوم کر کے مجھے چار انگریزی سکے دیئے تھے۔

ایک دلچسپ قصہ

ان کے تذکرے کو میں ایک دلچسپ واقعہ سے ختم کرتا ہوں۔ اس دلچسپ واقعہ کو مجھے ''الرسالۃ المستطرفہ'' جو کہ اپنے موضوع میں میرے نزدیک ایک بے نظیر کتاب ہے کے مصنف سید محمد بن جعفر کتانی کے بیٹے ''سید مکی کتانی'' نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں۔

شیخ صالح تیونسی ایک بار شام تشریف لائے تو شیخ کافی نے ان کو اور شیخ زین العابدین کو (یہ دونوں میرے اساتذہ بھی ہیں) صبح کے کھانے کی دعوت دی اور کھانے کیلئے مقرر کردہ وقت سے ان حضرات کو مطلع کر دیا۔

چنانچہ یہ حضرات کھانے کیلئے مقررہ وقت سے دو گھنٹے پہلے ہی حاضر ہو گئے تو شیخ کافی نے ان کو دیکھ کر کہا کہ اس وقت تو میں نے آپ حضرات کو نہیں بلایا تھا۔ فلاں وقت پر میں نے آپ حضرات کو آنے کی دعوت دی تھی۔ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ.

ترجمہ: ''اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لیے (ترجمہ شیخ الہند)

اس وقت واپس چلے جاؤ اور مقررہ وقت پر آ جانا اس پر ان حضرات کو اور انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حسن اخلاق

سید علی کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں شیخ کافی کے پاس گیا تو وہ اچھے طریقے سے ملے، میں نے ان کو کہا آپ حق بات کو سننا پسند کرتے ہیں اگرچہ کہنے والا آپ کا شاگرد اور آپ کے بیٹے کی طرح ہو؟

انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے غلطی کی انہوں نے کہا کیسے؟

میں نے کہا دو مہمان آپ کے پاس چل کر آئے اور شیخ صالح تو سفر سے آئے تھے، تو کیا جو کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ اس سے بہتر کے مستحق نہ تھے۔

انہوں نے کہا اب کیا ہو سکتا ہے، میں نے کہا کہ آپ دوبارہ ان کی دعوت کریں اور ان کو بلائیں۔ انہوں نے کہا اگر وہ نہ آئیں تو؟ میں نے کہا میں ان کو لے کر آؤں گا۔

اس کے بعد میں ان حضرات کی طرف شیخ زین کے گھر گیا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے کہا تمہیں خبر ہے کہ شیخ نے کیا کیا؟ میں نے کہا کیا کیا انہوں نے؟

اس پر انہوں نے مجھے سارا قصہ سنا دیا، میں نے کہا آپ نے اس سلسلے میں ان کو معذور کیوں نہیں سمجھا۔ ایک ایسا شخص جس کی زندگی ایک کرسی پر بیٹھ کر گزر رہی ہے۔ اس کو اگر پیشاب یا وضو کی ضرورت پڑے اور آپ حضرات اس کے سامنے بیٹھے ہوں اور اس کو آزادی کے ساتھ اپنی جگہ سے چلنے سے روک رہے ہیں تو کیا یہ صحیح ہے؟

آپ کے لیے مناسب تھا (اور میں تو آپ کا شاگرد اور آپ کے بیٹے کی طرح ہوں) کہ آپ حضرات ان کی صحت پر اللہ کا شکر کرتے اور ان کو بیماری کی اس حالت میں

معذور سمجھتے۔

انہوں نے کہا اب کیا ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا اگر میں ان کو دوبارہ دعوت کرنے پر راضی کروں، تو کیا آپ حضرات ان کی دعوت کو قبول کرو گے۔ انہوں نے کہا ہاں۔

اہل علم یوں ہی کیا کرتے ہیں

اہل علم اور دیندار لوگ اسی طرح کرتے ہیں، ان کے درمیان اختلاف واقع ہوتا ہے لیکن بہت جلد ان کا اختلاف اتفاق میں بدل جاتا ہے۔

ان میں سے کوئی دوسرے سے نہ نفرت کرتا ہے اور نہ ہی دل میں کوئی حسد اور

ا۔ عبدالفتاح کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ سید شریف اور جلیل القدر شخصیت شیخ مکی کتانی جیسیو دمشق میں فضائل کے جامع اکابر علماء کی نشانی، مشکلات میں علماء کا ٹھکانہ، مصائب کے دور کرنے میں فضلاء کی جائے پناہ، شام اور اس کے علماء کے بے رحمت اور مصائب کے دور کرنے میں عام لوگوں کا مرجع تھے۔

مذکورہ بالا عمدہ خصلت ان کی انہی صفات حسنہ میں سے ایک ہے۔ یہ چودھویں کا چاند جب غائب ہوا تو اس کے بعد کوئی دوسرا چاند نہیں نکلا۔ شیخ مکی کتانی اور شیخ کافی کے مناقب اور فضائل میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے۔ شیخ کافی کے بچپن، جوانی اور تیونس میں ان کے ساتھ رہنے والا ایک دوست اور ساتھی طویل جدائی کے بعد دمشق آیا۔ اس نے چاہا کہ شیخ کافی سے ملاقات کی جائے اور پرانی دوستی کو از سر نو زندہ کیا جائے۔ وہ شیخ مکی کو ساتھ لے کر ایسے وقت میں ان کے دروازے پر پہنچا جب عصر کی اذان ہو چکی تھی اور شیخ کافی نماز عصر کیلئے گھر سے نکل رہے تھے۔ دروازے پر ان حضرات کی ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ان کو سلام کیا، تو شیخ کافی نے صرف سلام کا جواب دیا اور مسجد کی طرف ایسے چل دیئے جیسے وہ ان کو جانتے ہی نہ ہوں۔ ان کے اس رویے سے ان حضرات کو بڑا صدمہ ہوا، خاص کر شیخ کافی کا وہ ساتھی جو لمبا سفر طے کر کے کئی سالوں بعد ان کی ملاقات کیلئے آیا تھا۔ اس کو ان کا یہ رویہ بڑا عجیب لگا۔

اس کے بعد یہ لوگ بھی نماز کیلئے مسجد کی طرف چل پڑے۔ نماز سے فارغ ہو کر شیخ مکی نے ان سے کہا، آپ کی کیا رائے ہے؟ اگر ان کے اس سلوک کو بھلا کر شیخ سے ملاقات کر ہی لیں۔ اس شخص نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس بات کو مان لیا، ان دونوں نے شیخ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو شیخ نے دروازہ کھولا اور خندہ پیشانی، خوشی، شوق اور احترام کے ساتھ عمدہ طریقے سے ان کا استقبال کیا۔

بغض رکھتا ہے۔

شیخ کافی

شیخ کافی ایک ایسے عالم کی تصویر تھے جو اپنی فکر سے زیادہ اپنے حافظے سے معلومات پیش کرتا ہو۔ وہ اپنی ذات میں سیدھی راہ پر ہوتا ہے لیکن معاشرے کو سیدھی راہ پر لانے کی اس میں صلاحیت نہیں ہوتی۔ اس کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے لیکن اس کے پاس وہ آلہ نہیں ہوتا جس کے ذریعہ وہ اپنی معلومات لوگوں کی طرف منتقل کرے۔ نہ تو وہ صاحب قلم ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے پاس خطیب اور مقرر کی زبان ہوتی ہے۔

اللہ کی طرف بلانے سے وہ قاصر ہوتا ہے، وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے نوجوانوں کی قیادت سونپی جائے تاکہ وہ ان کی رہنمائی اللہ کی طرف کرے، نہ وہ اس شہسوار علمبردار سپاہی کی طرح ہوتا ہے جو کہ مسلمانوں کی لڑائی پر جوش دکھاتی دے رہا ہو اور نہ ہی وہ ایسا خطیب ہوتا ہے جو ہمتوں کو ابھارے اور ارادوں کو ترغیب دے۔ اس کی مثال ایسے گودام کے محافظ کی ہے جس میں اموال اور دیگر سامان بطور حفاظت کے رکھا جائے اور وہ ضرورت کے وقت امانت کو پورا پورا واپس کردے۔ ایسے محافظ کو اجرت دی جاتی ہے اور اس کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ البتہ وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ ارض اسلام میں اضافہ کرے اور لشکروں کی قیادت کرے اور شہروں کی حفاظت کرے۔

وہ عوام میں ایسی شخصیت ہوتی ہے جس کی ہمیں ضرورت تو پڑتی ہے لیکن ہم ان پر اعتماد نہیں کرسکتے۔ (بقیہ)

بقیہ حاشیہ: ان کے دو مختلف رویوں سے ان حضرات کو تعجب ہوا تو انہوں نے شیخ سے کہا یہ استقبال عزت و احترام کیسا؟ اس سے پہلے دروازے پر جب ہماری آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے صرف سلام کا جواب دیا اور آگے چل دیئے، جیسے آپ ہمیں اور ہم آپ کو جانتے ہی نہ ہوں تو جواب میں شیخ نے کہا نماز کے لیے مجھے بلایا گیا تھا اور میں اس کی دعوت کیلئے جا رہا تھا اور مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ نماز کے لیے بلانے والے کو چھوڑ کر میں کسی اور کی طرف متوجہ ہوں۔

میں نے یہ واقعہ محترم بھائی فضیلۃ الشیخ سید محمد تمر خطیب سے سنا ہے۔

شیخ ابوالوفاء افغانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۰ھ تا ۱۳۹۵ھ)

یہ ہمارے استاذ اور ایک بابرکت شخصیت عبد صالح شیخ ابوالوفاء افغانی ہندی ہیں۔

ولادت اور وفات

۱۳۱۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی اور ۱۳۹۵ھ میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔ علامہ محقق، فقیہ اصولی، محدث ناقد، مقری سید محمود شاہ قادری حنفی بن سید مبارک شاہ قادری حنفی، ابوالوفاء افغانی کے لقب سے مشہور تھے۔

ان کی شخصیت بہت سے باقی رہنے والے کمالات اور مناقب عالیہ کی مالک تھی۔

پیدائش و جائے پیدائش

دس ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ کو انہوں نے افغانستان کے شہر قندھار میں آنکھ کھولی۔

ابتدائی تعلیم و تربیت

ابتدائی تربیت اسی شہر میں اپنے جلیل القدر والد شیخ مبارک شاہ قادری کے زیر سایہ رہ کر حاصل کی۔

رامپور کا سفر

پھر چھوٹی عمر میں ہی تحصیل علم کیلئے ہندوستان کا سفر کیا۔ وہاں پہنچ کر رامپور کے بڑے بڑے علماء سے مختلف علوم حاصل کئے۔ پھر رامپور سے انہوں نے گجرات کا رخ کیا اور وہاں کے مشہور علماء سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم حاصل کی۔

حیدرآباد دکن کا سفر

اس کے بعد حیدرآباد دکن کی طرف روانہ ہوئے اور مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں سے انہوں نے سن ۱۳۳۰ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد

حدیث تفسیر فقہ اور قرأت میں یہاں کے شیوخ سے انہوں نے اجازت بھی حاصل کی۔

اساتذہ

مدرسہ نظامیہ میں وہ ان اساتذہ سے پڑھتے رہے۔ شیخ انوار اللہ بانی مدرسہ نظامیہ و دائرۃ المعارف العثمانیہ، عظیم شیخ عبدالصمد، شیخ عبدالکریم، شیخ محمد یعقوب، شیخ مقری محمد ایوب، شیخ فقہ رکن الدین اور ان کے علاوہ ان شہروں کے دیگر اساطین علوم سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا۔

تدریس

فراغت کے فوراً بعد انہیں اسی مدرسے میں مدرس مقرر کر لیا گیا۔ یہاں اپنے شیوخ کی صحبت میں رہ کر وہ کئی سالوں اور پے در پے کئی زمانوں تک طلبہ کو علوم عربیت فقہ اور حدیث پڑھاتے رہے۔

انجمن دائرۃ المعارف العثمانیہ کا قیام

اس کے بعد ان کے دل میں انجمن دائرۃ المعارف العثمانیہ کے قیام کا خیال آیا تاکہ وہ اس ادارے کے زیر نگرانی اپنے متقدمین، فقہاء اور محدثین کی یادگاریں شائع کریں۔ اس خیال کی تکمیل کیلئے انہوں نے اپنے دوستوں کی مدد سے اس ادارے کی بنیاد رکھی۔ ایک کے بعد دوسری اور تیسری اور اس کے بعد کئی زمانوں کے آئمہ کی بہت سی نادر اور نفیس کتابیں اپنے اس ادارے سے شائع کیں۔ اس ادارے کے رئیس وہ خود تھے بلکہ اس ادارے کے سنبھالنے اور بہترین طریقے سے چلانے والی ان ہی کی ذات تھی۔ خالص اللہ کی رضا کیلئے جتنا ہو سکا۔ انہوں نے اس ادارے کو اپنا مال، وقت اور علم دیا۔

سفر حجاز

اللہ نے ان پر کرم فرمایا اور انہیں اپنے گھر کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ حج اور عمرہ کی نیت سے وہ سفر حجاز پر روانہ ہو گئے۔ یہاں انہوں نے اسلام کے جلیل القدر فضلاء کی ایک بہت بڑی جماعت سے ملاقات کی اور ان سے استفادہ کیا۔ انہوں

نے بھی ان سے استفادہ کیا۔ اس سفر سے ان کی شہرت اہل علم کے درمیان دور دور تک پھیل گئی۔

اہل علم کی طرف خط و کتابت

جن مخطوطات اور نادر کتابوں کی ان کو ضرورت ہوتی، ان کے متعلق وہ تمام علمی حلقوں کی طرف خط و کتابت کر کے ان سے اس سلسلے میں مدد لیتے۔ حتیٰ کہ ان کے پاس فقہ حنفی، حدیث رجال، تاریخ اور دیگر اسلامی علوم کی کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا تھا۔

ان کی شائع کردہ کتب

انہوں نے اپنی تحقیق اور اضافوں کے ساتھ بہت سی نادر اور اعلیٰ کتابیں شائع کیں جن میں امام قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سن وفات ۱۸۲ کی تین تصنیفات کتاب ''الآثار'' کتاب الرد علی سیر الاوزاعی'' اور کتاب اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ (سن وفات ۱۸۷) کی تین تصنیفات ''کتاب الاصل'' یہ کتاب بہت سی بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔ الجامع الکبیر اور شرح کتاب الآثار اس کتاب کی تحقیق وہ زندگی کے ساتھ نہ دینے کی وجہ سے صرف باب الجنائز کے آخر تک کر سکے۔

تحقیقی و تصنیفی کام اور دیگر ان کی شائع کردہ کتب

اس کے علاوہ انہوں نے ان کتابوں پر کام کیا۔ (۱) فقہ حنفی کی کتاب مختصر الطحاوی کی تحقیق ایک بڑی جلد میں (۲) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کبیر کی تیسری جلد کی تحقیق (۳) امام جصاص کی کتاب النفقات کی تحقیق (۴) سرخسی کی اصول الفقہ اور (۵) شرح الزیادات کی تحقیق دو جلدوں میں اور (۶) حافظ ذہبی کی کتاب مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ یوسف ومحمد پر انہوں نے تحقیقی کام کیا۔ (۷) امام محمد بن حسن شیبانی کی

کتاب "الحجه علی اهل المدینه" جس کی تحقیق محدث فقیہ مفتی مہدی حسن نے کی ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں ان کی زیرنگرانی شائع ہوئی۔(۸) اس کے علاوہ امام محدث قاضی ابی عبداللہ صمیری سن وفات ۴۳۶ھ کی کتاب اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ (۹) حافظ محدث محمد بن یوسف صالحی شافعی دمشقی (سن وفات ۹۴۲) کی کتاب عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفه النعمان اور دیگر نافع و نادر کتابیں انہوں نے اپنی زیرنگرانی شائع کیں۔

بیوی اور اولاد کے بجائے ان نفیس اور عمدہ کتابوں کی نشر و اشاعت سے وہ خود کو تسکین پہنچاتے تھے تا حیات وہ بغیر شادی کے تنہا عابد اور زاہد بن کر رہے۔

مستحبات چھوڑنا بھی گوارہ نہ تھا

وہ متقی، رات کو مصلے پر کھڑے ہونے والے اور نبی و کرم ﷺ کی سنتوں کی مکمل حفاظت کرنے والے شخص تھے۔ مستحبات کو چھوڑنا بھی ان کو گوارہ نہ تھا۔ ان کے اوقات مطالعہ افادہ تحقیق و تعلیق اور نوجوان علماء اور طلبہ کو علم سکھانے کیلئے وقف تھے۔ حق بات کا وہ برملا اظہار کر دیا کرتے تھے اور اس میں ان کو کسی کی ملامت کی مطلقاً پرواہ نہ تھی۔

ان کے چہرے کی جلد خوبصورت اور چمکدار تھی۔

گھر کا چشم دید نظارا

ہندوستان کے شہر حیدر آباد دکن میں واقع ان کے گھر میں میں نے ان سے ملاقات کی۔ ان کے سارے گھر میں سوائے مخطوطات، مسودات اور مطبوعہ کتابوں کے اور کچھ نہ تھا۔ کتابوں کا یہ ذخیرہ ان کے اردگرد بکھرا پڑا تھا اور وہ اس سے سیراب ہو کر لوگوں کے سامنے اپنے علم کے ثمرات صاف شہد کی صورت میں پیش فرمایا کرتے تھے۔ جسم کی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے وہ زمین پر لیٹنے کے بجائے رسیوں سے بنی ہوئی ایک سادہ چارپائی پر سوتے تھے۔

کم کھانا کم سونا

ان کا کھانا چند لقمے ہوتے تھے جن کو وہ رات میں کھاتے تھے ان کی راتیں اپنے رب سے مناجات میں گزرتی تھیں اور اپنی اس زندگی سے وہ راضی اور قناعت نے ان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ کسی چھوٹے یا بڑے کی آواز یا کسی بیوی یا بچے کا مطالبہ ان کو اس زاہدانہ تنہا زندگی سے نکالتا نہ تھا۔

سب سے بڑی فکر

علم میں اضافہ اور اس کی نشر و اشاعت کی کوشش ان کی سب سے بڑی فکر تھی، اپنی موت تک وہ اسی طرح زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ وقت آن پہنچا۔

سفر آخرت

بدھ کی صبح تیرہ رجب سن ۱۳۹۵ھ کو وہ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ اللہ کی ان پر رحمت ہو اور وہ ان سے راضی ہو اور ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

مراجع و مصادر

شیخ ابوالوفاء افغانی کے تذکرے کا اکثر حصہ اس تذکرے سے لیا گیا ہے جس کو فاضل بھائی شیخ ابوبکر ہاشمی ہندی جو کہ شیخ ابوالوفاء کے ایک ساتھی ہیں نے کتاب الآثار مصنفہ امام محمد بن حسن شیبانی کی دوسری جلد کے آخر میں لکھا ہے[1]

کتاب الآثار کی شرح اور اس پر اضافہ بھی ابوالوفاء جیسے نے کیا ہے لیکن شیخ ابوبکر نے اپنے ذکر کردہ تذکرے میں ان کے نام کی صراحت نہیں کی۔ اللہ ان کی حفاظت فرمائے اور ان سے مخلوق کو نفع عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] ۳۲۶-۳۲۷

﴿فاضلہ کریمۃ بنت احمد[1] (۳۶۲ھ تا ۳۶۳ھ)﴾

یہ شیخہ عالمہ فاضلہ محدثہ ام کرام، کریمہ بنت احمد بن محمد بن حاتم مروزیہ[2] ہیں۔

ولادت

مرو میں سن ۳۶۳ھ میں پیدا ہوئیں۔

۱۔ شیخ عبدالفتاح نے گزشتہ صفحات میں جن علماء کا تذکرہ پیش کیا ہے، ہر تذکرے پر انہوں نے ومن العلماء العزاب (یعنی غیر شادی شدہ علماء میں سے ایک یہ ہیں) کا عنوان لگایا ہے۔ پیش نظر تذکرہ ایک خاتون کا تذکرہ ہے۔ اس پر ومن العالمات العزبات کا عنوان لگانے کے بجائے انہوں نے سابقہ عنوان ومن العلماء العزاب کے عنوان کو ہی برقرار رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زیادہ فصیح ہے۔

جیسا کہ اپنے زمانے کے عربیت کے امام ابوالعباس مبرد اپنی کتاب "الکامل" ۳/۲۷۱ پر خوارج کے تذکرے میں بلجاء نامی ایک خاتون کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

یہ عورت خوارج کی مجتہدہ تھی، اگر آپ مجتہدہ کے بجائے مجتہد کہہ دیں تو یہ زیادہ فصیح ہوگا کیونکہ اس کلام سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ اجتہاد کے درجہ پر فائز خوارج کے مرد اور عورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ ترجمہ اس نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی اور وہ تھی فرمانبرداروں میں سے۔ اور اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغَابِرِیْنَ ترجمہ مگر وہ بوڑھی جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔

۲۔ بہت سی کتابوں میں یہ نسبت اسی طرح المروزیہ آئی ہے۔ یہ نسبت مرو شاہجہان کی طرف ہے۔ زرکلی نے الاعلام ۸/۹۸ پر حرف میم میں یہ نسبت اسی طرح بیان کی ہے۔ المروزیہ، کریمہ بنت احمد۔ اسی کتاب کی جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۸۷ پر زرکلی ان کے تذکرے میں اس نسبت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

المروزیہ اس میں راء مشدد اور مضموم ہے اس کے بعد واؤ ساکن پھر زال ہے اور یہ نسبت مرو الروذ کی طرف ہے۔ اگر ان کی بیان کردہ یہ نسبت صحیح ہے تو پھر یہ لفظ مروذیہ ہی ہے لیکن تمام

بیت اللہ کی مجاورت

مکہ میں بیت اللہ کے پڑوس میں ایک عرصہ تک مقیم رہیں۔

تعلیم

انہوں نے صحیح بخاری ابوالہیثم کشمیہنی سے سنی زاہر بن احمد سرخسی اور عبداللہ بن

حاشیہ: کتب میں بھی صرف مروزیہ ہی مذکور ہے۔ مذکورہ بالا گفتگو کے بعد تقی الدین فاسی کی کتاب العقد الثمین فی تاریخ بلد الامین ۸/۳۱ تذکرہ کریمہ مروزیہ پر عالم فاضل بھائی ڈاکٹر محمود الطناحی کا کلام میری نظر سے گزرا۔ وہ استاذ زرکلی کا مذکورہ بالا قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں۔ الکامل العبر الشذرات، البدایہ والنہایہ اور تاج العروس ۹/۳۳ پر مادہ کرم میں اس خاتون کا تذکرہ بیان کیا گیا ہے لیکن ان تمام کتابوں میں ان کی نسبت المروزیہ ہی بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد میں نے "معہد المخطوطات" میں "الوافی بالوفیات" کا ایک مسودہ دیکھا۔ اس میں بھی یہ نسبت المروزیہ ہی بیان کی گئی تھی تو استاذ زرکلی نے جو بیان کیا ہے، وہ ایک وہم اور غلطی ہے جس کی طرف التفات کرنا صحیح نہیں ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تذکرۃ الحفاظ ۳/۱۳۳۳ پر کریمہ شامیہ کے نام سے ایک اور محدثہ کا تذکرہ بیان کیا ہے۔ یہ خاتون کریمہ مروزیہ کے بعد کے زمانہ کی ہے۔ حافظ ذہبی سن ۶۴۱ کی وفیات میں اس خاتون کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اسی سال شام کی محدثہ ام الفضل کریمہ بنت محدث عبدالوہاب بن علی بن خضر قرشیہ زبیریہ ۹۵ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں اور شام میں رہنے والی یہ کریمہ وہی ہے جس سے ابوشامہ مقدسی نے پڑھا ہے۔ ذہبی رحمہ اللہ کی تذکرۃ الحفاظ ۴/۱۴۶۱ اور سیوطی کی طبقات الحفاظ ص ۵/۷ پر ابوشامہ مقدسی کے تذکرے میں اس خاتون کی نسبت کے بغیر صرف نام بیان کیا گیا ہے جس کی وجہ سے "طبقات الحفاظ" کے محقق سے یہاں بہت بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۶۳۸ پر یہ محقق کہتے ہیں کریمہ جس سے ابوشامہ نے پڑھا ہے۔ یہ کریمہ بنت احمد مروزیہ ہے۔ یہ واضح غلطی ہے کریمہ مروزیہ کا سن وفات ۴۶۳ ہے۔ ابوشامہ ۵۹۹ میں پیدا ہوئے ہیں تو وہ ایسی خاتون سے کیسے پڑھ سکتے ہیں جو اس سے تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔

یوسف بن ماسویہ اصبہانی سے بھی پڑھتی رہیں۔

ثقاہت

وہ جب کوئی علمی مسئلہ بیان کرتیں تو اس کو پہلے اصل کتاب میں دیکھتیں۔ وہ سمجھدار، نیک اور ایک عبادت گزار خاتون تھیں۔

تدریس

صحیح بخاری انہوں نے کئی بار پڑھائی۔ ایام حج میں ایک بار انہوں نے خطیب بغدادی کی قرأت سے صحیح بخاری پڑھائی۔

تاحیات وہ غیر شادی شدہ رہیں۔

تلامذہ

ان کے حوالے سے حدیث بیان کرنے والوں میں خطیب ابوالغنائم نرسی ابوطالب حسین بن محمد زینبی، محمد بن برکات سعیدی، علی بن حسین فرآء، عبداللہ بن محمد بن صدقہ بن غزال، ابوالقاسم علی بن ابراہیم نسیب، ابوالمظفر منصور بن سمعانی اور دیگر شامل ہیں۔

ابوالغنائم نرسی کہتے ہیں کہ کریمہ صحیح بخاری کا ایک نسخہ نکال کر لائیں، میں نے ان کے برابر میں بیٹھ کر اس نسخے سے سات صفحے لکھے اور ان کو پڑھا، میرا ارادہ تھا کہ میں صحیح بخاری لکھ کر بعد میں اکیلا بیٹھ کر اس کا اصل نسخے کے ساتھ موازنہ کرلوں گا لیکن انہوں نے کہا نہیں میرے پاس بیٹھ کر موازنہ کرو چنانچہ ان کے کہنے پر میں نے وہیں بیٹھ کر اپنے لکھے ہوئے کا اصل نسخے کے ساتھ موازنہ کیا اور ان کے سامنے حدیث زاہر سے پڑھا۔

کیا اس جیسی خاتون بھی کسی نے دیکھی؟

ابوبکر بن منصور سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو کریمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، وہ کہہ رہے تھے کیا کسی انسان نے کریمہ جیسی خاتون بھی دیکھی ہے؟

بیت المقدس سے واپس مکہ آمد

ابو بکر کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بھتیجی کریمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ کریمہ نے کبھی شادی نہیں کی، اس کے والد کا تعلق کشمیہن سے تھا، وہ اس کو لے کر پہلے بیت المقدس گئے، پھر واپس مکہ لوٹے۔

وفات حسرت آیات

صحیح قول کے مطابق ۴۶۳ھ میں سو سال کی عمر میں انہوں نے اس دار فانی سے کوچ کیا۔ اللہ نے ان کو کس قدر زیادہ عمر دی تھی، پھر ان کی عمر کو علم و فضل سے کس قدر آباد کیا تھا۔ (رحمہا اللہ علیہا)

☆ ... ☆ ... ☆

---

۱ دیکھئے ذہبی کی سیر اعلام النبلاء ۱۸/۲۳۳

خاتمہ

اس کتاب میں جن غیر شادی شدہ علماء کا میں نے تذکرہ بیان کیا ہے وہ اسلامی علوم کے جلیل القدر آئمہ، علماء شریعت کے اساطین (ستون) اور دینداری تقویٰ اور صلاح کے ارکان ہیں۔ شریعت میں بے نکاحی کے مقابلے میں نکاح کرنے کے جو فضائل بیان کیے گئے۔ وہ ان حضرات کی نظروں سے اوجھل نہ تھے بلکہ ان میں سے جو فقہاء تھے۔ انہوں نے اپنی کتابوں اور تصنیفات میں نکاح کے فضائل، شریعت میں اس کی ترغیب اور پسندیدگی اور اس کے احکامات کو خود مدون کیا ہے۔

عمر صلاح مردانگی اور سلامتی کے باوجود ان حضرات نے جو بے نکاحی کو اختیار کیا، اس کی توجیہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان حضرات نے اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دی تاکہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو دین اور علم کی خدمت میں کھپا دیں اور شریعت کی تدوین اور اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے میں اپنی ساری محنت لگا دیں۔

اس میں کوئی شک نہیں اسلام میں اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینا مشروع ہے اور ایسا کرنے والا قابل ستائش ہے۔ ان علماء کے کتنے ہی احسانات اور نوازشیں علماء اور عام لوگوں کی گردنوں پر ہیں۔

نکاح اگر نگاہ نیچی کرتا اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان علماء کو تقویٰ، صلاح اور زہد کے لباس سے نوازا تھا اور علم وعمل کے زیور سے آراستہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نکاح کے مقاصد کو وہ ان بھلائیوں سے حاصل کر لیتے تھے جن سے ان کو نوازا گیا تھا۔

ایک شوہر کی روح کو اگر بیوی کی قربت میں سکون ملتا ہے تو اتنا یا اس سے بڑھ کر ان حضرات کو کتاب اور علم میں سکون ملتا تھا۔

علامہ شیخ ابن ابی شامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک کہا

کتـــاب اطـــالـعه مونـــس   احـــب الـتـــی مـــن الآنسة

وازرســـه فیـــرینـــی القـرو   ن حضـوراً واعـظـمهم دراسه

ترجمہ ''سکون دینے والی کتاب جس کا میں مطالعہ کروں، وہ مجھے
پاکیزہ طبیعت محبوبہ سے زیادہ محبوب ہے، میں اس کتاب کو پڑھوں تو
وہ گزشتہ زمانوں کے لوگوں کو میرے سامنے کردے اور میں ان کو بڑا
جانوں، یہ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔

حلب میں اپنے زمانہ طالب علمی کے ابتدائی ایام میں میں نے اپنے شیخ معقولات کے علامہ شیخ فیض اللہ ایوبی کردی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ

عراق میں کردیوں کے مدرسے میں ان کے ساتھ پڑھنے والوں میں سے ان کا ایک دوست نیک، محنتی اور علم کا دیوانہ تھا۔ ایک مالدار اور نیک شخص نے اس کی دینداری، علم اور صلاح کو دیکھ کر اس سے درخواست کی کہ وہ اس کی بیٹی سے شادی کرلے۔ اس نے اس کو اس بات کا اطمینان دلایا کہ وہ شادی پر آنے والے تمام اخراجات وہ خود برداشت کرے گا۔ اس کے ساتھ اس نے اس کو بہت زیادہ مال اور وسیع اور خوبصورت گھر بھی دینے کا وعدہ کیا تا کہ وہ اس کی بیٹی کو اپنے عقد نکاح میں قبول کرلے۔

اس درخواست کے جواب میں اس نیک طالب علم نے اس شخص کو کہا۔ ''مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں آپ مجھے سوچنے کا موقع دیں گے۔ اس شخص نے کہا ٹھیک ہے، ہمارے شیخ نے بتایا کہ وہ طالب علم شادی کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ کتاب کو اپنے دل اور سینے سے لگاتا تو بہت زیادہ راحت اور خوشی محسوس کرتا۔ اس کے بعد کتاب کو سینے سے ہٹا کر بیوی کی زیب و زینت اور اس کے ساتھ اپنی موانست کے بارے میں سوچتا تو اپنے دل میں ایک قسم کا انقباض اور تنگی محسوس کرتا۔

لڑکی کے والد نے جب اس سے دوبارہ استفسار کیا تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی نیک اور مومنہ بیٹی کی عمر میں برکت دے اور اس کو میرے بدلے میں بہتر شوہر نصیب

فرمائے۔ آپ مجھے کتاب اور علم کے ساتھ ہی رہنے دیں۔

یوں اس طالب علم نے بیوی اس کی زیب و زینت اور بیوی کی صورت میں عمدہ ہدیہ جس کے ساتھ گھر، دیگر سامان اور مال بھی مل رہا تھا، ان تمام چیزوں پر علم کو ترجیح دی۔ گویا ان کی نظر حافظ مجتہد امام ابو محمد بن حزم ظاہری کے ان اشعار پر تھی جن کو قفطی نے ''انباہ الرواۃ'' میں ذکر کیا ہے۔

من لم یر العلم اغلیٰ ۔۔۔ من کل شیئی یصاب
فلن یفلح حتیٰ ۔۔۔ یحثیٰ علیہ التراب

ترجمہ ''جو علم کو سب سے قیمتی چیز نہ سمجھے وہ مصیبتوں میں گرفتار رہے گا۔ کامیابی کا منہ وہ ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ یہاں تک کہ اس پر مٹی ڈال دی جائے۔

شادی میں اگر انسان کو اولاد اور مرنے کے بعد ذکر خیر باقی رہنے کا ہدیہ ملتا ہے، تو ان علماء نے اس ہدیے کے عوض اپنی ان کتابوں اور تصنیفات کو اختیار کیا ہے جو وہ اپنے بعد چھوڑ گئے۔

ایسے ہی موقع پر ابوالفتح بستی ؒ نے کہا تھا۔

یقولون ذکر المرء یحیا بنسلہ ۔۔۔ ولیس لہ ذکرا ذا لم یکن نسل
فقلت لھم نسلی بدائع حکمتی ۔۔۔ فان فاتنا نسل فانّا بہ نسلو

ترجمہ ''لوگ کہتے ہیں کہ انسان کا ذکر خیر اس کی نسل سے باقی رہتا ہے، اگر اس کی نسل نہ ہو تو مرنے کے بعد اس کو کوئی یاد نہیں کرتا۔ میں نے ان لوگوں سے کہا میری نسل تو میری حکمت کی عمدہ باتیں ہیں، اگر ہماری نسل نہ بھی ہو تو ہم ان کی باتوں ہی سے تسلی حاصل کریں گے۔

ا ۳۳۳/۳

ان اشعار کو مرتضیٰ زبیدی نے "شرح الاحیاء[1]" میں ذکر کیا ہے۔

مختلف فنون کے ماہر عالم عظیم شاعر بہت سی تصنیفات اور مفید مباحث کے مولف ابوالطیب شہاب الدین احمد بن محمد جو کہ شہاب الدین حجازی کے لقب سے مشہور تھے۔ان کی ولادت ۷۹۰ھ میں وفات سن ۸۷۵ میں ہوئی، وہ کہتے ہیں

قالوا اذالم یخلف میت ذکرا بنسی فقلت لهم فی بعض اشعاری

بعد الممات اصیحابی ستذکرنی بما اخلف من اولاد و افکار

ترجمہ "لوگ کہتے ہیں کہ مرنے والا اگر اپنے پیچھے کوئی بیٹا نہ چھوڑے تو اس کو بھلا دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو میں نے اپنے بعض اشعار میں جواب دیا کہ مرنے کے بعد میرے وہ نخلے ساتھی جو میرے افکار کی پیداوار ہیں۔ وہ میرا تذکرہ کریں گے۔

ان اشعار کو سخاوی نے "الضوء اللامع[2]" میں ان کے تذکرے میں بیان کیا ہے۔ اس سے قبل امام زمخشری کے تذکرے میں ان کا وہ کلام گزر چکا ہے جس میں وہ اپنی تصنیفات کو بیٹوں اور بیٹیوں سے افضل قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ تصنیفات نہ انسان کو تھکاتی ہیں اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی نافرمانی کا خدشہ ہوتا ہے۔

اسی طرح کی بات وہ اپنے ان اشعار میں بھی دہراتے ہیں۔

ما نسل قلبی کنسل صلبی من قاس ردله قیاسه

کم بین ذی مسلک طهور و سالک مسلک النجاسه

من ماس ابنائه فانا لهولاء البنین ساسه

ترجمہ "میری قلبی نسل میری صلبی نسل کی طرح نہیں ہو سکتی، جس نے پہلی نسل کو دوسری نسل پر قیاس کیا اس کا قیاس رد کر دیا جائے گا۔"

---

[1] ۲/۲۸۳ اور ۵۲۸

[2] ۲/۱۲۸

پاکیزہ راستے کے مسافر اور گھٹیا راستے پر چلنے والے کے درمیان کتنا بڑا فاصلہ ہوتا ہے جو اپنے بیٹوں کی تربیت کرتا ہے، وہ کرے ہم تو اپنے ان بیٹوں کی ہی تربیت کریں گے۔

یہ اشعار بھی انہی کے ہیں۔

وحسبی تصانیفی و حسب رواتھا بنین لھم سیقف الی مطالبی
اذالاب لم یامن من ابن عقوقہ ولا ان یعق الابن بعض النوائب
فانی منھم آمن وعلیھم واعقابھم ارجوھم للعواقب

ترجمہ" مجھے میری تصنیفات اور ان کو بیان کرنے والے ہی کافی ہیں۔ میرے یہی بیٹے میری ضروریات پوری کرتے ہیں۔ باپ کو اپنے بیٹے کی نافرمانی کا خدشہ رہتا ہے۔ اسی طرح بعض آزمائشوں سے اس کو یہ خطرہ بھی رہتا ہے کہ وہ اس سے اس کے بیٹے کو جدا کر دیں گی۔ البتہ مجھے نہ اپنے ان بیٹوں سے کسی قسم کا کوئی خدشہ ہے اور نہ ہی ان کے بارے میں مجھے کسی قسم کا کوئی خطرہ ہے اور مشکل حالات میں مجھے ان کے بہتر نتائج کی امید ہوتی ہے۔"

امام ابن جوزی اپنی عجیب کتاب "صید الخاطر"[۱] کے شروع میں کہتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اولاد کے حصول کی کوشش کرے تاکہ اس کے دنیا سے جانے کے بعد یہ اولاد اس کو یاد رکھے اور اس کے لیے باعث اجر وثواب بنے یا اس کو چاہیے کہ کوئی کتاب لکھ دے کیونکہ انسان کی تصنیف اس کا ہمیشہ رہنے والا بیٹا ہے۔ لوگ جب اس کی کتاب پڑھ کر اس کی اقتدا کریں گے تو گویا وہ مرا ہی نہیں۔ کہنے والے نے کیا ہی خوب کہا" قد مات قوم وھم فی الناس احیاء" یعنی کچھ لوگ مر کر بھی لوگوں میں زندہ رہتے ہیں۔

---

[۱] ص ۳۰ صید الخاطر

جلیل القدر غیر شادی شدہ علماء کے تذکروں اور ان کی علمی مشغولیت کے متعلق واقعات میں سے جتنا جمع ہو سکا وہ آپ کے سامنے ہے۔ ان واقعات کے جمع کرنے کا مقصد یہ ہے تا کہ ہماری امت مسلمہ کے وہ نوجوان جو مختلف علوم میں ذکاوت اور بلند ہمت کے مالک ہیں۔ ان میں سے اگر کسی کی نظروں سے یہ کتاب گزرے تو یہ اس کے ارادوں کو مزید بلندیوں کی طرف حرکت دے اور اس کتاب کے مطالعے سے اس کے عزائم مزید رفعتوں کی طرف پرواز کریں۔ یوں یہ کتاب ان نوجوانوں کی قیادت و سیادت واپس لوٹانے، دین کی تجدید اس کے علوم و فضائل و آثار کی نشر و اشاعت میں بہترین معاون ثابت ہوگی۔ یہی چیز پھر انسانیت کیلئے عمومی خیر کا باعث ہوگی۔ ہر بھلائی کی توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ضعیف اور اللہ کی طرف محتاج بندہ عبدالفتاح محمد ابو غدہ کہتا ہے کہ اس کتاب کے جمع کرنے اور اس پر نظر ثانی کرنے سے میں بروز جمعہ ۱۴ جمادی الاولی ۱۴۰۱ھ کو ریاض میں فارغ ہوا۔ اللہ تعالی اس کتاب کو خالص اپنی رضامندی کا ذریعہ بنائے اور اس کو میرے لیے ایسے دن نافع بنائے جس دن میری اس کے ہاں حاضری ہوگی، وہ دن ایسا ہوگا۔

﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝﴾

ترجمہ ”جس دن نہ کام آئے گا کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا“ (ترجمہ شیخ الہند)

شروع میں میں نے اس کتاب میں ۲۰ غیر شادی شدہ علماء کے تذکروں کو جمع کیا تھا اس کے بعد پھر میں نے مزید ۱۵ غیر شادی شدہ علماء کے تذکروں کا اضافہ کیا۔ اس کے علاوہ مزید تحقیق فوائد اور لطائف کا بھی اضافہ کیا گیا۔

اس اضافے اور تحقیقی کام سے میں ۵ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ کو ریاض میں فارغ ہوا۔ میں اللہ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اس کو میرے لیے نافع بنائے اور اس کو میرے صحیفہ

حسنات میں اضافے کا باعث بنائے۔ وہی ہمارا حامی اور مددگار ہے۔

نعم المولیٰ و نعم النصیر

استدراک

شیخ الشیوخ علامہ بشیر غزی حلبی کے تذکرے میں میں نے یہ عبارت ذکر کی ہے۔ ان کے منظوم کلام میں سے ایک ''حدائق الرند فی ترجمة ترجیع بند'' ہے۔ اس عبارت کی وضاحت مجھ سے رہ گئی تھی چونکہ اس عبارت کا معنی ذرا مشکل ہے اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس کی آخر میں وضاحت پیش کر دی جائے تا کہ قاری کے سامنے اس کا صحیح معنی آ جائے۔

الرند

یہ عمدہ خوشبو والا ایک درخت ہے جو دیہاتوں میں پایا جاتا ہے۔ دیکھئے ''ادی شیر'' کی ''معجم الالفاظ الفارسیة المعربة'' ص ۷۳۔

البند

اس کا معنی ہے وعظ و نصیحت، دیکھئے ڈاکٹر محمد التونجی حیبی کی المعجم الذہبی فارسی عربی ص ۱۶۳۔

وہ صفحہ نمبر ۱۸۵ پر لفظ ''ترجیع بند'' کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''ترجیع بند'' کا لفظ فارسی اور عربی دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کا اطلاق فارسی کی اس نظم پر ہوتا ہے جس کے چند اشعار ایک ہی بحر سے ہوں۔ اس طرح ان کا قافیہ بھی ایک ہو۔ اس کے بعد شاعر اسی بحر سے چند اشعار ایسے لائے جو قافیہ میں گزشتہ اشعار سے مختلف ہوں۔ ان قطعات کے درمیان ایسے اشعار ہوں جو وزن میں متحد اور قافیہ میں مختلف ہوتے ہیں۔

ترجیع بند کا عکس ترکیب بند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

﴿المصادر والمراجع﴾

میں نے ان کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کے حوالے پیش کیے ہیں اور جن کے حوالے پیش نہیں کیے ان کا ذکر کرنا ذہن سے نکل گیا اور جو کتب مصر کی مطبوعہ ہیں ان کا مطبع ذکر کرنا بھول گیا ہوں۔

۱۔ ابن النفيس طليعة العهد العلمي في الطب بول غليونجي، مطبعة حكومة الكويت، وزارة الارشاد و الأنباء الكويتية۔

۲۔ الآثار للامام محمد بن الحسن الشيباني، طبع لجنة إحياء المعارف النعمانية ١٣٩٥ﻫ انڈیا.

۳۔ إحياء علوم الدين للغزالي، دار المعرفة في بيروت.

۴۔ أزهار الرياض للمقرى، مطبعة لجنة التاليف و الترجمة والنشر ١٣٥٨ﻫ.

۵۔ اساس البلاغة للزمخشري، مطبعة اولاد أور فاند ١٣٧٢

۶۔ الأشباه والنظائر لابن نجيم الحنفي. الحسينية ١٣٢٢.

۷۔ الأشباه والنظائر للسيوطي. دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٥.

۸۔ أعلام العراق لمحمد بهجة الأثرى، المطبعة السلفية، مصر ١٣٤٥.

۹۔ أعلام الفكر الاسلامي في العصر الحديث لا حمد تيمور باشا، دار النصر، الطبعة الاولى ١٣٨٧

۱۰۔ إعلام النبلاء بتاريخ حلب الشهباء لراغب الطباخ، المطبعة العلمية حلب ١٣٤٥.

۱۱۔ إعلام النبيل بجواز التقبيل، لعبد الله بن الصديق الغمارى، عالم

الكتب بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۵ھ۔
۱۲۔ الأعلام للزركلي ۱۳۷۸ والخامسة ۱۳۹۹ھ۔
۱۳۔ الامام الشيرازی حياته و آراؤه الاصولية للدكتور محمد حسن هيتو. دار الفكر، دمشق. الطبعة الاولیٰ ۱۴۰۰ھ۔
۱۴۔ إنباء الغمر لابن حجر، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۶ھ۔
۱۵۔ إنباه الرواة على أنباه النحاة للقفطي، دار الكتب المصرية ۱۳۷۴ھ۔
۱۶۔ انتصار الفقير السالك للراعي الاندلسي، دار الغرب الاسلامی بيروت، الطبعة الأولى ۱۹۸۱م۔
۱۷۔ الأنساب للسمعاني، دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد الدكن انڈيا ۱۳۸۴ھ۔
۱۸۔ البحر المحيط للزركشي، وزارة الأوقاف الكويت، الطبعة الثانية ۱۴۱۳ھ۔
۱۹۔ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع لعلاء الدين الكاساني، دار الكتاب العربي بيروت ۱۴۰۲ھ۔
۲۰۔ البداية والنهاية لابن كثير. السعادة ۱۳۵۱ھ۔
۲۱۔ بديع الزمان سعيد النورسي، نظرة عامة عن حياته و آثاره للاحسان قاسم الصالحي، مطابع الوفاء ۱۹۸۸م۔
۲۲۔ البرصان والعرجان للجاحظ، نشر وزارة الثقافة العراقية ۱۹۸۲ھ۔
۲۳۔ التبيان في علم المعاني والبديع والبيان للطيبي، عالم الكتب بيروت، الطبعة الاولى ۱۴۰۷ھ۔
۲۴۔ تاج العروس من جواهر القاموس للزبيدي، الخيرية ۱۳۰۶ھ۔

۲۵۔ تاریخ إربل لابن المستفی، دار الرشید بغداد ۱۹۸۰۔

۲۶۔ تاریخ السلام للذہبی۔ (مخطوطہ)

۲۷۔ تاریخ الامم والملوک لابن جریر، طبری، دار سویدان بیروت۔

۲۸۔ تاریخ بغداد للخطیب البغدادی السعادة ۱۳۴۹ھ

۲۹۔ تاریخ علماء بغداد لیونس السامرائی، وزارة الاوقاف العراقیة ۱۴۰۲۔

۳۰۔ تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ لابن حجر، المؤسسة المصریة العامة للتالیف والنشر ۱۹۶۴۔

۳۱۔ التبیان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن للجزائری، الطبعة الثانیة بیروت ۱۴۱۰۔

۳۲۔ تثقیف اللسان وتلقیح الجنان لابن مکی الصقلیة المجلس الاعلی لشؤون الاسلامیة ۱۳۸۲۔

۳۳۔ التحریر الوجیز فیما یبتغیہ المستجیز للکوثری بعنایة عبدالفتاح ابو غدة الطبعة الاولی بیروت ۱۴۱۳۔

۳۴۔ تذکرة الحفاظ للذہبی۔ الطبع۔ الثالثة حیدرآباد الدکن ۱۳۷۵۔

۳۵۔ تذکرة السامع والمتکلم فی أدب العالم والمتعلم لابن جماعة، بدرالدین، دائرة المعارف العثمانی۔ حیدرآباد الدکن انڈیا۔ ۱۳۵۳۔

۳۶۔ ترتیب ثقات العجلی للهیثمی، مکتبة الدار المدینة المنورة، الطبعة الاولی ۱۴۰۵۔

۳۷۔ ترتیب المدارک للقاضی عیاض، بیروت ۱۳۸۷ والمطبعة الملکیة بالرباط المغرب ۱۳۸۳ وما بعدھا۔

۳۸۔ تقدمة الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم، دائرة المعارف العثمانیة

حیدر آباد دکن انڈیا، الطبعة الاولی ۱۳۷۱۔
۳۹۔ تنویر البصائر بسیرة الشیخ طاهر لمحمد سعید البانی، دمشق مطبعة الحکومة العربیة السوریة سنة ۱۳۳۹۔
۴۰۔ توجیه النظر إلی أصول الأثر، للجزائری، بعنایة عبدالفتاح أبوغدة، بیروت ۱۴۱۲۔
۴۱۔ تهذیب الاسماء واللغات للنوی، دارالکتب العلمیة ببیروت۔
۴۲۔ تهذیب الکمال للمزی مؤسسة الرسالة بیروت، الطبعة الاولی ۱۴۰۰۔
۴۳۔ تهذیب اللغة للازهری، المؤسسة المصریة العامة للتالیف والنشر ۱۳۸۳۔
۴۴۔ الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب، تحقیق محمود الطحان، بیروت ۱۴۰۳۔
۴۵۔ الجمهرة لابن درید، دارصادر بیروت طبعة مصورة عن طبعة حیدر آباد دکن انڈیا ۱۳۴۴۔
۴۶۔ الجواهر المضیة فی طبقات الحنیفة للحافظ القرشی، حیدر آباد دکن ۱۳۳۲، ومطبعة عیسی البابی الحلبی ۱۳۹۸ بتحقیق عبدالفتاح الحلو۔
۴۷۔ حسن التقاضی فی سیرة الامام ابی یوسف القاضی للکوثری، الأنوار ۱۳۶۸۔
۴۸۔ الحجة لابی علی الفارسی، طبع بمصر بعنسنة ۱۳۸۳ دون اسم مطبعة ولاتاریخ طبع۔
۴۹۔ حلیة الاولیاء لابی نعیم، السعادة ۱۳۵۱۔
۵۰۔ الخصائص لابن جنی، دارالهدی بیروت مصورة عن طبعة دارالکتب المصریة۔

۵۱۔ خلاصة تذهيب تهذيب الكمال في اسماء الرجال للخزرجي بيروت الطبعة الثالثة ۱۳۹۹، والرابعة ۱۴۱۱ بعناية عبدالفتاح ابوغدة.

۵۲۔ الخيرات الحسان لابن حجر المكي. الخيرية ۱۳۰۴

۵۳۔ الدارس في تاريخ المدارس للنعيمي، مكتبة الثقافة الدينية ۱۹۸۸م.

۵۴۔ الدرر الكامنة لابن حجر، الطبعة الثانية حيدر آباد دكن انديا ۱۳۹۲.

۵۵۔ ذم الهوى لابن الجوزي، طبعة مصر بتحقيق مصطفى عبدالواحد

۵۶۔ ذيل طبقات الحنابلة لابن رجب الحنبلي، السنة المحمدية ۱۳۸۰

۵۷۔ رجال من التاريخ لعلي الطنطاوي، دار المنارة جدة، الطبعة السابعة ۱۴۰۲.

۵۸۔ روضات الجنات للخوانساري، مطبعة المهر استوار ايران، ۱۳۹۱.

۵۹۔ رياض الجنة لعبد الحفيظ الفاسي، مطبعة فاس سنة ۱۳۵۰.

۶۰۔ الزمخشري للدكتور أحمد الحوفي، دار الفكر العربي، الطبعة الأولى ۱۹۶۶.

۶۱۔ سنن أبي داؤد، الطبعة الثانية بتحقيق محي الدين عبدالحميد، طبعة مصطفى محمد ۱۳۶۹.

۶۲۔ سنن الترمذي هو جامع الترمذي، الطبعة المصرية بشرح ابن العربي ۱۳۵۰.

۶۳۔ سنن سعيد بن منصور، المجلس العلمي بالهند ۱۳۸۷.

۶۴۔ السنة النبوية لعبد الفتاح ابو غدة، دار القلم بيروت ۱۴۱۲۔
۶۵۔ سير اعلام النبلاء للذهبي، مؤسسة الرسالة۔ بيروت ۱۴۰۱
۶۶۔ شذرات الذهب، مكتبة القدسي ۱۳۵۰۔
۶۷۔ شرح الفية العراقي للعراقي، فاس ۱۳۵۴، ومصر ۱۳۵۵۔
۶۸۔ شرح الاحياء للزبيدى، الميمنية ۱۳۱۱۔
۶۹۔ شرح صحيح مسلم للنووى، المطبعة المصرية ۱۳۴۹۔
۷۰۔ شرح المفصل لابن يعيش، المطبعة المنيرية۔
۷۱۔ شفاء العليل في ايضاح التسهيل لمحمد السلسلي۔ طبع مصر۔
۷۲۔ شيخ الاسلام ابن تيمية سيرته واخباره عند المؤرخين للدكتور صلاح الدين المنجد۔ دار الكتاب الجديد بيروت ۱۹۷۲۔
۷۳۔ صحيح البخارى۔ المطبوع معه فتح البارى بولاق ۱۳۰۰، وطبعة السلفية ۱۳۸۰۔
۷۴۔ صحيح مسلم۔ المطبوع معه شرح النووى المصرية ۱۳۴۷۔
۷۵۔ الصحاح للجوهرى بتحقيق أحمد عبدالغفور عطار۔ دار الكتاب ۱۳۷۶۔
۷۶۔ صفة الصفوة لابن الجوزى، مطبعة الأصيل بحلب ۱۳۸۹۔
۷۷۔ صفحات من صبر العلماء لعبد الفتاح أبو غدة۔ دار القلم بيروت الطبعة الرابعة ۱۴۱۴۔
۷۸۔ صيد الخاطر لابن الجوزى دار الفكر بدمشق ۱۳۸۰، ودار الكتب الحديثة مصر تاريخ۔
۷۹۔ الضوء اللامع للسخاوى، مكتبة القدسي ۱۳۵۵۔
۸۰۔ طبقات الحفاظ للسيوطي، مطبعة الاستقلال الكبرى ۱۳۹۳۔
۸۱۔ طبقات الحنابلة لابن أبي يعلى، مطبعة السنة المحمدية۔
۸۲۔ طبقات الشافعية لابن قاضى شهبه۔ دائرة المعارف العثمانية الدنيا

الطبعة الاولیٰ ۱۳۹۸ ۔

۸۳۔ طبقات الشافعية الكبرى للتاج السبكي. طبعة عيسى البابي الحلبي محققة ۱۳۸۲ ۔

۸۴۔ طبقات المفسرين للسيوطي، مطبعة الحضارة العربية، الطبعة الاولى ۱۳۹۶ ۔

۸۵۔ طبقات المفسرين للداودي، مطبعة الاستقلال الكبرى، الطبعة الاولى ۱۳۹۲ ۔

۸۶۔ الطبيب العربي ابن النفيس لسلمان قطاية، المؤسسة العربية للدراسات والنشر، الطبعة الاولى ۱۹۸۴ ۔

۸۷۔ طريقة الخلاف في الفقه بين الأسلاف لمحمد بن عبدالمجيد الاسمندى. مكتبة دار التراث.

۸۸۔ العبر للذهبي، مطبعة الحكومة بالكويت ۱۳۸۰۔۱۳۸۶ ۔

۸۹۔ عجائب الآثار في التراجم والأخبار للجبرتي، دار الجيل بيروت

۹۰۔ العرب في صقلية لاحسان عباس، دار المعارف ۱۹۵۹ ۔

۹۱۔ العقد الثمين في تاريخ البلد الأمين للتقي الفاسي، مطبعة السنة المحمدية دون تاريخ.

۹۲۔ العلل ومعرفة الرجال للامام أحمد بن حنبل، جامعة أنقرة في تركيا ۱۳۸۲ ۔

۹۳۔ عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق لمحمد سعيد الباني، مطبعة حكومة دمشق ۱۳۴۱ ۔

۹۴۔ عون المعبود في شرح سنن أبي داود للعظيم آبادي، المكتبة السلفية المدينة المنورة، الطبعة الثانية ۱۳۸۸ ۔

۹۵۔ عيون الأنباء في طبقات الأطباء لابن أبي اصيبعة، دار الثقافة

بيروت، الطبعة الثالثة ١٤٠١.

٩٦ ـ غرائب الغراب ونزهة الألباب للآلوسي المفسر، مطبعة الشابندر بغداد ١٣٢٧.

٩٧ ـ غريب الحديث لابن قتيبة، مطبعة العاني في بغداد ١٩٧٧.

٩٨ ـ الفائق في غريب الحديث للزمخشري، عيسى البابي ١٣٦٤ والطبعة الثانية ١٩٧١م

٩٩ ـ فتح الباري بشرح صحيح البخاري لابن حجر بولاق ١٣٠٠ وطبعة السلفية ١٣٨٠.

١٠٠ ـ فضل علم السلف على علم الخلف، دار البشائر بيروت، الطبعة الأولى ١٤٠٣.

١٠١ ـ الفنون لأبي الوفاء بن عقيل الحنبلي، المطبعة الكاثوليكية بيروت ١٩٧٠.

١٠٢ ـ فهرس الفهارس والأثبات للكتاني، بيروت ١٤٠٢

١٠٣ ـ فوات الوفيات لابن شاكر الكتبي، دار صادر بيروت بدون تاريخ.

١٠٤ ـ قاموس القانون في الطب لابن سينا، تأليف خمسة من كبار الأطباء المشهورين، طبع دائرة المعارف العثمانية في حيدرآباد دكن انديا ١٣٨٧.

١٠٥ ـ القاموس المحيط للفيروز آبادي، الحسينية ١٣٣٠.

١٠٦ ـ القلائد الجوهرية في تاريخ الصالحية لابن طولون، مجمع اللغة العربية دمشق.

١٠٧ ـ القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع للسخاوي، الطبعة الثالثة ١٣٩٧ المكتبة العلمية المدينة المنورة.

١٠٨ ـ قيمة الزمن عند العلماء لعبد الفتاح أبو غدة، الطبعة الخامسة بيروت ١٤١٠.

۱۰۹ ـ الكامل لابن عدى، دار الفكر بدمشق ۱۴۰۴
۱۱۰ ـ كشف الظنون عن اسامي الكتب والفنون لحاجي خليفة، طبع إصطنبول ۱۳۶۰.
۱۱۱ ـ الكشكول للعاملي، مطبعة عيسى البابي الحلبي.
۱۱۲ ـ كنوز الأجداد لمحمد كرد علي، الترقي دمشق ۱۳۷۰.
۱۱۳ ـ الكواكب السائرة بأعيان المئة العاشرة لنجم الدين الغزي، دار الآفاق الجديدة بيروت، الطبعة الثانية، ۱۹۷۹
۱۱۴ ـ لسان العرب لابن منظور، بولاق ۱۳۰۰، وطبعة صادر بيروت.
۱۱۵ ـ لسان الميزان لابن حجر، دائرة المعارف النظامية بحيدر آباد بالهند ۱۳۲۹.
۱۱۶ ـ لفتة الكبد في نصيحة الولد لابن الجوزي، المكتب الاسلامي بيروت، الطبعة الاولىٰ ۱۴۰۲.
۱۱۷ ـ مجمع بحار الانوار لفتني، دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد دكن انڈيا ۱۳۸۷.
۱۱۸ ـ مجمع الزوائد الليثمي، مكتبة القدسي ۱۳۵۲.
۱۱۹ ـ مجموع الفتاوى لابن تيمية. مطابع الرياض في مدينة الرياض ۱۳۸۱.
۱۲۰ ـ محمود شكري الألوسي، و آلاؤه اللغوية لمحمد بهجت أثرى، معهد الدراسات العربية العالية بجامعة الدول العربية القاهرة ۱۹۵۸
۱۲۱ ـ المخصص لابن سيده دار الآفاق الجديدة بيروت دون تاريخ، مصوراً عن طبعة بولاق.
۱۲۲ ـ المردفات من قريش للمدائني، طبع ضمن مجموع نوادر المخطوطات، مطبعة مصطفى البابي الحلبي، الطبعة الثانية

۱۳۹۲.

۱۲۳ ۔ المستدرک للحاکم، حیدر آباد الدکن بالهند ۱۳۳۴.

۱۲۴ ۔ المسلمون في الهند، دائرة المعارف الاسلامية، حیدر آباد دکن انڈیا سنة ۱۳۷۸.

۱۲۵ ۔ المستفاد من ذیل تاریخ بغداد لابن الدمیاطی، دائرة المعارف العثمانية حیدر آباد الدکن انڈیا الطبعة الاولیٰ ۱۳۹۹.

۱۲۶ ۔ المستقصی في الامثال للزمخشری، دار الکتب العلمية بیروت، الطبعة الثانية ۱۳۹۷.

۱۲۷ ۔ مسند الامام احمد، المطبعة الميمنية ۱۳۱۳، وبتحقيق الشیخ احمد شاکر، دار المعارف ۱۳٦۸.

۱۲۸ ۔ مشتبه النسبة للذهبی، مطبعة عیسی البابی الحلبی ۱۹٦۲.

۱۲۹ ۔ المصباح المنیر للفیومی، الامیریة ۱۳۲۸.

۱۳۰ ۔ المصنوع في معرفة الحديث الموضوع لعلی القاری، بیروت، الطبعة الرابعة ۱۳۱٤.

۱۳۱ ۔ المعاصرون لمحمد کرد علی، مطبعة دار ابی بکر دمشق ۱۳۰۱.

۱۳۲ ۔ معجم الأدباء لیاقوت الحموی، دار المامون ۱۳۵۷.۱۳۵۵.

۱۳۳ ۔ معجم الاطباء للدکتور احمد عیسیٰ، دار الکتب العربی بیروت، الطبعة الثانية ۱۴۰۲.

۱۳۴ ۔ معجم الألفاظ الفارسية المعربة لادی شیر، مکتبة لبنان فی بیروت ۱۹۸۰.

۱۳۵ ۔ المعجم الذهبی فارسی عربی، للدکتور محمد التونجي، دار العلم للملایین بیروت ۱۹۸۰.

۱۳٦ ۔ معجم المؤلفین لعمر رضا کحال. مطبعة الترقي دمشق ۱۳۷٦.

١٣٧ ـ المعجم المختص بالمحدثين للذهبي، مكتبة الصديق الطائف، الطبعة الاولى ١٤٠٨.

١٣٨ ـ معجم مقاييس اللغة لابن فارس، مطبعة عيسىٰ البابي الحلبي ١٣٦٦.

١٣٩ ـ معرفة أنواع علم الحديث لابن الصلاح المشهور بمقدمة ابن الصلاح، المطبعة العلمية حلب ١٣٥٠، وطبعة النمنكاني بطبعة الأصيل بحلب ١٣٨٦.

١٤٠ ـ المعرفة والتاريخ للفسوي مطبعة الارشاد بغداد ١٣٩٤.

١٤١ ـ مفتاح العلوم للسكاكي، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الاولى ١٤٠٣.

١٤٢ ـ المقاصد الحسنة للسخاوي، دار الادب العربي ١٣٧٥.

١٤٣ ـ مقال تاريخ الطب عند العرب ابن النفيس لاحمد المكينسي، مجلة الامة القطرية، العدد ٣٧، السنة الرابعة، محرم سنة ١٤٠٣.

١٤٤ ـ المنار المنيف في الصحيح والضعيف لابن القيم، دار البشائر بيروت، الطبعة السادسة ١٤١٤.

١٤٥ ـ مناقب الامام أبي حنيفة للموفق المكي، دار الكتاب العربي بيروت ١٤٠١.

١٤٦ ـ المنظم لابن الجوزي، حيدرآباد الدكن ١٣٥٧.

١٤٧ ـ من جاوز المئة للذهبي مقال في مجلة المورد العراقية، بغداد ١٩٧٣.

١٤٨ ـ المنهل العذب الروي في ترجمة المام النوري للسخاوي، القاهرة سنة ١٣٥٣.

١٤٩ ـ المهذب لأبي اسحاق الشيرازي، دار الكتب العربية الكبرى

۱۳۴۴.

۱۵۰ـ الموجز في الطب لابن النفيس، طبعة وزارة الاوقاف المصرية بمطابع الهرام التجارية سنة ۱۳۰۶.

۱۵۱ـ ميزان الاعتدال للذهبي، السعادة، وعيسى البابي الحلبي ۱۳۸۲.

۱۵۲ـ النجوم الزاهرة لابن تغرى بردى، دارالكتب المصرية ۱۳۴۸.

۱۵۳ـ نزهة الالباء لابن الانباري، مطبعة المدني ۱۳۸۶

۱۵۴ـ نكت الهميان في نكت العميان للصفدي، طبعة احمد زكي باشا ۱۹۱۰.

۱۵۵ـ النهاية في غريب الحديث والأثر لابن الأثير، تصوير عن طبعة البابي الحلبي المطبوعة ۱۳۸۳.

۱۵۶ـ نيل الابتهاج بطريز الديباج للتبكي، السعادة ۱۳۳۰.

۱۵۷ـ هدى الساري مقدمة فتح الباري لابن حجر، المنيرية ۱۳۴۷.

۱۵۸ـ الوابل الصيب من الكلم الطيب لابن القيم، دار الطباعة المنيرة ۱۳۵۷.

۱۵۹ـ الوافي بالوفيات للصلاح الصفدي، طبعة فرانز في تركيا ۱۳۸۱.

۱۶۰ـ وفيات الأعيان لابن خلكان. المطبعة. الميمنية ۱۳۱۰، وطبعة دار صادر في بيروت ۱۳۹۸.